رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے سالانہ

قیمت پانچ روپیہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ۔ درخواستہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام
عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۳۱

مسلم پرنٹنگ پریس ... میں منشی عبد الغنی ... کے اہتمام سے چھپوا کر خواجہ ... نے ... برانڈرتھ روڈ سے شائع کیا

برانڈرتھ روڈ لاہور

And the exponents of Christianity? Have they, as a body, observed the principles taught by their great founder? Dissension and sect-persecution divide them against themselves; uncharitableness characterizes them in their dealings towards others. What a record is theirs! Champions of Christendom—in Europe and in America! Continual war, and the denial of even religious equality, need little comment.

There are no distinctions in Islam. Muslims of all colours and nations come together without that pharisaical pride, from which even the Christian clergy are not free. Muslims, rich and poor, are distinguished by an implicit faith in God. The Holy Prophet Muhammad taught us that material things are of little account and pointed the way to Paradise. The Holy Prophet lived a system of ethics which stands alone. It is the Divine message practically illustrated by one specially chosen.

Muslims glory in the fact that nothing supernatural or of a miraculous nature attaches to their belief, and when I reflect on the simplicity of Islam and on Muslims' ever-present consciousness of human insignificance before God, I am proud to be a follower of the greatest Prophet of all time.

A. KANE

THE FAILURE OF CHRISTIANITY

A man who, towards middle age, changes his religion may justly claim to have good reasons for an action of paramount importance in his life.

I cannot believe that a system of ethics is enhanced by abnormalities which capture the popular imagination, but are rejected by a logical being. So the Christian traditions surrounding the birth of Jesus Christ, the belief in the Trinity, and in the Resurrection are not only unnecessary but positively distasteful to those who understand that perfection needs nothing to support it in the way of propaganda.

Again, where is the historical proof of Jesus Christ's life as portrayed in the Bible? Is it not extraordinary that history, which chronicles with certainty events hundreds of years before Christ, makes but the vaguest references to any person at all answering to the description of Jesus? Many arguments may be advanced to prove that New Testament phenomena rest but on a foundation of faith.

[*Continued overleaf.*

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ | بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء مطابق ماہ شعبان ۱۳۴۹ھ | نمبر ۱

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء نمبر ۱

شذرات

سالِ نو کی مبارکباد ناظرینِ رسالہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ان کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا جائے۔ کہ گذشتہ ماہ کے اندر انگلستان میں انگریزی نومسلمین کی تعداد میں ایک اور عظیم الشان عالم کا اضافہ ہوا ہے۔ جس کے فوٹو سے رسالۂ ہٰذا کو زینت دی جاتی ہے۔ اللھم زد فزد +

بہ ترقی حالات حاضرہ کے اندر جبکہ قوم کی تمام تر توجہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی طرف لگی ہوئی ہو بہت ہی امید افزا امید ہے۔ کہ جب حالات اپنی معمولی روش اختیار کرینگے۔ اور انگلستان کی سرزمین اس ہنگامہ آرائی اور شور و شغف سے صاف ہو جائیگی۔ تو انشاء اللہ زیادہ کامیابی اور ترقی کی امید ہے۔ لیکن ہمیں اس عرصہ میں اپنے تبلیغی کام میں پہلے سے بڑھ کر زیادہ مستعدی دکھانی چاہئے ہمیں اپنے اسلامی مذہبی لٹریچر کے اضافہ کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ تاکہ تبلیغ کے کام میں ہمیں زیادہ مدد مل سکے +

ذیل میں اُس متبحر عالم کے اعلان اسلام کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرام کرتے ہیں۔ جس سے اس نومسلم بزرگ کا تبحر علمی ناظرین کرام پر واضح ہو جائیگا۔ اور یہ امر آشکارا ہو جائیگا۔ کہ نومسلم موصوف نے پوری پوری مذہبی تحقیق و تدقیق کے بعد اسلام کو اپنا مذہب پسند کیا ہے +

جناب مسٹر اے کین کا اعلانِ اسلام

عیسائیت کی ناکامی

جو شخص نصف عمر گذار کر تبدیلِ مذہب کرے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک اہم کام کرتا ہے جس کے لئے اُسکے

پاس کوئی وجہ موجود ہونی چاہئیے میرے نزدیک کسی ضابطہ آداب و اخلاق کی عظمت و اہمیت خوارق کی اپنی تعلیمات
سے نہیں بڑھ جاتی ہو جو عوام الناس کی توہمات کے تو مرغوب خاطر ہو مگر عقل و منطق کو ان سے وحشت ہو جناب مسیح
کی پیدائش ہی یا عقیدۂ تثلیث یا ان کا دوبارہ زندہ ہونا کچھ اس قسم کی باتیں ہیں۔ جو نہ صرف غیر ضروری ہی ہیں
بلکہ ان باتوں سے ایسے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے۔ جو صداقت کی حمایت میں کسی پروپاگنڈہ کی ضرورت نہیں سمجھتے+
علاوہ ازیں جناب مسیح کا جو نقشہ بائبل دیتی ہے۔ اس کا تاریخ میں ثبوت کہاں ہے۔ یہ حیرتناک بات ہے
کہ مسیح کے پہلے کے صدہا برس کے واقعات تو تاریخ میں محفوظ ہوں۔ اور مسیح کی طرف ایک اشارہ تک کسی
مؤرخ نے نہ کیا ہو۔ کہا جاتا ہے۔ کہ عہد نامہ جدید میں جو کچھ ہے۔ وہ ایمان و عقائد سے ہی تعلق رکھتا ہے لیکن
جو کچھ خود معلمان مسیحیت نے کیا کیا وہ خود ان باتوں کے عامل ہیں جو جناب مسیح نے تعلیم کیں۔ فرقے بنے اور
بنتے جاتے ہیں۔ اور ایکدوسرے کو سخت تنفر اور عناد سے دیکھتے ہیں۔ آخر مسیحیت کی تاریخ کو دیکھا جائے
یورپ اور امریکہ میں حامیان عیسائیت کو دیکھ لیا جائے۔ جنگ فساد ہر جگہ ہے اور اس مساوات زندگی
انسانی سے بھی لوگوں کو محروم کیا جاتا ہے جو مذہب دیتا ہے۔ بالمقابل اسلام میں کوئی قومی تمیز نہیں۔ ہر رنگ و قومیت کے لوگ
اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مسلم علماء میں ویسی تکبر نظر نہیں آتا۔ خود پادری لوگ اس غرور سے خالی نہیں امیر غریب
مسلمانوں میں ایمان بالتوحید پر ناز ہے۔ محمد مصطفےٰ صلعم نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ کہ دنیا ہیچ ہے۔ اور بہشت یعنی
ابدی زندگی کا پتہ بتلایا۔ مقدس نبی جس ضابطہ اخلاق و آداب پر خود چلا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس کی
زندگی ایک ربانی پیغام ہے جس کی تشریح اس برگزیدہ نبی نے کی مسلمانوں کو اس بات پر ناز ہے
کہ وہ اپنی ایمانیات کی حمایت میں کسی خوارق یا معجزہ کے محتاج نہیں۔ جب میں ایک طرف تو اسلام
کی سادگی تعلیم پر غور کرتا ہوں۔ اور دوسری طرف یہ دیکھتا ہوں۔ کہ مسلم کی نگاہ میں خدا کے سامنے
انسان کی کوئی حقیقت نہیں۔ تو بہت مجھے اس پر ناز ہوتا ہے۔ کہ میں دنیا کے سب سے بڑے پیغمبر کا پیرو ہوں+

سالِ نو

سب دوستوں کو سالِ نو مبارک ہو۔ خدا کا لاکھ احسان ہے۔ کہ میں اس پیغام مبارک کے
قابل ہوا ہوں۔ آج پورے چار سال مجھے بستر بیماری پر پڑے ہوئے گذر گئے۔ کئی دفعہ موت نے حملہ کیا لیکن
اب بظاہر زندگی کا نیا اجارہ مجھے ملتا نظر آتا ہے۔ طبی رائے یہی ہے۔ کہ میں اپنی مہلک مرض سے نجات پا چکا ہوں

اگرچہ ابھی تک کمزور ہوں۔ حتےٰ کہ چار قدم بھی چل نہیں سکتا۔ لیکن فضلِ ربی سے دل و دماغ کو جوان پاتا ہوں یوم الابتلا یوم الاصطفےٰ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے لیکن میں تو ان ایام کو رحمت و برکت کا ہی موجب سمجھتا ہوں۔ ان ایام میں جب دُنیا جہان سے الگ تھلگ ہو گیا۔ تو فضلِ ربی نے مجھے قرآن کی طرف غور کرنے کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور آج میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس امر میں میری نگاہ بہت وسیع ہو گئی۔ میں نے ایک طرف تو مغربی دُنیا کے رجحانات کو دیکھا۔ اور اُن کے مذہبی نقطۂ خیال کو سامنے رکھ کر ان کے مطالبات کا جواب قرآن میں دیکھنا چاہا۔ دوسری طرف مسلم بھائیوں کے بڑھتے مصائب بھی مرے سامنے رہے۔ جن کا علاج بھی میں سوچتا رہا۔ میں تو آخر کار عملی رنگ میں اسی نتیجہ پر آیا۔ جس پر ایمانا مسلم دُنیا آئی ہوئی ہے۔ یعنی ان سب کا حل قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم ہی مغربی مطالبات کو اور ایسا ہی اُن کے دیگر تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے۔ اس کتابِ مبین کی تعلیمات کو چھوڑ کر ہماری یہ حالت ہو گئی +

ان دونوں امور کا بہترین علاج یہ ہے کہ قرآنی لٹریچر اشاعت پائے۔ سب سے اول تو مسلم اس سے آگاہ ہوں۔ اور اس پر عمل کر کے مصائب سے نکلیں۔ دوسرا غیر مسلم دُنیا اسمیں اپنی حقیقی نجات پا کر اسے قبول کرے مشکل تو یہ ہے۔ کہ غیر مسلموں کی تبلیغ کیلئے ہم نے جب کبھی اسلام کی خوبیاں پیش کیں مسلمان بھائیوں نے ان پر خوش تو ہونا ہی تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیا۔ کہ یہ خوبیاں ہم میں ہیں۔ حالانکہ ان ہی کے فقدان سے ہم موجودہ تباہی تک پہنچ چکے ہیں۔ اب اگر تو مسلمانوں کا رونا رویا جائے۔ تو غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جب خود مسلمانوں کا حال یہ ہے۔ تو ہمیں ان کے مذہب میں جانے کی کیا ضرورت۔ اور اگر قرآنی خوبیوں کو بلا اس رونے کے پیش کیا جائے۔ تو مسلم بھائی سمجھ لیتے ہیں۔ کہ یہ خوبیاں تو ہماری ہیں۔ میں تو حیران ہوں۔ کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔ لیکن ان دونوں راہوں میں سے بہترین راہ یہی ہے۔ کہ ہم قرآنی تعلیم کو تو پیش کریں۔ اور ان چیزوں کا ذکر کریں۔ جن کے پیدا ہونے سے حسب الارشاد قرآن انسانی تہذیب و تمدن کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ غیروں پر جو اس کا اثر ہو گا۔ وہ ظاہر ہے لیکن مسلمان انسان بن جائیں۔ اور اپنی گئی ہوئی شوکت کو واپس پائیں۔ اگر وہ دیکھیں کہ یہ امور تو ان میں نہیں ہیں۔ اور ان کے حاصل کرنے کی فکر کریں +

مثال کے طور پر میں اپنی تازہ کتاب تمدنِ اسلام کا ذکر کرتا ہوں۔ جو میں نے گزشتہ سال کے ابتدائی مہینوں میں لکھی۔ بعد میں میں بیمار ہو گیا۔ جس نے اس کتاب کو پڑھا۔ اس نے محبت اور قدردانی کے لحاظ سے تعریف کے پُل باندھ دیئے کسی نے رازی اور غزالی کو یاد کیا کسی نے ابنِ عربی اور

مولانا رُومی کا ترمانہ ہمیں دیکھائیں ان دوستوں کی قدر دانی کا تو مشکور ہوں لیکن یہ سب خطوط میری تکلیف کا موجب ہو رہے ہیں۔ ایک طرف تو خوش ہوتا ہوں۔ جب میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس کے انگریزی ترجمہ پر مسلم بھائی زور دیتے ہیں۔ اور حتے الوسع اسکی مفت اشاعت کیلئے مالی امداد بھی کر رہے ہیں جسکی ابھی ہمیں ضرورت ہے۔ لیکن مجھے تو رنج اسبات کا ہے۔ مثلاً تمدن اسلام میں جو کچھ میں نے اسماء الٰہیہ کے عنوان سے لکھا۔ اور وہی مضمون ایک اور پیرایہ میں اس رسالے کے دسمبر میں نکلا ہمیں تو ان اخلاق اعمال اور آداب کا ذکر ہے۔ جو انسانی تمدن کو فلک الافلاک تک پہنچا دیتے ہیں لیکن ان کا نام تک بھی مسلمانوں میں نہیں۔ ان ہی کے نہ ہونے سے تو ہم تباہ ہو چکے ہیں۔ یہ تو صحیح بات ہے۔ کہ ان مضامین کی اشاعت کثرت سے مغرب میں ہو۔ اور ہر ایک مسلم بھائی ہمیں تھوڑی بہت مدد کر کے بھی اشاعت اسلام کے فریضہ سے سبکدوش ہو جاتا ہے لیکن سب سے بڑھ کر ہم خود ان پر عمل کریں۔ تو ہم کچھ کے کچھ ہو جائیں۔ اسماء الٰہیہ کے قطعے لکھ کر ہم گھر کی دیواروں کی زینت کرتے ہیں۔ اگر ہم خانۂ دل کی دیواریں ان ناموں سے مزین کریں ہمارے اعمال و آداب ان اسماء کے رنگ میں رنگین ہو جائیں۔ تو پھر تمدن کی کونسی صنف ہے۔ جو ہمارے قبضہ میں نہ ہو۔ تھوڑے عرصہ میں قرون اولے کے مسلم ہر کمال کو پہنچ گئے۔ روپیہ پیسہ علم و فضل ان کا غلام تھا۔ اسکی وجہ تو عمل بر قرآن تھا۔ لیکن ولیم میور نے ایک لطیف بات لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسُول اکرم کے صحابہ ایک ترتیب خدا کو اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ اس کے رنگ میں رنگین ہونا چاہتے تھے خدا تو ان کی جسمی نگاہ کے سامنے نہ تھا البتہ یہ اسماء الٰہیہ انکے پیش نظر تھے۔ اور وہ اسی کوشش میں تھے۔ کہ وہ ان اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو جائیں۔ یہی ان کا مذہب تھا۔ ہم بھی ہی مسلمان ہیں۔ اور ان اسماء الٰہیہ سے بھی واقف ہیں۔ جو ہم میں سے اپنے آپ کو متقی سمجھتے ہیں۔ ان ناموں کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں۔ تم خدارا عملاً تسبیح پڑھو۔ عمل سے خدا کو یاد کرو۔ اور اس ضمن میں میں پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ اسماء الٰہیہ میں جو میں نے لکھا ہے۔ اس کو بار بار پڑھو۔ اگر وہ پاس نہیں۔ تو اُسے ہم سے منگواؤ۔ میں سُنتا ہوں کہ ان اسماء کو مختصر پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ آپ اس کے مطالب سے آگاہ ہو۔ اپنی زندگی کا احتساب کرو۔ اور ان اسماء کے مطالبات کو اپنی عملی زندگی میں پورا کرو۔ یہی تمہارا دین و مذہب ہے۔ یہی ایمان و اسلام ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ یاد رکھو ولی بننے کی یہ کُنجی ہے۔ اپنے آبا و اجداد کے کمالات پر ناز کرنا ایک بیہودہ فعل ہے۔ تم خود وہ بن جاؤ وہ تھے۔ اور اس کا آسان راستہ یہی ہے۔ جو میں نے تجویز

کیا ہے۔ میں نے اس نئی زندگی کے شکریہ میں جو اللہ پاک نے مجھے دی ہے۔ ایک تو یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح میں ایک ضخیم کتاب لکھوں۔ اس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو جائے۔ تفسیریں اور اردو ترجمے تو بہت ہیں۔ اور بڑے بڑے قابل ہاتھوں میں سے نکلے ہیں لیکن میرے سامنے مغرب کے مطالبات ہیں۔ اور وہ در اصل وہی مطالبات ہیں۔ جو مشرق میں غیر مسلم چھوڑ خود مسلم نئی نسل میں پیدا ہو رہی ہے۔ صحیح معتقدات پر تو ایمان کی بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن میں جو لکھونگا۔ وہ عقل و منطق کے مقتضیات کے مطابق ہوگا۔ یہ تو خیر کتاب کی شکل میں نکل رہیگا۔ لیکن اس کے علاوہ بہت سے مضامین قرآن کے متعلق ہوتے ہیں۔ جو بعض تحریکات کے ماتحت لکھے جاتے ہیں لیکن وہ کتابوں میں نہیں آ سکتے۔ لہذا میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس ماہ کے رسالہ اشاعت اسلام میں کم از کم بیس صفحے ہر ماہ میرے قلم سے کبھی تو کتاب زیر تصنیف کے بعض حصص ان صفحات میں دیئے جائیں۔ اور کبھی نئے مضامین لیکن ان سب میں دو امور مد نظر ہونگے۔ یا تو زندگی کا عملی پہلو ہوگا۔ یا بعض اعتراضات کا جواب ہوگا +

میں تو خدمت اسلام کیلئے حاضر ہوں میرا تو وظیفہ و فریضہ زندگی یہی ہے لیکن میرے ساتھ میرے بھائی بھی کچھ کام کریں۔ جب تک اس قسم کی تصنیفات کی اشاعت وسیع پیمانہ پر نہ ہوگی۔ یا یا ایسی اشاعت کے قیام کا انتظام نہ ہوگا۔ تو یہ تو رقص طاؤس کی مثال ہے۔ جنگل کے سوا اسے کون دیکھتا ہے۔ یہ رسالہ انشاء اللہ صرف ضیافت طبع نہ ہوگا۔ اسے ہمارے احباب عمل کیلئے خود پڑھیں اس کو بالخصوص مسلم طبقہ میں پھیلائیں۔ اسکی مختصر زندگی کے سامان تو ہیں لیکن فائدہ تو یہی ہوگا۔ کہ یہ رسالہ بہت سے ہاتھوں میں پہنچے۔ اور یہ مشکل کام نہیں۔ ہر ایک بھائی اسکی اشاعت میں ساعی ہو۔ تاکہ اس کے فوائد مستقل اور وسیع الاشاعت ہو جائیں +

خواجہ کمال الدین۔ عزیز منزل جنوری ۱۹۳۱ء

ضروری عرضداشت

ہم اپنے قارئین کرام سے متوقع ہیں کہ وہ اس رسالہ کی نشر و اشاعت کیلئے پوری کوشش فرمائینگے۔ تمام اردو رسالوں میں یہی رسالہ ہے جس کا مقصد وحید خدمت اسلام ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی عزت کو مادہ پرست دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اگر ہمدردی میں اپنے معاونین کم از کم ایک ایک خریدار دے دیں۔ تو اس رسالہ کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہو۔ اور وہ عند اللہ ماجور ہونگے +

مینیجر رسالہ اشاعت اسلام عزیز منزل براندرتھ روڈ۔ لاہور

اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

اس عنوان سے میری غرض مذاہب کی متقابلہ تعلیم پر بحث کرنے کی نہیں ۔ مجھے یہاں اسی قدر دکھلانا ہے۔ کہ جن امور میں ایک حد تک امر مشترک کو دو مقدس معلمین نے تعلیم کیا۔ انہیں بھی دونوں کی وسعت نگاہ اور نصب العین میں بہت ہی فرق نظر آتا ہے ۔اس کی تشریح میں میں تین چار باتوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔جو امر بالا کو روشن کر دیگا +

(۱) جناب مسیح فرماتے ہیں ۔کہ تم دوسروں سے وہ سلوک کرو ۔جو تم چاہتے ہو ۔کہ وہ تم سے کریں ۔ اس کے مقابل میں شارع اسلام کے ارشاد کو سعدی علیہ الرحمۃ نے اس مشہور فقرہ میں جمع کر دیا ہے ۔ ہر چہ بر خود مپسندی بر دیگراں مپسند ۔ یہ دونوں ارشادات ایکدوسرے کے عکس ہیں لیکن جس طرح آنحضرت صلعم کا مقولہ ہر حالت میں جامع ہے ۔ ویسے ہی مسیحی قول جامع نظر نہیں آتا ۔ بیسیوں باتیں ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے مناسب حال نہیں پڑتیں ۔ اسلئے اسے ایک جامع اصول کہ دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا لیکن ہم اپنے لئے وہی بات ناپسند کرتے ہیں جس میں کوئی نہ کوئی برا پہلو ہوتا ہے بالفاظ دیگر جسے ہم مضر یا گناہ سمجھتے ہیں ۔ اسے دوسرے کے لئے پسند نہ کرنا چاہئے +

(۲) جناب مسیح دنیوی مال و منال سے بہت ہی متنفر تھے ۔ وہ ذاتی جائداد کے بھی قائل نہ تھے ۔ وہ ایک قسم کی اشتراکیت کے قائل تھے ۔ غالباً ان حالات سے متاثر ہو کر آپ نے فرمادیا ۔ کہ کسی دولتمند کا بہشت میں جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ ایک اونٹ کا سوزن کے آنکھ میں سے اترنا مشکل ہے ۔ کون اس نصیحت پر عمل کر سکتا ہے ۔ اس کے تو یہ معنی ہیں ۔ کہ دولت کا کمانا گویا بہشت کو اپنے ہاتھ سے گنوانا ہے ۔ حالانکہ دولت کے ہوتے سے ہی ہزارہا دینی معاملات حل ہو جاتے ہیں

بہرحال مسیح کی یہ تعلیم آج متمدن دُنیا کے لئے قابلِ عمل ہے اُسکے مقابل قرآن کریم نے کیا سچی بات فرمائی ہے ۔ ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ۔ جنھوں نے آیت اللہ کو جھٹلایا خدا کے احکام کو جھٹلایا ۔ اور تکبر کیا ۔ اُن پر سماوی دروازے نہیں کھولے جاتے ۔ ان کا بہشت میں داخل ہونا اتنا ہی مشکل جتنا کہ اُونٹ کا چشم سوزن سے گذرنا مشکل ہے +

آیت کیسی پیاری اور صحیح تعلیم ہے ۔ اور کس کو اس پر اعتراض ہو سکتا ہے ۔ یہ بدیہات میں سے ہے ۔ جو شخص صریح تعلیم سے اُلٹ جائے ۔ اور خدا کی بتائی ہُوئی باتوں کی تکذیب کرے ۔ وہ کس طرح افضالِ الٰہی کا مورد ہو سکتا ہے ۔ غرور و تکبر تو یہاں دُنیا میں انسان کو ذلیل کر دیتا ہے ۔ تو بہشتی زندگی میں کسی متکبر کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے ۔ چشم سوزن میں سے اُونٹ کے گذرنے سے مُراد ایک امر محال ہے ۔ اب قرآنی تعلیم کہ متکبر کے لئے بہشت میں داخل ہونا محال ہے ۔ یہ سبق دیتی ہے کہ ہم تکبر کی طرف نہ جائیں لیکن اگر ہم مسیح کے ارشاد کی طرف دیکھیں تو ہر قسم کی دولت کمانے کو چھوڑ دیں ۔ دُنیا چھوڑ خود معلمانِ مسیح کا عمل اس ارشاد پر نہیں ۔ حتیٰ کہ یہ ارشاد بھی کلام مسیح کے اور ارشادات کی طرح سمجھا جاتا ہے ۔ جو قابلِ عمل تو نہیں مگر ایک خیالی نصب العین ہے ۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر ہم میں یہ رنگ پیدا ہو جائے ۔ تو اچھا ہے یہ تعلیم تو کبھی کی مسیحیوں کو مذہب کی حلقہ بگوشی سے نکال دیتی ۔ اگر وہاں کفارہ کا مسئلہ نہ ہوتا ۔ کیونکہ اس مسئلہ نے عیسائی دُنیا کو اعمال صالح سے نجات دے رکھی ہے ۔ کلیسی تعلیم کے مُطابق جب نجات کے لئے خونِ مسیح پر ایمان لانا ہی کافی ہے ۔ اور ہر قسم کے گناہ اس کفارہ پر ایمان لانے سے بھسم ہو جاتے ہیں ۔ تو پھر تعلیم مسیح کو قابلِ عمل یا ناقابلِ عمل زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا سوال ہی اُٹھ جاتا ہے ۔ جب کسی عمل کی ضرورت ہی نہیں تو کوئی حکم لاکھ ناقابل ہو ہماری زندگی میں فرق نہیں لاتا +

حیات بعد الموت

ہر ایک چیز اگر صحیح طریق پر چلے تو اس سے کئی گنا نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک دانہ کو ہم اگر زمین میں ڈالکر صحیح ذرائع استعمال کریں تو ایک سے سو دانہ پیدا ہوتے ہیں جب خدا کی رحمت سے یہ ہو جاتا ہے۔ اُسے رحیمیت کہتے ہیں۔ اسی طرح جزا سزا کا مسئلہ تو ایک مُسلّمہ حقیقت ہے قدم قدم پر اس کی شہادت میں کائنات کھڑی ہے۔ جہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اعمال کی جزا سزا عموماً فوراً ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے ظہور کا ایک وقت مابعد مقرر ہوتا ہے۔ اب وہ عمل جو بالفرض موت کے دن انسان کرے۔ یا موت سے پہلے کرے۔ لیکن اُن کے نتائج موت سے پہلے اس پر مترتب نہ ہوئے ہوں تو اُنکی جزا سزا کے ظہور کے لئے کوئی وقت مقرر ہونا چاہئے یعنی کوئی یوم الدین (روز جزا و سزا) ہونا چاہئے۔ لہذا حیات بعد الموت سے کس طرح انکار ہو سکتا ہے۔ کوئی دن ہونا چاہئے۔ جب خدا تعالیٰ اُن نیک اعمال کی جزا دے جو اس زندگی میں انسان کو نہ ملا ہو۔ اسی لئے قرآن نے اس کا نام مالک یوم الدین تجویز فرمایا ہے +

عقاید کلیسیا

خدا کی صفات ذیل ان عقاید کی منافی واقع ہوئی ہیں۔

الرب۔ الرحمان۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ العدل۔ العفو الغفور الغفار۔ التواب +

کلیسیا کے عقائد ذیل کے چند الفاظ میں جمع ہو سکتے ہیں:۔

آدم نے گناہ کیا جس کے عوض میں کُل نسل انسانی سزایاب ہوئی۔ اس سزا سے انسان کو بچانے کے لئے خدا تعالےٰ نے کفارہ تجویز کیا۔ اور اس کفارہ کے لئے خُدا نے اپنا بیٹا بھیجا جو مسیح ہے۔ جو اُس کی خدائی میں شریک ہے +

کُل کائنات میں یہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ کہ ایک کی غلطی کی سزا[سلہ] دوسرے کو ملے۔ یہ امر ویسے بھی عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ خدا کے عدل پر کائنات خود ہدایت دیتی ہے۔ یہ بھی کائنات میں کہیں نظر نہیں آتا۔ کہ اگر کسی جنس کی ایک چیز میں نقص ہو۔ تو کُل کی کُل جنس میں وہ نقص پایا جائے۔ جو کسی میں ذاتی نقص ہوتا ہے۔ اسکی اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ وہ دوسروں میں ورثۃً منتقل نہیں ہوتا کائنات میں یہ بھی نظر آتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کا قدم نقص سے کمال کی طرف جاتا ہے لیکن کلیسوی عقیدہ کے ماتحت یہ صورت اُلٹ نظر آتی ہے۔ آدم تمام کمال کے ساتھ پیدا ہُوا۔ پھر اسمیں گناہ کا نقص پیدا ہُوا جس سے وہ ترقی سے زوال کی طرف گیا۔ الغرض اس امر کی تردید مناظر کائنات کے ساتھ ساتھ لفظ رب بھی کرتا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ جو ہر چیز کو نقص سے کمال کی طرف لیجاتا ہے کائنات میں یہ بھی نظر نہیں آتا۔ کہ ایک کی سزا یابی سے دوسرے کی اصلاح طبعاً ہو جائے۔ قرآن فرماتا ہے۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ یعنی ایک کی سزا دوسرے کو نہ دی جائے۔ کفارہ کے جواز میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس فضل نے انسان کو گناہ سے بچایا تھا۔ وہ بلا قیمت دئے کیسے ظاہر ہوتا۔ چنانچہ وہ قیمت مسیح کے مصلوب ہونے سے مراد ہوگی۔ بالفاظ دیگر خدا کا فضل عوض لئے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس اصول کی تردید بھی کائنات کر رہی ہے کائنات کی کونسی چیز ہے جس سے ہماری آسائش و راحت وابستہ نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فضل خداوندی بلا عوض نازل ہُوا۔ کیونکہ یہ سب کے سب فضل کائنات سے وابستہ ہیں۔ اور کائنات کا ظہور انسان کے وجود میں آنے سے بہت پہلے کا ہے۔ اسلئے اس سے ثابت ہے کہ خدا کا فضل بلا بدل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کی صفت الرحمٰن جو رحمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وہ اس کا فضل بلا بدل و عمل ہے۔ جو ہر انسان پر بلا استحقاق وارد ہُوا + رہا جناب مسیح کا

سلہ اس موقعہ پر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ بعض امراض بطور ورثہ تین نسل تک چلی جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ سوشیالوجی (علم مجلسیہ) سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ کیوں ایسا ہوا۔ جسکو بخوف طوالت یہاں چھوڑتا ہوں۔ لیکن یہ تو پھر بھی نہیں ہوتا۔ کہ تین پشت سے آگے بھی مرض جائے بلکہ بعض حالات میں تو دوسری پشت تک بھی نہیں پہنچتی گو استعداد ہوتی ہے اور یہاں تو یہ مصیبت ہے کہ جناب آدم نے گناہ کیا۔ اور ہزارہا پشت گذر جانے کے بعد بھی تا ہم ہم اسی گناہ میں گرفتار ہیں۔ یہ کہاں کا عدل ہے کہ گناہ تو آدم کرے۔ اور مواخذہ ہم سے ہو۔ خدا نے اپنا نام العدل تجویز کرکے اس امر کی تردید کر دی رہا یہ کہنا۔ کہ ہم گناہ سے بچ ہی نہیں سکتے یہ بھی غلط ہے۔ اگر گناہ کے معنی کسی حکم خداوندی کو توڑنا ہے۔ اور حکم موسیٰ کے دس احکام میں سے کوئی ہے۔ تو پھر دنیا میں لاکھوں انسان ایسے ہیں جنہوں نے ان احکام کی خلاف ورزی نہیں کی +

بن باپ پیدا ہوتا ۔ اور اُن کی ابنیت تو اگر وہ خداوند کے بیٹے تھے ۔ تو ان میں کوئی تو ایسی بات ہوتی جو خداوند تعالےٰ اوروں کو عطا نہ کرتا ۔ ان میں تو کوئی بھی ایسی بات نہیں جو اولاد آدم کے کسی فرد میں نہ ہو ۔ چنانچہ فرمایا ۔ ان مثل عیسیٰ کمثل آدم یعنی عیسےٰ کی مثال ایک آدمی کی ہے جو کچھ انمیں پایا گیا ہے ۔ وہ یعنی آدم کے دوسرے افراد میں بھی موجود ہے ۔ اگر بالفرض وہ بن باپ پیدا ہوئے تو بزرگ توریت ملک صدق سلیم اور حضرت آدم نہ صرف بن باپ ہی تھے ۔ بلکہ انکی ماں بھی نہ تھی ۔ رہے معجزات جو بھی معجزات جناب مسیح نے کئے وہ بزرگ توریت اوروں نے بھی کئے ۔ الغرض اُن کُل کے کُل کلیسوی عقاید کے برخلاف صحیفہ قدرت موجود ہے ۔ اول تو ان عقائد کی تصدیق جناب مسیح کے ارشادات مندرجہ انجیل سے نہیں ہوتی ۔ جیسے کہ قرآن کہتا ہے[۱] ۔ اور اگر ہو بھی تو چونکہ فعل الٰہی (کائنات) اُنکی تردید میں ہے ۔ اسلئے حضرت کا کلام محرف ہو گیا ہوگا + خدا کی صفت رحمان اسی طرف اشارہ کرتی ہے ابنیت مسیح کے خلاف خدا نے وقال اتخذ الرحمٰن ولدا کہ کر یہی کہا ہے ۔ یعنی خدا کا رحمان ہونا ہی کہتا ہے ۔ کہ جناب مسیح اس کے بیٹے نہیں ۔ یعنی رحمان نے جو کچھ ایک انسان کو دیا وہ دوسرے کو بھی دیا ۔ جیسے کہ قرآن میں فرماتا ہے +

ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت (ترجمہ) تو رحمان کی پیدائش میں تفاوت نہیں دیکھیگا (سورہ الملک ۱)

جناب مسیح میں تو کوئی ایسی بات نہیں جو کسی اور انسان میں نہ ہو ۔ لہٰذا وہ اس خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے ۔ جس کا نام رحمان ہے +

میں نے جو یہ بیان کیا ہے ۔ کہ مسیحی عقائد کے عین منافی خدا کی صفت عدل موجود ہے اس کے مقابل یہ کہا جاتا ہے ۔ کہ یہی صفت کفارہ کو چاہتی ہے یعنی انسان کا فطرتی گناہ

---

[۱] ما کان لبشر ان یؤتیہ اللّٰہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللّٰہ ولٰکن یقول کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون + ترجمہ کسی انسان کیلئے یہ شایاں نہیں کہ اللہ اسکو کتاب اور حکم اور نبوت دے ۔ پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ ۔ لیکن وہ تو یہ کہتا ہے ۔ کہ ربانی بن جاؤ ۔ کیونکہ تم کتاب سکھاتے اور پڑھتے ہو +

یہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے ۔ چنانچہ انجیل متی سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ جناب مسیح نے ایسا دعوے نہیں کیا جو اُن کی طرف منسوب ہو رہا ہے +

بروئے عدل اُسے سزا کا مستوجب ٹھیراتا ہے لیکن خدا کا رحم انسان کو سزا سے بچانا چاہتا ہے۔ اسلئے عدل اور رحم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی کفارہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو خدا نے از خود دے دیا۔ یہ منطق جیسی ہے۔ سو ظاہر ہے۔ اگر خدا نے گناہ کا قرضہ اپنی جیب سے ہی اُتارنا تھا۔ تو کیا خدا وہ قرضہ بخش نہیں سکتا تھا۔ جیسے کہ جناب مسیح کی دُعا کہتی ہے:۔

"تو ہمارے گناہ اسی طرح بخش جس طرح ہم اپنے دوسروں کو اُن کے دین بخشتے ہیں"۔ یہ تو بے ادبی یعنے ہم خدا کو تعلیم دیتے ہیں۔ کہ گناہ کی بخشش کے معاملہ میں وہ وہ طریق اختیار کرے جو ہم کرتے ہیں۔ یعنے قرضداروں کو ہم قرضہ بخش دیتے ہیں۔ لیکن اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ جب ہم اپنے قرضہ جات کو بلا بدل بخش دیا کرتے ہیں۔ تو کیوں خدا ایسا نہیں کر سکتا لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ عدل تو عوضہ لیکر ہی رہیگا۔ افسوس کہ ان بزرگوں نے عدل کے محل و موقعہ کے سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ اور نہ عدل و انتقام صحیح میں فرق کیا۔ ورنہ یہ مصیبت پیدا نہ ہوتی عدل کا موقعہ اُس وقت ہوتا ہے۔ جب کسی حاکم نے دو فریقین متخاصمین میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک ظالم اور دوسرا مظلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عدل کا مترادف لفظ انصاف اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ حاکم کے سامنے دو شخص ہیں جنمیں برابری کا لحاظ رکھنا ہے۔ وہاں تو حاکم کا فرض ہے۔ کہ مظلوم کے مقابل ظالم کو سزا دے۔ لیکن اگر معاملہ کسی گنہگار اور حاکم میں ہو یعنی گنہگار نے حاکم کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہو۔ اور اس خلاف ورزی کا اثر کسی اَور پر نہ پڑتا ہو۔ اگر شکایت ہو تو صرف حاکم سے ہو تو اس صورت میں عدل کا موقعہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ گناہ کے عوض حاکم انتقام لینا چاہتا ہے۔ اس انتقام کے صحیح موقعے یہی ہیں۔ انہیں مواقعہ کے لحاظ سے خداتعالے نے اپنا نام عزیز ذو انتقام رکھا ہے لیکن اگر حاکم چاہے۔ تو گنہگار کو معاف بھی کرسکتا ہے۔ ایسی معافی سے انتظام میں فرق بھی نہیں آتا۔ بلکہ ایسے موقعہ پر معافی اصلاح کا موجب بھی ہوجاتی ہے۔ سزا کی غرض بھی اصلاح ہی ہونی چاہئے خصوصاً جبکہ مجرم کے فعل کا اثر کسی اَور کی ذات پر نہ پڑتا ہو۔ قرآن کریم نے خدا کی ان صفات اربعہ میں جو اُم الصفات ہیں۔ لفظ عادل استعمال نہیں کیا۔ بلکہ خدا کا نام مالک یوم الدین

رکھا ہے یعنی اپنی مالکانہ حیثیت میں اگر وہ دیکھے کہ معافی سے گناہگار کی اصلاح ہوتی ہے تو معاف کر دے۔ اور اگر دیکھے کہ ایسی معافی گناہگار میں تمرد اور گناہ کے تکرار کی جرات پیدا کرتی ہے۔ تو پھر سزا دے کر اسکی اصلاح کرے۔ غرض ہر حال میں اصلاح سامنے ہو۔ جناب آدم نے تو کسی کا گلا نہیں کیا۔ ان کا گناہ تو خدا کی نافرمانبرداری تھی۔ سو وہ عدل کا موقعہ نہیں تھا۔ ہاں جس طرح سزا کا موقعہ تھا۔ ویسے ہی معاف کرنے کا موقعہ بھی تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ جب جناب آدم سے بھول[۵۱] ہوگئی۔ یعنے کسی ضد سے تو انھوں نے یہ گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اور ان کی غلط کاری کے نتائج ان پر مرتب ہونے[۵۲] لگے۔ تو انھوں نے خدا کی جناب میں توبہ کی اللہ تعالیٰ نے نہ صرف توبہ ہی قبول[۵۳] کی بلکہ ہدایت بھی دی[۵۴] کہ جس پر چل کر وہ اور ان کی اولاد گناہ سے بچ سکے۔ خدا کا ایسا کرنا اسکی دوسری صفات غفور غفار حمید عفو اور تواب ہونے کے مناسب حال تھا۔

ویدک عقاید

ان عقاید میں صرف دو عقاید ایسے ہیں جنہیں اسلام صحیح نہیں سمجھتا۔ ایک خدا کے ساتھ روح اور مادہ کا قدیم سمجھنا۔ اور دوسرا مسئلہ تناسخ۔ اس وقت مطالعۂ فطرت نے بالخصوص پہلے مسئلہ کی تردید کر دی ہے۔ آج سے پہلے ہر چیز کی پیدائش عناصر سے سمجھی جاتی تھی لیکن علمی تحقیق ہمیں عناصر سے آگے لے گئی۔ اور عناصر کی بجائے منشاء عالم کا شروع ہونا ایٹم سے تسلیم کیا گیا۔ ایٹم سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی ترکیب سے عناصر پیدا ہوئے۔ پانی کو آج تک ایک عنصر مانا گیا لیکن آج تجربہ اور مشاہدہ نے اسے اوکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب قرار دیا۔

---

۵۱ ولقد عھدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما۔ اور ہم نے آدم کو پہلے تاکیدی حکم دیا۔ تھا سو وہ بھول گیا۔ اور ہم نے اسمیں عزم نہ پایا۔ سورہ بقرہ

۵۲ فاخرجھما مما کان فیہ۔ یعنے جس حالت آسائش و راحت میں وہ تھے وہاں سے نکالدیے۔

۵۳ فتلقی ادم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ۔ انہ ھو التواب الرحیم۔ آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھیں۔ تو وہ اس پر مہربان ہوا۔ کیونکہ تو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا۔ سورہ بقرہ

۵۴ فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اگر تمہارے پاس میری ہدایت آئے۔ تو جو میری ہدایات پر چلیگا ان پر نہ خوف ہوگا۔ اور نہ آزردہ ہونگے۔ سورہ بقرہ

مدتوں عناصر ہی ہمارے آباؤ اجداد سمجھے گئے لیکن سائنس ایک قدم آگے گئی۔ یہ ایٹم ذرات (نیبولا) سے نکلے ہوئے ثابت ہوئے۔ یہ وہی ذرات نور یہ ہیں۔ جو کسی سیاہ رات کو جب کوئی نجم آسمان پر نہ ہو۔ ایک سفید سی روشنی کی طرح نظر آتے ہیں۔ جو بعض وقت ایک قسم کی روشن سڑک کی شکل اختیار کر لیتے ہیں یسنکھ درسنکھ تو کوئی حقیقت نہیں۔ ان سے بھی زیادہ تعداد میں فضاء آسمانی ان ذرات سے معمور ثابت ہوئی ہے لیکن جدید تحقیق میں یہ ذرات بھی ہمارے منتہٰے ثابت نہیں ہوئے۔ اس سے آگے ایتھر (اثیر) کا وجود تسلیم کیا گیا ہے جس کا رنگ گھٹا ٹوپ سیاہ ہے۔ اور جس کو کوئی انسانی آلہ مرئی پھاڑ کر دیکھ نہیں سکا۔ یعنے عالم اثیر سے ہم آگے نہیں جا سکے۔ ہاں یہ مانا گیا ہے۔ کہ اسی میں سے آنکھوں پر شعلہ نور نکلتے رہتے ہیں۔ جو مختلف شکلیں اور ہیولے بدل کر کائنات کی مشہود محسوسہ چیزیں بن جاتے ہیں اب آخری تحقیق یہ ہوئی ہے۔ کہ ان سب کا ماخذ انرجی یعنے قدرت وقوت ہے۔ گویا انرجی وہ چیز ہے جس سے مواد عالم پیدا ہوا ہے۔ یعنے قدرت رب ہی ہر ایک چیز کا منتہٰے اول ہے خدا کا قدیم ہونا تو تسلیم ہو چکا ہے۔ اور باقی کل چیزیں جدید تحقیق کے ماتحت قدرت ربی کے کرشمے ہیں۔ اسلئے قدامت مادہ روح کا نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

وان الی ربك المنتهی۔ اور اگر کوئی اور آیت ہو تو اچھا ہو +

والی ربك الرجعی۔ سب اشیاء کا رجوع تیرے رب کی طرف ہے۔ والی اللہ ترجع الامور۔ سب کام اللہ کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔ اللہ خالق کل شئ +

اس عقیدے کی تردید ذیل کے صفات الہیہ بھی کرتے ہیں۔

الرب (چیزوں کو پیدا کرنیوالا) الباری (عدم سے وجود میں لانیوالا) المبدی (پہلی بار پیدا کرنیوالا)

البدیع (نئی سے نئی چیز بغیر موجودہ مادہ کے پیدا کرنیوالا)

ایتھر اور اس کے گھٹا ٹوپ سیاہ ہونے پر اُسے ہماری پیدائش معلومہ کا منتہٰے ٹھہرائے جانے نے مجھے حضرت محی الدین ابن عربی کا ایک قول یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب نور خداوندی

سے دنیا پیدا ہوئی[۵۱]۔ اس کا پہلا رنگ عالم شہود میں سیاہ ہے۔ ادھر تحقیق جدید نے اینفرا کا رنگ بھی یہی تجویز کیا ہے۔ لیکن سائنس تو ایک لمبے جد و جہد کے بعد اس نتیجہ پر آئی۔ جیسے کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ لیکن متکلمین اسلام صفات باری پر غور کر کے بڑے بڑے علمی حقایق پر پہنچ گئے۔ چنانچہ حضرت ابن عربی کا استدلال بھی خدا کی صفات ہی سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کی صفات میں الظاہر اور الباطن بھی ہے۔ باطن سے مُراد ایسی چیزیں ہیں۔ جو مشہود میں نہ آئیں۔ یعنی نظر نہ آئیں۔ گو وہ موجود ہوں۔ لہٰذا کُل رنگوں میں سیاہ رنگ ایک ایسا رنگ ہے۔ جسے الباطن سے نسبت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ نشاء عالم کے ظہور سے پہلے خدا کی صفت الباطن کام کریگی۔ اور جونہی کائنات ابتدائی سے ابتدائی شکل اختیار کریگی۔ اور اس وقت وہ کوئی نہ کوئی رنگ اختیار کریگی اس وقت خدا کی صفت الظاہر کے نیچے آ جائیگی۔ اسلئے نور الباطن کا رنگ سیاہ ہونا چاہئیے۔ آج تحقیق علمی بھی اسی نتیجہ پر آئی ہے۔ کہ کُل رنگوں کی ابتدا سیاہ رنگ ہے +

رہا ویدک مسئلہ تناسخ جسکے ماتحت یہ مانا گیا ہے۔ کہ جسقدر بھی ہمیں سامان راحت میسر آتے ہیں۔ وہ سب کے سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ یعنی جو عمل ہم ایک نسل میں کرتے ہیں اس کا عوض دوسرے جنم میں جا ملتا ہے۔ اس نظریہ کی تردید بھی کائنات کر رہی ہے۔ میں نے ابھی یہ لکھا ہے۔ کہ اسباب راحت پر اگر ہم غور کریں۔ تو کل کے کل اسباب اوّل تو کائنات کے خود پیدا کردہ ہیں۔ یا ان چیزوں کی ترکیب سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو پہلے سے کائنات میں موجود ہیں۔ جیسے زمین و آسمان۔ وما فیہما اور یہ چیزیں تو انسان کی پیدائش سے بہت پہلے کی موجود تھیں۔ یہ کس طرح انسان کے اعمال کا نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ یہ تو خدا کے بلا بدل فضل کا عطیہ ہیں۔ جس کی طرف خدا کا نام رحمان اشارہ کرتا ہے۔ اس لئے اسباب راحت کے لئے کسی نہ کسی پہلے اعمال کی ضرورت نہیں عقیدہ تناسخ کی رُو سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ انسانی روحیں بسا اوقات ترقی معکوس کرتی ہیں۔ یعنی وہ طے کردہ منازل کیطرف پھر واپس جاتی ہیں۔ یہ امر صفت رب کے منافی ہے۔ خدا کی صفت رب[۵۲] کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ اس کی بنائی ہوئی چیزوں کا قدم ہمیشہ آگے کو ہی جاتا ہے۔ اور پیچھے کو نہیں آتا۔ کسی چیز

[۵۲] اگر کہا جاوے کہ رب کا یہ مفہوم انسان نے خود قرار دے لیا ہے۔ یہ لفظ خدا نے اس مفہوم کیلئے خود تجویز نہیں کیا۔ یہ ایک انسانی لغت ہے۔ اور یہ کہ انسان ہمیشہ اوپر کی طرف ترقی کرتا ہے مسلم نہیں۔ یہ مسلم ہے۔ کہ ہر چیز حرکت میں رہتی ہے۔ ترقی یا تنزل +

سکے جو اجزا پیچھے رہ جاتے ہیں وہ اس کے عوارض ہوتے ہیں لیکن جو اس میں جوہر ہوتا ہے، وہ آگے جاتا ہے پیچھے کبھی نہیں آتا۔ درخت کے بیج کے اندر ترقی کرنیوالی چیز کا نام جوہر ہے۔ اسکے بیرونی لباس کو عوارض کہتے ہیں سیب کا بیج زمین میں جاکر ترقی کرتا ہؤا آخر سیب بن جاتا ہے سیب کے اندر بہت سے بیج ہوتے ہیں۔ وہ تو پھر اصلی رستہ پر قدم زن ہو جاتے ہیں لیکن سیب بذاتِ خود غذا بن کر آخر کار بعض اخلاق انسانی کا مولد بن جاتا ہے۔ اور یہ اخلاق عالم اور الٰہیات میں آگے کو ترقی کرتے ہیں۔ یہی حالت دوسری غذاؤں کی ہے بیج کا پھر واپس جانا کوئی ترقی معکوس نہیں۔ کیونکہ وہ بیج کی حالت سے پیچھے نہیں گیا۔ یہ تو تکرار ترقی ہے نہ کہ ترقی معکوس جو مسئلہ تناسخ کا لازمی نتیجہ ہے۔ الغرض خدا کی صفت الرب اور الرحمان دونوں عقیدہ تناسخ کے مخالف واقع ہوئے ہیں +

الصمد ویدک اور کلیسوی الٰہیات نے تسلیم کیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ صمد یعنی بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور ہر ایک چیز کی احتیاج اسی کی طرف سے ہے لیکن وہ غور نہیں کرتے۔ کہ اگر مادہ اور رُوح کی قدامت کو اسلئے تسلیم کیا جائے کہ خدا کسی چیز کو بھی بلا موجودگی مواد پیدا نہیں کرسکتا وہ چیزوں کو ترکیب دیکر تو پیدا کرتا ہے۔ اور اسلئے وہ خالق کہلاتا ہے لیکن اس کا فعل خلق ان چیزوں کی موجودگی کا محتاج ہے۔ جن کو جوڑ کر اُس نے نئی چیز کو بنا تا ہے۔ تو اگر یہ صورت ہے تو پھر اُسے بے نیاز اور صمد کیوں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عیسائی اصحاب کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ انسان کے گناہ بخشنے میں وہ کیوں ابن اللہ کا محتاج ہے۔ کیا وہ کسی ابن اللہ کے آنے کے بغیر اپنے فضل ہی از خود انسان کو بخش نہیں سکتا۔ ہم اس خدا کو تو صمد نہیں کہہ سکتے۔ کہ جس کی بخشش کسی بدل کی محتاج ہو۔ یہ الگ امر ہے۔ کہ وہ اپنے کُل کام بعض اسباب کے ماتحت ہی کرتا ہے لیکن وہ اسباب کا تو محتاج نہیں۔ چنانچہ جہاں قرآن کریم نے نشاء عالم اور اسکے انتظام میں مختلف قوانین و اسباب اور وسائط و قوا کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ملائکہ بھی ایک قسم کے وسائط ہیں وہاں مذکورہ بالا غلطی کو دور کرنے کیلئے یہ بھی فرما دیا۔ کہ وہ اپنے ہی پیدا کردہ قوانین پر بھی غالب ہے واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔ ترجمہ (وہ اپنے قانون پر غالب ہے)۔ وہ رب ہونے کی حیثیت میں قوانینِ مختلفہ بھی بناتا ہے۔ اور اُنہی قوانین پر وہ خود بھی چلتا ہے۔ اور دوسرونکو بھی اُن پر چلنے کیلئے مجبور کرتا ہے لیکن وہ ان سے بے نیاز بھی ہے۔ جیسے کہ آیت مندرجہ بالا اشارہ کرتی ہے +

(جس طرح ہندو ۔ عیسائی خدا کو صمد مان کر پھر ایسے عقاید کے پابند ہو جاتے ہیں کہ جو اس کی شان صمدیت کے برخلاف ہے۔ یہی حالت مذاہب دیگرہ کے ان عقاید کی ہے (جن میں انھیں اسلام سے اختلاف ہے۔ یوں تو مذکورہ صفات مندرجہ قرآن میں وہ ایک بھی ایسی صفت نہ پائینگے جسکے وہ خود مصدق نہ ہوں لیکن عدم تدبر کے باعث انسان ایسے عقاید تجویز کر لیتا ہے ۔ جو اس کے اپنے مسلمات کے ہی برخلاف ہوں ۔ سو اس اختلاف کے مٹانے کا بہترین ذریعہ الہیات طبعیہ ہیں ۔ خدا کی کسی صفت کو لیلیا جائے ۔ پھر صحیفہ قدرت میں دیکھ لیا جائے کہ وہ کس طرح کام کرتی ہے ۔ اور اس علمی اکتشاف کی روشنی میں متنازعہ عقیدہ کو پرکھ لیا جائے ۔ معاملہ صاف ہو جائیگا ۔ آج خدا کو ہر ایک رحمان مان لیگا ۔ یعنی جس کے فیوض ہماری ہر ایک ضرورت اور کو از خود پورا کر دیتے ہیں ۔ اب دیکھنا تو یہ ہے کہ یہ فیوض بلا بدل ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے ۔ اگر مطالعۂ فطرت رحمان کے مفہوم میں ظہور فیض کی یہ شان بھی شامل کر دے تو پھر نہ تناسخ پر عقیدہ رہ سکتا ہے ۔ اور نہ کفارہ مانا جا سکتا ہے +

میں نے اس بات کے آغاز میں لکھا ہے ۔ کہ قرآن کریم کا اصلی موضوع تو تہذیب انسانی ہے لیکن یہ تہذیب جن قوانین پر چلنے سے وابستہ ہے ۔ وہ سب کے سب صفات آلہیہ کے اظلال و آثار ہیں ۔ اگر یہ کہا جاوے ۔ کہ اس کتاب مقدس کا موضوع صفات آلہیہ ہے ۔ تو بالکل صحیح ہوگا ۔ لہٰذا تہذیب انسانی کے متعلقہ قوانین کا ذکر کرنے سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ میں سب سے اول اُن صفات آلہیہ کا ذکر کروں ۔ جو ان قوانین کے سرچشمہ ہیں +

جنگ عظیم کے نتائج مابعد

ترجمہ مضمون انگریزی از قلم جناب شیخ منیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء ۔ رئیس گدیہ ضلع بارہ بنکی

بسلسلہ صفحہ ۵۷۳ اشاعت اسلام جلد ۶ نمبر ۹

عیسائیت کی ناکامی اور اسلام کی کامرانی

جنگ عظیم نے عیسائیت کی ناکامی کو کھلے بندوں بے نقاب کر دیا ہے۔ عیسائیت بحیثیت مذہب کے نازک ترین مراحل زندگی میں انسان کی رہنمونی سے بالکل عاجز رہی ہے مصیبت کی تاریک ترین گھڑیوں میں انسان کی کچھ بھی تسکین نہیں کر سکی ۔ آزمائش کے وقت عیسائیت دنیوی زندگی میں انسان کو صحیح ہدایت دینے میں بالکل قاصر رہی ہے۔ اور اس نے خدا کے تخیل کو ہی سرے سے غلط پیش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ اس بلائے عظیم کے بعد لوگ اس خدا کو ہی جواب دے بیٹھے ۔ جس کا غلط تخیل ان کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اگر اہل یورپ رسالت مآب حضرت نبی کریم کے تاریخی حالات اور آپ کی مطہر زندگی کا بغور مطالعہ کرے ۔ تو اس میں انھیں نہ صرف ان کے روزمرہ کے کاموں میں ہی حقیقی رشد و ہدایت ملیگی ۔ بلکہ خدا کا صحیح تخیل بھی انہی نظر آجائیگا ۔ اور جسکی صفات جیسی کہ اسلام نے پیش کیں قدرت یا انسان کے کام ہوں کسی واقعہ کے ہونے سے اسکی صفات میں کمی نہیں آسکتی اسلام بحیثیت مذہب ضابطۂ زندگی ہر رنگ میں کامیاب ثابت ہوا ہے اور عیسائیت کو ہر رنگ میں ناکامی ہوئی ہے ۔

ریورنڈ ڈی ۔ رونڈا ولیم آف ولکینز نے بحیثیت ملی اتحاد کے صاحب صدر رہنے کے چند ماہ ہوئے ایک خطبہ دیا ۔ انھوں نے کہا کہ یہ کلیسیا کی ازحد بدقسمتی ہے۔ کہ وہ عقاید جنہیں ابھی کلیساؤں میں رسمی طور پر تسلط بھی حاصل ہے۔ لیکن انھیں بہت حد تک تعلیمیافتہ دانشمند اخوان و خواتین قبول نہیں کرتے ۔ مروجہ منبر حیلہ جوئی و ظاہری زینت کا آلہ کار جو عقل سلیم کو دھوکا دینے والا ہے آجکل کے لوگ علم طبعیت کی طرح مذہب کو ہر ایک اشتباہ سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ مروجہ کلیسیاء اس وقت تک ان لوگوں کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتا جو سائنس کے دلدادے ہو چکے

ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک کلیسیاء کو صداقت کے احترام کے متعلق ماہرین علوم جدیدہ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ روایتی عیسائیت بہت سے کلیسیاؤں و علماؤں کا اب مذہب نہیں رہا۔

زیرک و تعلیمیافتہ طبقہ کی تسلین صرف اسلامی عقائد ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے پیشتر بھی اسلام نے ہی بڑے بڑے فلسفیوں و ماہرین علوم جدیدہ کی تسلی کی ہے۔ خدا کا اسلامی تخیل اُن لوگوں کی بھی تشفی کر سکتا ہے جن میں ذرا بھر بھی مذہبی رجحان طبع ہوتا ہے۔

اسلام میں مذاہب دیگرہ کو بھی تحریص دلائی ہے کہ اپنے اپنے مذاہب کی ذہنی اور عقلی اصلاح کی طرف رجوع ہوں رُبع مسکون پر ہندو مذہب سب سے دیرینہ تہذیب کا علمبردار ہے لیکن اسلام کی بعثت سے کئی عرصہ بعد ہی اسے اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہندوؤں میں سے ہی جناب باباگرو نانک صاحب پیدا ہوئے جنہوں نے سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اور ہندوؤں میں سے ہی آریہ سماج اور برھموسماج نے جنم لیا یہ سبھی کے سبھی مذہب و ملت اسلامی مطمح نظر و اسلامی تخیل سے بہرہ اندوز ہوئے۔ انھوں نے اہم اسلامی اصولوں کی صریحاً تقلید کی لیکن میں اپنے برادران وطن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کیوں ایک اصلی چیز کی نامکمل تقلید کے لئے مساعی ہیں جبکہ اصل چیز محفوظ اور قابل حصول ہے۔ وہ جنہیں مکمل ضابطۂ زندگی مکمل نمونہ مکمل مذہب کی ضرورت ہے وہ بہ آسانی اسلام سے حاصل کر لیں۔

جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے۔ لوتھر نے عیسائیت کی اصلاح کو اپنے کندھوں پر لیا لیکن اس نے بھی اسلام اور اس کے بلند نصب العین کا ہی چربہ اتارنے کی کوشش کی لوتھر نے اسلامی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر پولوسیت کی اصلاح کی۔ جس اصلاح شدہ مذہب کو آجکل غلطی سے عیسائیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لوتھر کی پیدائش سے صدیوں پیشتر ایک شخص کامل نے جو لوتھر سے کئی گنا زیادہ افضل و اعلیٰ تھا پولوسیت اور عیسائیت کی اصلاح کی۔

رسالت مآب حضرت نبی کریم صلعم نے پولوسیت کی اصلاح کی۔ عیسائیت کو اپنی اصلی شکل و صورت پر قائم کر کے اسکے اعجاز نما موحد حقیقی جناب مسیح کی تعلیم کے مطابق کر دیا۔ جن کی تعریف میں اکثر جگہ قرآن کریم رطب اللسان ہے۔ اور جیسے اسلام نے اس دنیا

یں اور آخرت میں رفعت عطا فرمائی ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے لوتھر سے صدیوں پیشتر عیسائیت کو اُن تمام مُلحدانہ عقائد و توہمی تصوّرات کی آلائشوں سے پاک فرما دیا۔ جن کے جناب پولوس موجد تھے۔ آخر اسلام ہے کیا۔ عیسائیت و یہودیت کی مصلح و مصفیٰ شکل ہے میں اکثر اپنے یہودی و عیسائی دوستوں کو کہا کرتا ہوں۔ میں مسلمان ہونے کے باوجود عیسائی اور یہودی بھی ہوں۔ کیونکہ تمام انجیلی انبیاؤں پر میرا ایمان ہے۔ جناب مسیح کی ذاتی طور پر میرے دل میں عزت ہی نہیں۔ بلکہ مجھے اُن سے شدید محبت بھی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ جناب مسیح یہودی تھے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ وہ پیدائشًا یہودی ہونگے۔ لیکن ازروئے ایمان و عقائد وہ پکے مسلمان تھے۔ جناب مسیح نے اُن مذہبی امور کی اصلاح کی سعی بلیغ کی۔ جو فلسطین کے مرز و بوم میں۔ اور خصوصًا اسرائیلیوں میں رائج تھے۔ اُنھوں نے اُس یہودیت کی اصلاح کی۔ جسمیں رُوحانیت تو بالکل مرچکی تھی۔ اور محض نہ چھوڑنے والی وشدید رسمیات کا مجموعہ رہ گئی تھی۔ انھوں نے یہودیت کی توسیع کے لئے کوشش کی۔ جناب مسیح جناب ابراہیم علیہ السلام کی طرح سچے معنوں میں مُسلم تھے۔ اگر جناب ابراہیمؑ نے مرضات اللہ کی خاطر اپنے محبُوب بیٹے کی قربانی پیش کردی۔ تو جناب مسیح نے رضائے الٰہی کی خاطر و خوشنودی مول لینے کے لئے اپنی عزیز جان تک نذر کردی۔ جناب مسیح نے رضائے الٰہی کے سامنے مکمل طور سے سرِ تسلیم خم کردیا۔ محبّتِ الٰہیہ میں جناب مسیح اسقدر محو ہو گئے۔ کہ دُنیا و مافیہا اور خُود اپنی ذات تک کو بھول گئے۔ "آسمانی بادشاہت" آپ کے جملہ خیالات کا محور تھا۔ اور تیری بادشاہت آئے" کے رنگ سے آپ کے خیالات رنگین تھے۔ ایک مسلم شاعر نے نہایت ہی خوبصورتی سے کہا ہے۔ کہ ؎

مردانِ خدا۔ خدا نباشند — لیکن ز خدا جدا نباشند[1]

جناب مسیح بلا شک و شُبہ خدا و ند تعالیٰ سے جُدا نہ تھے۔ فنا فی اللہ ہوکر آپ "تو من شدی من تو شُدم" کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔

میں بڑی شدّ و مد سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ جناب مسیح ایک سچے مُسلم تھے۔ کیونکہ میں نے خُود اپنی آنکھوں سے ایک مسلم کو دیکھا ہے۔ جو کہ جناب مسیح کا مجسمہ تھے۔ اور ایک سچے عیسائی

[1] مردانِ خدا خدا نہیں ہوتے — لیکن خدا سے جُدا نہیں ہوتے

مسلمان تھے۔ وہ ایک اعلےٰ ترین عیسائی تھے۔ جن عیسائی دوستوں سے مجھے ملنے یا باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان سے بڑھ کر بزرگ مذکور اپنی طرز زندگی اور عقاید میں اپنے اندر عیسائی رنگ رکھتے تھے۔ اور یہ امر اس سلسلے میں وثوق سے کہتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عیسائیت کے مختلف حصص میں گذارا ہے +

دیوا کے وارث علی شاہ صاحب نے جو بیسویں صدی کے مظہر مسیح تھے۔ تمام عیسوی ممالک کا سفر کیا۔ ہر ایک مذہب و ملت کے پیرو آپ کی عزت و احترام و محبت کرتے تھے۔ ہندوستان کے ہندوؤں نے آپ کو اوتار یا گرو تسلیم کیا۔ مختلف ممالک کے مسلمانوں نے آن کر آپ کی بیعت قبول کی۔ عیسائی اور یہودی بھی آپ کے پاس آتے۔ آپ نے ایک نیک۔ پارسا اور عفیف زندگی بسر کی۔ جیسی کہ جناب مسیح نے گذاری۔ آپ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے اور ہر وقت خالق اکبر کی محبت میں محو رہتے۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی روح انسان میں نفخ کی۔ ونفخت فیہ من روحی +

جب ہم وارث علی شاہ صاحب جیسے انسان مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو کہ سچے مسلمان اور مخلص عیسائی تھے۔ تو اس وقت ہمیں انسان میں زہد و تورع کی حقیقت سمجھ آتی ہے۔ ایسے مطہر نفوس کا جسم ایسا صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ کہ اسمیں ان کی نیک و پارسا روح صاف نظر آجاتی ہے +

بہت سے لوگ جناب مسیح کے اس فقرہ پر کہ "میں خدا کا بیٹا ہوں" حیران و ششدر رہ جاتے ہیں لیکن جناب مسیح نے فقرہ مذکورہ استعارہ کے رنگ میں استعمال فرمایا ہے جسمی یا لفظی معنوں میں اسے استعمال نہیں کیا +

اس قسم کے خیالات خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے آپ کو خدا تعالیٰ کی توہین کرنی مقصود نہ تھی۔ آپ نے اپنے جذبات و دنیوی خواہشات کو مغلوب کر لیا تھا۔ آپ مشرقی تھے اور ایسے ہی وارث علی شاہ صاحب بھی مشرقی تھے۔ وارث علی شاہ صاحب اکثر یورپین احباب سے بڑھ کر جناب مسیح کی ذہنیت۔ سیرت۔ اقوال کو سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے ان تمام روحانی قوتوں میں کمال حاصل کیا۔ جو جناب مسیح کے پاس تھیں۔ میں نے خود اکثر موقعوں

پر مشاہدہ کیا ہے۔ کہ میرے اندرون قلب کے خیالات جذبات خود بخود اُن پر منکشف ہوگئے۔ اور اُنھوں نے میرے اندرونی خیالات کو بغیر میرے بتلائے کے خود بخود ظاہر کردیا۔ ان فوق العادت طاقتوں سے متصف ہونے کے باوجود اُنھوں نے کبھی بھی خدا کا بیٹا ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ خاندانی حیثیت سے اُن کا شجرۂ نسب حضرت محمد (صلعم) سے جا ملتا تھا۔ حافظِ قرآن تھے۔ مکہ معظمہ کے سات حج کئے۔ الغرض یہ کہ آپ مخلص مسلمان تھے +

جب آپ ایک ہندو اوتار یا رشی یا جناب مسیح کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور جبکہ آپنے مذہب محبت اختیار کیا ہُوا تھا۔ تو اس سے آپ کو یہ دکھلانا منظور تھا۔ کہ جو لوگ پُرانے رشیوں یا مسیح کی اتباع کے متمنی ہیں۔ وہ صرف اسلام اور حضرت محمد صلعم کے ذریعہ ہی ایسا کر سکتے ہیں +

یُورپ کے نام نہاد عیسائی اُس عیسائیت سے یقیناً بیزار ہیں۔ جسے جناب پولوس نے پیش کیا۔ لوتھر کی اصلاح شُدہ عیسائیت سے بھی وہ متنفر ہیں۔ اب میں انھیں اُس اصلاح عظیم کے قبُول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو جناب پولوس سے کئی گُنا بڑھ کر ایک انسان کامل نے کی۔ میں انھیں سچے مسلم بننے کی دعوت دیتا ہوں۔ تاکہ وہ مخلص مسیحی بن جائیں۔ وہ جو جناب مسیح کی زندگی کا اتباع کرنے اور اپنی رُوحانی طاقتوں کو بڑھانے کے خواہاں ہیں وہ ایسی تَرقی صرف اسلام میں ہی کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ وارث علیشاہ صاحب و دیگر مُسلمانوں نے کی۔ اور وہ لوگ جو زیادہ تر دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہ جو سپاہی۔ مُدبرین علوم جدیدہ کے عالم ماہرین صنعت و حرفت۔ مزدور طبقہ یا کارندے ہونے کے خواہاں ہیں۔ یا جناب عمر۔ خالد۔ ابوالحسن۔ ابوریحان اور دیگر ہزاروں بہادران اسلام کی طرح خُطبہ کوہی اور دس احکامات کی حدود کے اندر رہکر ہر شعبہ زندگی میں تَرقی کے متمنی ہیں۔ وہ لوگ تغیراتِ انسانی خصائص وخوبیوں کو کھوئے بغیر جو انسان و بہائم میں مابہ الامتیاز ہیں کسی سلطنت سے سب سے زیادہ مُتمدن ومُہذّب۔ ملنسار۔ چست و چالاک شہری اسلامی زندگی اختیار کرکے دینوی ترقی حاصل کر سکتے ہیں امور بالا میں ایک اور مسئلہ کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ خدا کا اسلامی تخیل ہی ان تمام دُنیوی و مادی ترقیات کا محور ہے۔ جو مسلم قوم نے چند سالوں کے عرصہ میں حاصل کیں۔ حضرت نبیُ کریم صلعم کا توحید باری تعالیٰ پر زور دینے کا پہلا

مقصد نسل انسانی کے سامنے ایک بلند نصب العین پیش کرنا تھا۔ ہر ایک مسلم خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو۔ یا کسی قوم کا۔ خواہ امیر ہو یا غریب۔ اسے اپنی احتیاج کیلئے رب العالمین کی طرف ہی دیکھنا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی بزرگ ہستی ایک دوسرے انسان کے درمیان کوئی تفاوت روا نہیں رکھتی۔ اس کے نزدیک غریب امیر سب یکساں ہیں +

حضرت محمد صلعم کے وقت مکمل جمہوریت تمام مساجد میں رائج ہو گئی۔ آج وہی جمہوریت تمام ربع مسکون پر دائر و سائر ہے۔ جہاں شاہ و گدا دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک ضعیف بڑھیا نے خسرو دکن کے حضور اپنی معروضات اس وقت پیش کیں۔ جبکہ آپ رعایا کے ادنیٰ ترین انسان کے ساتھ شانہ بشانہ نماز کیلئے ایک مسجد میں شامل ہوئے +

اسلام میں خدا کا تخیل صرف فلسفیانہ ہی نہیں۔ اس کا مقصد زندگی مابعد کے حالات کو سنوارنے تک ہی محدود نہیں ہے۔ ایک مسلم کے نزدیک اس کا خدا ہر وقت اسکی زندگی میں ایک جیتی جاگتی ہدایت ہے۔ خدائے اسلام۔ افضل و اشرف ترین و حسن اوصاف کا مالک ہے۔ جو عقل انسانی کے تخیل میں آسکتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ننانویں اسمائے حسنہ ہیں جسمیں حکیم اور مصور بھی ہیں۔

ذیل میں خدا تعالیٰ کے ننانویں اسمائے حسنہ بمع اردو ترجمہ کے دیئے جاتے ہیں +

۱۔ ھو	۱۱۔ العزیز۔ غالب	۲۱۔ الفتاح۔ کھولنے والا
۲۔ الرب۔ پیدا کرنیوالا۔ پرورش کرنیوالا	۱۲۔ الجبار۔ سب سے زیادہ زور آور	۲۲۔ العلیم۔ جاننے والا
۳۔ الرحمٰن۔ بڑا مہربان	۱۳۔ المتکبر۔ بڑائی کرنے والا	۲۳۔ القابض۔ تنگ کرنیوالا
۴۔ الرحیم۔ نہایت رحم والا	۱۴۔ الخالق۔ ایک چیز سے دوسری بنانے والا	۲۴۔ الباسط۔ کشادہ کرنے والا
۵۔ المالک	۱۵۔ الباری۔ عدم سے وجود میں لانے والا	۲۵۔ الخافض۔ پست کرنیوالا
۶۔ الملک۔ بادشاہ	۱۶۔ المصور۔ صورت دینے والا	۲۶۔ الرافع۔ بلند کرنے والا
۷۔ القدوس۔ ہر نقصان سے پاک	۱۷۔ الغفار۔ بہت گناہ بخشنے والا	۲۷۔ المعز۔ عزت دینے والا
۸۔ السلام۔ ہر عیب سے پاک	۱۸۔ القہار۔ زبردست	۲۸۔ المذل۔ ذلیل کرنیوالا
۹۔ المومن۔ امن دینے والا	۱۹۔ الوہاب۔ سب کچھ دینے والا	۲۹۔ السمیع۔ سننے والا
۱۰۔ المھیمن۔ نگہبان	۲۰۔ الرزاق۔ روزی دینے والا	۳۰۔ البصیر۔ دیکھنے والا

۳۱۔ الحکم حکم کرنیوالا۔
۳۲۔ العدل انصاف کرنیوالا
۳۳۔ اللطیف بھید جاننے والا
۳۴۔ الخبیر ہر چیز کی خبر رکھنے والا
۳۵۔ الحلیم بردبار
۳۶۔ العظیم ذات صفات میں سب سے بڑا
۳۷۔ الغفور گناہ بخشنے والا
۳۸۔ الشکور قدردان
۳۹۔ العلی بلند رتبہ والا
۴۰۔ الکبیر بڑی شان والا
۴۱۔ الحفیظ نقصان سے بچانیوالا۔
۴۲۔ المقیت روزی دینے والا
۴۳۔ الحسیب کفایت کرنیوالا
۴۴۔ الجلیل عزت والا
۴۵۔ الکریم سخی بندوں کا حاجت روا
۴۶۔ المجیب قبول کرنیوالا
۴۷۔ الرقیب نگاہ رکھنے والا
۴۸۔ الواسع کشائش والا
۴۹۔ الودود محبت کرنیوالا
۵۰۔ الحکیم دانا
۵۱۔ المجید اپنی ذات اور کاموں میں معزز
۵۲۔ الباعث مُردوں کو جلانیوالا
۵۳۔ الشہید حاضر موجود

۵۴۔ الحق ثابت سب صفتوں سے
۵۵۔ الوکیل کام بنانیوالا۔
۵۶۔ القوی زوروالا
۵۷۔ المتین بہت بڑی طاقت والا
۵۸۔ الولی حمایت کرنیوالا
۵۹۔ الحمید خوبیوں والا
۶۰۔ المحصی ہر چیز شمار کرنیوالا
۶۱۔ المبدی پہلی بار پیدا کرنیوالا
۶۲۔ المعید دوسری بار پیدا کرنیوالا
۶۳۔ الممیت مارنے والا
۶۴۔ المحی زندہ کرنیوالا
۶۵۔ الحی زندہ رہنے والا
۶۶۔ القیوم سب کا تھامنے والا
۶۷۔ الواجد ہر چیز کا پانے والا
۶۸۔ الواحد اکیلا
۶۹۔ الاحد صفات میں اکیلا
۷۰۔ الصمد بے نیاز
۷۱۔ القادر قدرت والا
۷۲۔ المقتدر ہر چیز کر سکنے والا
۷۳۔ المقدم آگے بڑھانے والا
۷۴۔ المؤخر پیچھے ہٹانے والا
۷۵۔ الاول سب سے پہلا
۷۶۔ الآخر سب سے پچھلا

۷۷۔ الظاہر آشکارا
۷۸۔ الباطن پنہاں
۷۹۔ الوالی
۸۰۔ المتعالی برتر مخلوق کی صفات سے
۸۱۔ البر احسان کرنیوالا
۸۲۔ التواب رحمت کا عود کرنیوالا
۸۳۔ الرؤف ترقی کرنیوالا
۸۴۔ مالک الملک مالک سلطنت کا
۸۵۔ ذوالجلال والاکرام بزرگی والا اور تعظیم والا
۸۶۔ المقسط عدل کرنیوالا
۸۷۔ الجامع اکٹھا کرنیوالا
۸۸۔ الغنی بے پرواہ
۸۹۔ المغنی بے پرواہ کرنیوالا
۹۰۔ البدیع نئی طرح پیدا کرنیوالا
۹۱۔ المانع روکنے والا
۹۲۔ الہادی ہدایت کرنیوالا
۹۳۔ الماجد بزرگی والا
۹۴۔ النور روشن
۹۵۔ الازلی
۹۶۔ الباقی باقی رہنے والا
۹۷۔ الوارث سب کا وارث
۹۸۔ الرشید بھلی راہ بتانے والا
۹۹۔ الصبور بہت صبر کرنیوالا

خالق اکبر کے مندرجہ بالا ننانویں اسمائے حسنیٰ سے ایک انسان خیال کرسکتا ہے کہ ایسی بزرگ ہستی کا تخیل کس طرح خوبصورتی اور سود مند ہو کر انسان کے اخلاق عادات و سیرت کو سانچے میں ڈھال سکتا ہے +

قرآن کریم کا فوق العادت انداز

نمبر ۶
قرآن کریم اور بعض سیاسی پیشینگوئیاں

از قلم جناب سید مقبول احمد صاحب بی - اے

مارچ ۱۹۲۹ء کے اسلامک ریویو میں میں نے قرآن کریم سے اسلام عیسائیت اور یہودیت کے متعلق پیشینگوئیاں انتخاب کیں۔ اور اُن سے یہ دکھلایا۔ کہ کس طرح وہ ہر زمانہ میں اور نیز زمانہ حاضرہ میں پوری ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ مبحث حاضرہ میں بھی میں اسی موضوع کو لیتا ہوں کہ کس طرح قرآن کریم نے مستقبل اسلام کی پیشبینی کر لی۔ اور یہ وہ وقت تھا۔ جب حضرت نبی کریم صلعم پیغام ربانی کے پہنچانے کو بند کر چکے تھے۔ اس جگہ میری مُراد قرآن کریم کی اس مشہور و معروف پیشگوئی سے نہیں۔ جو سُورۃ الروم کی ابتدائی آیات میں مندرج ہے۔ اور کہ جو اس قدر زباں زد خلائق ہے۔ کہ اس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں لیکن ہر زمانہ میں یہی ایک پیشگوئی غیر مسلموں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اور یقیناً اسی پیشینگوئی نے شاہنشاہ ہرقل کو متاثر کیا جس نے حضرت نبی کریم صلعم کے مشن کے وفد کو اپنے دربار میں باریابی بخشی۔ اور جب وفد کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور جس کی پوری پوری تفصیلات بخاری شریف میں موجود ہیں۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت محمد صلعم کی زندگی کا ایک مشہور و معروف معتبر و مستند ریکارڈ قرار دیا ہے۔ موضوع حاضرہ میں میں صرف انہی سیاسی پیشینگوئیوں کو لونگا۔ جن کا تعلق خلافت کے واقعات سے ہے۔ اور جن کو قرآن کریم کے اکثر مسلسل تلاوت کرنیوالوں نے بھی عموماً غور سے نہیں پڑھا۔

جُوں ہی کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے عرب میں ارتداد عامہ کا بازار گرم ہو گیا صحرائی عربوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اُن کے خلاف جنگ کرنی پڑی۔ ایکدفعہ خود مدینہ باغیوں کے ہاتھ میں پھنس گیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ہمراہی مسلمانوں کی ہمت و استقامت نے عربوں کی اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بہت جلد ہی بعد افواج اسلام نے اعجازی طور پر ایران و یونان کے ممالک پر حملہ کر

ہوکر انھیں فتح کر لیا۔ ایرانیوں اور یونانیوں کی منظم سپاہ کے مقابل ننگ دھڑنگ اور فاقہ مست صحرائی عربوں کی یہ کچھ حقیقت و نسبت ہی نہ تھی۔ جو دس سال کے اندر اندر مغربی ایشیا کے حکمران بن گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے بعد مسلمانوں کے دو گروہوں میں خانہ جنگی رونما ہوئی۔ جن میں سے ایک حضرت علیؓ اور دوسرا حضرت معاویہ کا حامی تھا۔ آخرکار منگولوں نے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر کے اسلام کی تمام سیاسی عمارت کو جسے عربوں نے تعمیر کیا تھا منہدم کر دیا۔ اس ضرب شدید نے مسلمانوں کو چونکا دیا اور اُن کے سامنے اسلام کا ایک بلند و جدید تخیل آ گیا۔ کیونکہ وہ بھول چکے تھے۔ کہ اسلام یہودیت کی طرح منتخبہ عربوں کی سیاسی حالت کے مترادف نہیں۔ پھر اس وقت سے اسلام جو ایک تبلیغی مذہب ہے۔ منگولوں چین انڈونیشیا اور دیگر جزائر کے دور دراز حصص میں پھیل گیا +

اب اگر قرآن کریم ان سیاسی واقعات کا کھلے طور سے اشارہ کرے۔ تو بلا شبہ یہ بہت ہی عجیب خیال کئے جائیں گے۔ تاوقتیکہ ہم اُن کی اس طرح تشریح نہ کریں۔ جیسی کہ گبن نے یہودیوں کی پیشگوئیوں کی یہ کہہ کر تشریح کی کہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد یہ مقدس نوشتہ میں داخل کئے گئے۔ اور خوش قسمتی سے قرآن کریم کیلئے ایسا مسئلہ کو اسکے شدید ترین دشمنوں نے خود ہی رد کر دیا ہے سر ولیم میور۔ وان ھیمر کی طرح یقین رکھتا ہے۔ کہ قرآن محمد (صلعم) کے اسی طرح الفاظ ہیں۔ جس طرح مسلمان کا ایمان ہے۔ کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے +

اب ہم پیشگوئیوں کو لیتے ہیں۔

عربوں کا ارتداد اور اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے ہاتھوں اُنکی قطعی سرکوبی

یا یھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ

علی المومنین اعزۃٍ علی الکٰفرین ۔ یجاھدون فی سبیل اللّٰہ ولا یخافون لومۃ لائمٍ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء ۔ واللّٰہ واسعٌ علیم۔
ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے۔ تو اللہ ایک قوم لائیگا۔ وہ ان سے محبت رکھے گا۔ اور وہ اس سے محبت رکھینگے۔ مومنوں کے سامنے نرم کافروں کے مقابلہ میں غالب۔ اللہ کی راہ میں زور لگا ئینگے۔ اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے۔ اس کو دے۔ اور اللہ فراخی والا جاننے والا ہے" سورۃ المائدہ آیت ۵۴

مندرجہ بالا پیشگوئی شیعہ سُنی احباب کے مناقشہ کو بھی ساتھ ہی طے کر دیتی ہے۔ کہ اللہ کی نگاہ میں حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھی متقی تھے۔ وہ جو قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہو۔ بھلا یہ کہنے کی کب جرأت کر سکتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپکے جانشین اور دیگر صحابہ راشدین میں سے نہیں قرآنی پیشگوئی اس سے بھی آگے جاتی ہے۔ کیونکہ اسمیں شیعہ سُنی اختلاف کی طرف اشارہ ہے اور ایک کے حق میں حکم الٰہی صاف ہے۔ اس مسئلہ پر کوئی بھی دو آرا متفق نہیں کہ اقوام اسلام میں جو عالمگیر ارتداد رُو نما ہُوا۔ وہ خلافت کے اوائل زمانہ میں ہُوا۔

عرب سے دور کی اقوام و ممالک اسلام کے سامنے سرنگوں ہونگے

واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضا لم تطوھا ۔ وکان اللّٰہ علیٰ کل شئ قدیرا۔ اور تمھیں ان کی زمین اور اُن کے گھروں اور ان کے کاموں کا وارث بنایا۔ اور ایسی زمین کا (ابھی انہیں چلے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الاحزاب آیت ۲۷ +

قل للمخلّفین من الاعراب ستدعون الیٰ قومٍ اولی بأسٍ شدید تقاتلونھم او یسلمون فان تطیعوا یؤتکم اللّٰہ اجرًا حسنًا ۚ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابًا الیما + ترجمہ۔ دیہاتیوں میں سے پیچھے رہے ہوئے لوگوں سے کہو۔ کہ تم ایک سخت جنگ کرنیوالی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ اُن کے ساتھ جنگ کرو۔ یہانتک کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے۔ تو اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے۔ جس طرح تم پہلے پھر گئے۔ تو تمہیں دردناک عذاب میں مُبتلا کریگا۔ الفتح آیت ۱۶ +

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھٰذہٖ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون اٰیۃ للمومنین ویھدیکم صراطا مستقیما ۝ واخریٰ لم تقدروا علیھا قد احاط اللہ بھا وکان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیرا ترجمہ۔ تمہارے ساتھ اللہ نے بہت سے فتح سے حاصل کئے ہوئے اموال کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم لوگے۔ پھر یہ تم کو جلدی دیا۔ اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ اور تاکہ مومنوں کیلئے نشان ہو۔ اور تمہیں سیدھے رستے پر چلائے۔ اور اور فتوحات بھی ہیں۔ جن پر تمہیں قدرت نہیں تھی۔ اللہ نے ان کا بھی احاطہ کرلیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سورۃ الفتح آیت ۲۰ - ۲۱

حضرت معاویہ اور حضرت علی کے باہمی تنازعات میں مسلمانوں کو انتباہ اور انہیں مشورہ

وان طائفتٰن من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٓء الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ۔ انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ۔ ترجمہ۔ اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں۔ تو ان میں صلح کرادو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے۔ تو اس سے جنگ کرو۔ جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آئے۔ پس اگر وہ واپس آجائے۔ تو ان کے درمیان، عدل سے صلح کرادو۔ اور انصاف کرو۔ اللہ انصاف کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔

اسلام دیگر تمام ادیان پر غالب ہوگا

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ۔ ترجمہ ۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔ التوبہ آیت ۳۳ +

کسی تنظیم کے بغیر اشاعت اسلام میں عظیم الشان طاقت کا ہونا مدتوں تک ایک بوالعجبی ہی ہے اور یہ کہنا بیجا نہیں کہ ایک دن اسلام دنیا کے کل مذاہب کو ملیامیٹ کردیگا۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ اسلام جہاں کہیں بھی گیا ہے۔ اس نے ایک قلیل عرصہ میں دیگر اقوام میں سیاسی اقتدار حاصل کرلیا۔ یہاں تک کہ چین۔ روس اور ہندوستان میں جہاں اسلام کی کوئی بھی ملکی طاقت نہیں

مسلمان ہی ان ممالک میں زیادہ تر افواج میں نظر آتے ہیں۔ اور کوئی بھی ان سے یہودیوں کا سا سلوک کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیا یہ امر بذاتہ معجزہ نہیں۔ لیکن پیشگوئی ابھی تک مکمل نہیں۔ ایک اور بین نشانات جو اسلام کے دیگر ادیان پر غلبہ پانے کا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ صرف اسلام ہی کے اصولوں کا پانچ دفعہ دن بھر میں جہاں کہیں بھی مسلم آباد ہوں۔ کسی مرتفع جگہ سے اعلان کیا جاتا ہے +

برطانیہ عظمے حلقہ بگوش اسلام ہو جائیگی اگر اماکنِ مقدسہ سکھے زیر نگین رہے ورنہ مسلمانوں کے زیر اقتدار ہو جائینگے

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصٰلحون ۰

ترجمہ۔ اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا۔ کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے

سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۵ +

"الارض" سے مراد ہمیشہ ہی مقدس سرزمین لی گئی ہے۔ جس طرح کہ "الکتاب" سے مراد پاک کتاب لی جاتی ہے۔ اسی طرح "بالسبیل" الکتاب کے مترادف ہے (بحوالہ کشف جیسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء)

میں نے اپنے مضمون محررہ رسالہ اسلامک ریویو فروری ۱۹۳۳ء میں یاجوج ماجوج کا ذکر کیا اگر اہل روس کو یاجوج ماجوج کی نسل من وجہٍ فرض کر لیا جائے۔ کیونکہ تمام دنیا بھر میں انقلاب عظیم کو رونما کرنے اور تمام قائم شدہ مذاہب کو درہم برہم کرنے کی انھوں نے ہی ٹھانی ہوئی ہے۔ تو یاجوج ماجوج کے متعلق جو پیشگوئی ہے۔ وہ ان پر ٹھیک طور سے صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ وہی دہریہ قوم ہے۔ وہی کفر و الحاد کے دلدادے ہیں۔ یہ بے محل نہ ہوگا۔ اگر اسی ضمن میں عہدنامہ جدید کی مشہور و معروف پیشگوئی کو یاد کیا جائے جس کے پورا نہ ہونے کی وجہ نے ہمیشہ سے ہی عیسائیوں کو پریشان کیا ہے +

میرے پاس عربی عہدنامہ جدید کا ایک نسخہ ہے۔ اسلئے میں متی باب ۸ آیت ۲۶ سے اصلی عربی عبارت ہی ذیل میں لکھ دیتا ہوں:۔

الحق اقول لکم ان من القیام ھٰھنا قوماً لا یذوقون الموت حتیٰ یروا ابن الانسان فی ملکوتہ۔ ترجمہ تحقیق میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ وہ لوگ جو یہاں کھڑے ہیں۔ موت کا مزہ نہیں چکھینگے۔ جب تک کہ وہ ابن آدم کو

سامنے پوری جاہ وجلال میں آتے نہ دیکھ لیں +
"خانہ بدوش یہودیوں" کا قصہ اس پیشگوئی کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے محض گھڑا گیا
لیکن یہ قصہ زیادہ تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ پیشگوئی میں صرف ایک یہودی کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے
سامعین کا ذکر ہے جو پورے جاہ وجلال سے جناب مسیح کی آمد کے منتظر تھے۔ اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس کے لئے
بڑی بڑی توقعات سے لوگ چشم براہ ہیں۔ اور یقیناً جناب مسیح کے سامعین میں سے اسے دیکھنے کیلئے
اس وقت کوئی بھی زندہ نہیں۔ اسلئے میں کہونگا۔ کہ خبر رساں نے جناب مسیح کو غلط سمجھا۔ اور
صرف قرآن کریم ہی ہے۔ جو ہمیں اس امر کے سمجھنے کیلئے صحیح راہ دکھاتا ہے۔ جو اس وقت کہا گیا۔
وھو ھذا +

وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون
علیھم شھیدا۔ ترجمہ۔ اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لائیگا ساتھ اسکے پہلے
اسکی موت کے۔ اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ +

یہودی کہتے ہیں۔ کہ انھوں نے مسیح کو مصلوب کیا لیکن قرآن کریم نے انکے اس دعوے کی
تردید کی۔ اور انھیں بتایا۔ کہ انھیں دھوکہ لگا ہے۔ یسوع صلیب پر نہیں مرے۔ بلکہ وہ ایک طبعی
موت مرے۔ پیشگوئی ظاہر کرتی ہے۔ کہ اس نظریہ کو ہر ایک یہودی کو مرنے سے پیشتر لازماً سچا
تسلیم کرنا ہوگا۔ جس کے یہ معنے ہوئے۔ کہ عرب کے یہود جو حضرت نبی کریم صلعم کا مضحکہ اڑاتے تھے
پیشتر ازیں کہ طبعی موت نے انھیں آدبایا۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ اس پیشگوئی
کی دوسری تشریح یہ ہے۔ جو کہ بہت سے مفسرین نے کی۔ کہ جوں ہی کہ فرشتۂ اجل سامنے آتا
ہے۔ ہر ایک یہودی اسلامی دعوے کی صداقت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ تاہم تیسری تشریح
جس کی عہد نامہ جدید سے تطبیق ہو جائیگی یسوع مسیح کی آمد میں پائی جاتی ہے۔ جو کہ جیسا
راویوں سے ایک نے جیسا کہ ابو ھریرہ سے مروی ہے کہا۔ کہ یسوع اسلام کو تقویت دینے کے لئے
اس دنیا میں نازل ہونگے۔ پھر ایک مسلم کی موت مرینگے۔ اور مدینہ میں حضرت محمد صلعم کی قبر کے نزدیک
مدفون ہونگے۔ اس روشنی میں عہد نامہ جدید کی پیشگوئی قرآن کریم کے مطابق صحیح ہوگی۔ کہ تحقیق
میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ میرے سامعین کی نسل اس وقت تک نیست و نابود نہ ہوگی۔ جب تک ابن آدم

اپنے پُورے جاہ و جلال میں نہ آئے۔ اور جب تک وہ صداقت پر ایمان نہ لائیں +

نبوّت کا ظہورِ اتم
یا
نبیٔ کامل

اسلامی دُنیا میں کون ایسا شخص ہے۔ جو کہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے نام نامی اور اُن کے سنہری قلم سے لکھنے کے قابل تبلیغی کارناموں اور اُن کی بیش بہا اور لائق قدر تصنیفات کے حالات سے ناواقف ہو۔ زمانہ حال کے اس نامور مقرر اور بینظیر مصنف اور عدیم المثال مبلغ کی تبلیغی کامیابیوں اور دلکش و دلربا تصنیفوں اور اثر بھری تقریروں نے دُنیائے اسلام کے کونے کونے میں وہ شہرت پیدا کر رکھی ہے۔ کہ خود اُن کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ اور نہ اُن کی کسی تصنیف کو کسی ریویو نگار کے اظہار خیال ہی کی ضرورت باقی ہے۔ کسی کتاب کے متعلق یہ کہ دینا کہ یہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مدظلہ العالی کی تراوش قلم کا نتیجہ ہے بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے۔ کہ وہ کتاب قیمتی معلومات سے مملو اور نہایت ہی مستند اور لائق قدر و اعتنا ہے۔ جب یہ عالم ہے۔ تو پھر کسے یارا ہے۔ کہ حضرت ممدوح کی کسی تصنیف پر ریویو کرنے کیلئے قلم کو جنبش دے سکے +

نبوت کا ظہورِ اتم ۔ دی آئیڈیل پرافٹ کا اُردو ترجمہ ہے۔ آئیڈیل پرافٹ اس سے پیشتر نہ صرف ایشیا میں بلکہ یورپ کے تمام ممالک میں کافی سے بڑھ کر شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اور اپنی دھاک بٹھا چکی ہے۔ یہ اسی قابل قدر کتاب کے زور تحریر کا نتیجہ تھا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت عظمیٰ سے متعلق جسقدر زنگ پردے اہل یورپ کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے وہ سب کے سب اُٹھ گئے اور اُنھیں ہمارے آقا کا جمال باکمال اپنے رنگ میں کچھ اس طرح نظر آ گیا کہ نگاہیں چکا چوند ہو گئیں۔ اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں دربار رسالت کی چوکھٹ پر جھکنے لگیں +

نبوت کا ظہورِ اتم اسی بابرکت کتاب کا اردو خاکہ ہے۔ اور لطف یہ کہ خود نامور مصنف کے مبارک ہاتھوں ہی سے تیار ہوا ہے۔ جسطرح انگریزی کتاب نے سرکارِ دو عالم کی سیرت عظمیٰ کی خوبیوں کو یورپ کے سامنے بے نقاب کر دیا۔ اسیطرح یقین واثق ہے۔ کہ نبوت کا ظہور اتم بھی اردو خواں پبلک کے سامنے حضور کی بے لوث سیرت سے متعلق حقائق اصلیہ کو جلوہ گر کر دے گا + اُردو خواں پبلک کیلئے اس بات کی بڑی ضرورت تھی۔ اور یہ ضرورت دیر سے محسوس ہو رہی تھی۔ کہ سرکار دو عالم کی سیرت عظمےٰ پر فلسفیانہ نگاہ ڈال کر دکھایا جاوے۔ کہ اس بنی نوع انسان کے سچے محسن نے اپنے عمل سے حضرت انسان کی کس کس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اور حضرت انسان کے لئے سرکار دو عالم کا وجود باجود کس قدر ضروری تھا +

اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی اکثر علمائے نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی سعی کی مگر اُن کے بیانات فطرت انسانی کے ما فوق امورات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور واقعات کی حد تک نہیں پہنچے اس بناء پر یہ کہنا کوئی بیجا امر نہیں کہ اس دُشوار گذار مرحلے کو طے کرنا خواجہ صاحب ہی کا کام تھا۔ اور قدرت نے کامیابی کا سہرا انہی کیلئے اٹھا رکھا تھا + جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم افضل الرسل تھے۔ خاتم النبیین تھے آپ نے معجزات دکھائے اور ضرور دکھائے۔ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ مگر کیا دلفریب انداز کے ساتھ ان کا بیان کر دینا کسی انسان کیلئے نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔ ما

وہ بیان کسی انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز ہو کر اسمیں جوشِ عمل پیدا کر سکتا ہے اس کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں پھر اس بیان کی انتہا طول دینا
کہ فسادِ حبلک مارنے لگ پڑے اور واقعات بالکل نظر انداز ہو جائیں۔ ہم سے نا اہل انسانوں کیلئے کیا فائدہ کہہ سکتا ہے +

سیرۃ عظمٰے کے متعلق علماء کا نظریہ تو یہی تھا۔ کہ دلکشی اور دلچسپی نیز عظمت و محبت پیدا کرنے کیلئے حالات خلاف فوق الفطرت
ہی کو زیب عنوان بنا کر بیان کو پُر لطف بنا دیا جائے مگر جناب خواجہ صاحب کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بحیثیت ایک کامل نبی اور کامل انسان ہونے کے منظر عام پر لا کر رکھ دیا جائے۔
کہ اس پاک محسنِ عالم کی ذات گرامی حضرتِ انسان کیلئے کسقدر قابلِ تقلید ہے۔ اور حضور کی سیرۃ عظمٰے بنی نوع انسان کی
حقیقی ترقی کیلئے کسقدر ضروری ہے۔ اس سے انسانی طبائع میں خود بخود حضور پر ایمان لانا اور حضور کی
محبت و پیروی کو خانۂ دل میں بٹھانے کو جوش پیدا ہوتا ہے۔ کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جو بھی اسے
پڑھیگا۔ خود بے ساختہ پکار اٹھیگا۔ کہ جناب خواجہ صاحب مدظلہ العالی اس اصول پر سیرت پاک کو تحریر کرنے میں نہایت کامیاب ہوئے ہیں +
نبوت کا ظہور اتم میں حضرت خواجہ صاحب نے اس امر کو شدت سے ملحوظ رکھا ہے۔ کہ کوئی ضعیف اور قابل جرح
روایت درج نہ ہونے پائے۔ جو کچھ تحریر کیا جائے صحت مآخذ کی بنا پر ہو +

ایک خوبی اس کتاب کی یہ بھی ہے۔ کہ عیسائی دنیا بالخصوص یورپ میں جسقدر اعتراضات سیرۃ عظمٰی پر وارد کئے
گئے تھے۔ دوران بیان میں ان کے دندان شکن مدلل اور مسکت جوابات بھی دیدئے گئے ہیں۔ یہ کتاب
تو سیرۃ عظمٰی ہی سے متعلق ہے اس لحاظ سے اس میں انہی واقعات سے بحث ہونی چاہئے تھی۔ جن کا بظاہر سیرۃ عظمٰے
سے گہرا تعلق ہو۔ مگر ایک نبی کامل کی سیرۃ عظمٰے کا بیان اسکی نبوت کاملہ کی صداقت اور اسکے عقائد کی سچائی
کا اظہار کئے بغیر کیونکر مکمل ہو سکتا ہے۔ نیز اُس نبی پاک کی بعثت کی غرض جس سچے مذہب کی اشاعت و ترویج ہے۔
اس مذہب اور اسکی صداقت کے دلائل اور اسکے عام اثرات کا بیان بھی تکمیل سیرۃ کیلئے نہایت ہی ضروری چیز ہے۔
یہ امر اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس قسم کی کتاب ایک مبلغ کے قلم سے نکلے +

حضرت خواجہ صاحب نے نبوت کا ظہور اتم میں ان امور پر بھی سیر کن بحث کی ہے کمال و ختم نبوۃ کی صداقت کے دلائل مطلوب ہوں
تو ان کا بیشتر اور زریں ذخیرہ نبوت کا ظہور اتم میں موجود ہے۔ نبی پاک کے سچے عقائد کے بیان اور انکی صداقت کے براہین قاطعہ کی
تشنگی ہو۔ تو نبوت کا ظہور اتم کا آبِ زلال اس پیاس کو بجھا سکتا ہے۔ سچے مذہب اسلام کی صداقت کی ٹوہ ہو۔ تو اس مرحلہ کو طے
کرنے کیلئے نبوت کا ظہور اتم ایک کامل رہنما کا کام دے سکتا ہے اسلام کے عام اثرات کو دیکھنا ہو۔ تو اس کتاب کا ایک دفعہ
سرسری نظر سے پڑھ لینا ہی کافی ہے +

الغرض اس چھوٹی سی کتاب میں جو کچھ ضروری تھا وہ بیان سے باقی نہیں رہا۔ اور جو غیر ضروری اور تطویل لاطائل بڑا مخل تھا۔ اُسے
چھوا تک نہیں گیا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ہر تعلیم یافتہ انسان کیلئے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم خالی از نفع نہیں کیونکہ صحت سے مملو اور حشو و زوائد سے پاک ہے
میں خواجہ عبد الغنی صاحب سکرٹری ووکنگ مشن کا بے حد مشکور و ممنون ہوں جنہوں نے یہ کتاب ہدیۃً مجھے مرحمت فرمائی۔ اور اس پر کچھ
لکھنے کیلئے ارشاد فرمایا۔ میں اس عظیم کتاب پر لکھ تو کیا سکتا ہوں۔ ہاں اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ میں نے اسے پڑھ کر گراں بہا
فوائد ضرور حاصل کئے۔ اور چاہتا ہوں نیا تعلیم یافتہ گروہ بھی یہی فوائد حاصل کرے +

خاکسار بندہ محمد عصمت اللہ مبلغ اسلام

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

سعی و جہاد ہی کلیدِ کامیابی ہے

از قلم خواجہ عبد الغنی صاحب سکرٹری ووکنگ ٹرسٹ

یہ ایک مُسلم حقیقت ہے۔ کہ آج دُنیا میں کوئی بھی شے جمُود کی حالت میں نہیں چھوٹے سے چھوٹے سالمات سے لے کر جسے ہم برہنہ آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بڑے سے بڑے ستاروں تک ہر ایک شے ہر وقت اور ہر آن حالت تبدیلی میں ہے۔ جمادات ہو۔ یا حیوانات سبھی کے سبھی اس تغیر و تبدل میں مساویانہ شامل ہیں پھر یہ تغیر و تبدل بے معنی چیز نہیں۔ یہ تغیر یا تو کسی چیز کی ترقی یا تنزل کا باعث ہو رہا ہے۔ یہ انقلاب اگر ایک چیز کو اوج کمال کی طرف لیجا رہا ہے۔ تو دوسری طرف یہی تغیر دوسری چیز کو انحطاط کے انتہاء گڑھے کی طرف کھینچ رہا ہے۔ غرضیکہ دُنیا کی کوئی بھی چیز حالت جمُود میں نہیں۔ پھر انسان جو موجُودات کا خلاصہ ہے۔ وہ بھلا اس تغیر کی زد سے کہاں بچ سکتا ہے۔ انسانوں کا وہ اجتماع کثیر جسے قوم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ بھی کس طرح اس الٰہی قانون کی ماتحتی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ انسانوں میں جو بھی انسان ترقی نہیں کرتا۔ ضروری ہے۔ کہ وہ تنزل کریگا۔ اسی طرح جو جماعت یا قوم ترقی کی طرف قدم نہیں بڑھاتی۔ اس کا قدم ضرور تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ خواہ اسے وہ محسوس کرے یا نہ کرے۔ اگر اشیائے عالم کے ان تغیرات میں بنظر تعمق غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اس دُنیا میں اس تغیر کے اندر ایک دوسرے کو ہڑپ کر جانے کے لئے کوشاں ہے۔ ہر فرد بشر اپنے ہی نوع کے دوسرے افراد پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ نگل جانے کا خواہاں ہے۔ ہر نوع دوسرے نوع کو فنا کرنے اور خُود اپنے قدم کو آگے بڑھانے کی سر توڑ کوشش میں ہے۔ کسی چیز کو اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے ہر آن جدوجہد جنگ و جدال کی اشد ضرورت ہے۔ ہر آن اسے کسی نہ کسی دوسری طاقت سے برسر پیکار ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہر زور آور چیز کمزور و نحیف ہستی کی تضعیف کی فکر میں ہے۔ اور اپنی ہستی کے قیام و بقا کی جدوجہد میں وہی چیز غالب آ سکتی ہے

جو اس جہاد میں عمدہ ساز و سامان کے ساتھ اپنا پورا زور اس امر کیلئے صرف کرتی ہے +

آج سے تیرہ سو سال پیشتر قرآن حکیم نے وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا و ان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ کے مبارک و جانفزا متبرک الفاظ میں ہمیں اسی سعی و جہاد کا سبق سکھایا۔ جسے آج ہم مسلمان بھول چکے۔ اور اسے اپنے زعم میں جہاد سیفی سمجھتے رہے ہیں لیکن یہ جہاد۔ یہ جدوجہد۔ یہ سعی بلیغ ہی دراصل زندگی کی جان و روح رواں ہے حقیقتاً یہی زندگی کی اصل بنیاد و جڑ ہے اور اس پر زندگی کے استحکام و قیام کا حصر ہے۔ اسکو چھوڑنے سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے +

قرآن کریم نے مسلمانوں کو زندگی کے قیام و بقا کے قائم رکھنے کے لئے ایک زریں اصول انھیں بتایا تھا۔ اور اسکی بنا اسی اصول جہاد پر تھی۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون (ضروری ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا موجود رہے۔ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے رہیں۔ اور نیک باتوں کا حکم دیں (۔ اور بری باتوں سے روکیں۔ اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں (آل عمران ۳-۱۰)

آیات مندرجہ بالا میں کامگاری کا گر مسلمانوں کو یہ بتلایا ہے۔ کہ مسلمانوں میں ایک جماعت داعیان اسلام کی ہونی از بس ضروری ہے کیونکہ آیات بالا میں لفظ الخیر آیا ہے۔ اور اسی کی طرف دعوت دینے کا حکم آیا ہے۔ اس الخیر سے مراد قرآن کریم یا دین اسلام کی طرف مدعو کرنے کے ہیں۔ الخیر بھلائی کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم یا دین اسلام تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں بھلائیوں و نیکیوں وغیروں کی راہیں مسلمانوں کو بتلائی گئی ہیں۔ ان الفاظ متبرک سے یہ مراد ہے کہ تم اگر دنیا میں باعزت۔ باوقار کامیاب و زندہ قوم بن کر رہنے کے متمنی ہو۔ تو تم میں ہر وقت داعیان الی الخیر یا مبلغین اسلام کا ایک گروہ تیار رہنا چاہیئے جو دین کی اشاعت کرے۔ متلاشیان حق کو راہ حق کی رہنمائی کرے۔ آیات بالا میں ترقی کا ایک گر و قرآن کریم نے ہمیں سکھایا ہے۔ اسمیں ہمیں بتلایا ہے۔ کہ اگر ہم مسلمان دین کی اشاعت کی کوشش نہ کرینگے۔ دوسروں کو اپنے دین میں داخل کرنے کیلئے کوشاں نہ ہونگے تو پھر ہم دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگر ہمارا قدم ترقی کیطرف نہ ہوگا۔ تو ضروری ہے کہ ہم انحطاط و تنزل کیطرف جھک جائیں +

تاریخ اسلام ان آیات بالا کی صداقت سے معمور ہے اسلام کی بعثت کے وقت زمانہ اوائل اسلام

وہ متبرک و مبارک زمانہ تھا۔ جب ایک مسلم کا دل جذبۂ اشاعت دین سے معمور تھا۔ ان میں ایک عو لیے لا سلام کی زبردست روح جلوہ گر تھی۔ صحابۂ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین ان سب بزرگان سلف نے حضرت نبی کریم صلعم کے نقش قدم پر چلنا اپنی زندگی کا مقصد اولیٰ قرار دے رکھا تھا۔ ان بزرگوں کے دلی جوش اور اشاعت اسلام کی حقیقی تڑپ نے اسلام کو عجلت کے ساتھ اور محیر العقول سرعت و تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیلا دیا وہ لوگ اشاعت دین کے سچے جذبۂ عشق کو لیکر دور دراز ممالک میں نکل گئے۔ اور ایک قلیل سے قلیل عرصہ میں انھوں نے دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اس زمانہ کے گذرنے کے بعد ایک ایسا زمانہ آگیا۔ جب مسلم سلاطین تو تعیشات میں محو ہو گئے۔ اور علماء کرام کی گرامی توجہات آپس کے تو تو میں میں کے فروعی مناقشات میں لگ گئیں لیکن اس زمانہ میں بھی بعض نیک و سعید روحیں ایسی تھیں جنہوں نے اشاعت اسلام کے کام کو نہ چھوڑا۔ اور وہ وہ بزرگ ہیں جن کے نام پر آج بھی لاکھوں لوگ قربان ہو رہے ہیں۔ اور ان کی عزت و تکریم محض اسلئے کی جاتی ہے کہ انھوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ درحقیقت جو کام دنیوی بادشاہ چھوڑ بیٹھے اور جنہوں نے اس اہم فریضہ کی طرف اپنی مادی عیش و عشرت کی وجہ سے توجہ نہ کی۔ اس اہم فریضہ کو ان روحانی بادشاہوں نے انجام دیا + پھر یہ زمانہ بھی گذر گیا۔ اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا۔ اور ان بزرگوں کے بعد وہ لوگ آئے۔ جنہوں نے ان بزرگوں کی گدیوں کو سیم و زر کی فراہمی کا آلۂ کار بنایا۔ جس سے اشاعت اسلام کے کام کو سخت دھکا لگا۔ لوگ اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے غافل ہو گئے مسلمانوں کو اس سے سخت نقصان پہنچا۔ جس کی تلافی بظاہر محال ہے۔ دراصل مسلمانوں کی بدبختی کے وہی ایام ہوا کرتے ہیں۔ جب مسلمان من حیث القوم جد و جہد یا جہاد کے اہم و مقدس فرض کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اپنے زعم میں یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم اسقدر بڑے ہیں۔ کہ ہمیں کسی جد و جہد یا دین کی اشاعت کی ضرورت نہیں لیکن جوں ہی کہ وہ جد و جہد کے زریں اصول مندرجہ بالا آیات قرآنی کو ترک کر دیتے ہیں۔ ادبار و سیاہ بختی اُن کے گرد و پیش منڈلانے لگتی ہے۔ ان کا قدم تنزل و انحطاط کی طرف جانا شروع ہو جاتا ہے۔ اس غفلت و سہل انگاری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اسلام دیگر مذاہب کے حملوں کا آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اور چنانچہ اس زمانہ میں ایسا ہوا ہے۔ اور بہت سے اسلام کے نام لیوا دیگر مذاہب میں جا داخل ہوئے ہیں۔ اس نکبت و ادبار کی اصلی وجہ یہی ہے۔ کہ ہمنے اشاعت اسلام

کے کام کو چھوڑ دیا ہوا ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کئی ایک اصول بتلائے ہیں دوسری اقوام اُس سے بہرہ اندوزہ ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے ان اصولوں پر چل کر کامیابی حاصل کی ہے۔ دوسرے لوگ ان پاک و ترقی کی راہ دکھانے والے اصولوں سے متمتع ہوئے ہیں لیکن اگر ان اصولوں سے فیضیاب نہیں ہوئے تو خود مسلمان +

دُنیا کی تمام مذہبی و الہامی کتب کی ورق گردانی کر جاؤ تمھیں کہیں بھی دعوت الی المذہب کا اصول ان میں نظر نہ آئیگا دعوت الی الاسلام کے مقدس و پاک اصول کو تم سوائے قرآن حکیم کے اور کہیں نہ پاؤ گے (معتقد) تو مسلمان اس زرّیں اصول کے قائل۔ ان کے نزدیک یہ اصولِ تبلیغ قابلِ اتّباع وواجب التکریم۔ مگر عملی طور سے کونسی قوم ہے۔ جو آج دُنیا بھر میں اس اصول کی عملاً تارک نظر آتی ہے۔ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی قوم نہیں۔ ہر قوم کو فکر دامنگیر ہے کہ دوسروں کو اپنا ہمخیال بنالیں۔ ہر قوم شبانہ روز اس سعی میں ہے۔ اس جدوجہد میں مصروف ہے حالتِ جمود و خمود کو اپنے لئے موت سمجھتی ہے۔ حالتِ سکون اُنکے نزدیک فنا کے مترادف ہے۔ آج برادرانِ وطن کی موجودہ ہنگامہ آرائیاں اور اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے شدید جد وجہد ہم سے مخفی نہیں۔ مگر مسلمان جن کی متبرک کتاب نے اُنھیں اصول زندگی جدوجہد بتائی تھی۔ آج بالکل غافل ہیں کسل و جبن اُن پر مستولی ہے غفلت کی چادر تان کر خواب غفلت میں خرّاٹے لے رہے ہیں اس حالتِ حاضرہ کی ذلیل ترین حالت سے باہر نکلنے کے خواہاں نظر ہی نہیں آتے۔ اپنے دین کی اشاعت سے بالکل بیفکر ہیں۔ ان کے نزدیک یہ فریضہ کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا۔ نہ تو انھیں اسلامی ادبیات کے پیدا کرنے کا خیال ہے۔ نہ اسلام پر حملوں کی پرواہ۔ نہ مبلغین کی تیاری کا فکر۔ نہ دُنیا کی مذہبی ضروریات کی خبر۔ نہ دوسرے مذاہب سے واقفیت۔ نہ دیگر مذاہب کے اسلام پر حملوں کی واقفیت۔ غیر مذاہب کے مبلغ تو مسلمانوں کے قریہ قریہ میں ہو نکلے۔ غیر مذاہب کی مذہبی کتب کے تراجم مسلمانوں کے ہاتھوں لاکھوں کی تعداد میں پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اسکے بالمقابل مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ نہ تو اُن کی کتب ہی دوسروں کے گھروں تک پہنچی ہیں۔ اور نہ اُن کے مبلغین ہی۔ مسلمانوں کی یہ غفلت و سہل انگاری نقصان نہ دیتی۔

اگر بالمقابل دیگر مذاہب والوں کی شدید جد و جہد کا سلسلہ جاری نہ ہوتا۔ وہ تو ہر آن اسی فکر میں ہے کہ مسلمانوں کو پت تسا تدر لے لیں اسلئے اس وقت مسلمانوں کی غفلت موت کے مترادف اور سخت نقصان دہ ہے۔

قوم کی بہت سی ضروریات ہیں۔ اور اُن سب کی طرف ہی قوم کی کم و بیش توجہ درکار ہے۔ لیکن وہ امور جن سے قوم کی حیات و ممات وابستہ ہو۔ وہ سب سے اہم و مقدم ہیں۔ اگر دوسری قومی ضروریات قوم کی بعض بیماریوں کا علاج ہیں۔ تو اشاعت اسلام کا مسئلہ تو قوم کی حیات و بقا کا سوال ہے۔ پس سب سے اول اس ضرورت کا فکر ہے جس پہ زندگی کا مدار ہے۔ پہلے زندگی کا فکر ضروری ہے۔ اس کی طرف ایک منٹ کی بھی غفلت نقصان عظیم اور موت کا موجب ہے۔ اور سخت ترین مہلک امر ہے +

جس قدر یہ مسئلہ اہم و مقدم ہے۔ اسی قدر اس کی طرف غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔ آج سے اٹھارہ سال پیشتر ایک یکّہ و تنہا شخص نے اشاعت دین کیلئے تھوڑی سی جد و جہد کی۔ بفضلہ تبلیغ اسلام کا وہ پودا آج مثمر ہو گیا۔ اگر ایک طرف اس تبلیغی تحریک کی محیّر العقول، فوق العادت کامیابی اور عظیم الشان خدمت کو دیکھا جائے۔ جو اس نے اٹھارہ سالوں کی قلیل عرصہ میں کی۔ اور جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اسکے سامان پیدا کر دیئے۔ تو دوسری طرف یہ امر دیکھ کر رنج ہوتا ہے۔ کہ اس مُسلّمہ کامیاب کام کی طرف قوم کی پوری و مستقل توجہ نہیں ہوئی۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ قوم نے ابھی تک اشاعت اسلام کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ اور اسکی طرف التفات نہیں کیا +

ووکنگ مشن کے گذشتہ تبلیغی کارنامے قوم کی پوری توجّہ کے محتاج ہیں۔ اس وقت تک اس مشن کے ذریعہ بفضلہ تعالیٰ دو ہزار کے لگ بھگ مختلف اکناف عالم میں یورپین احباب و خواتین حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں + کس علمیت کس جوش۔ کس دل و گردہ کے وہ لوگ ہیں۔ دنیوی وجاہت کے لحاظ سے ان میں بیرن۔ لارڈز۔ کوئینٹ۔ پرنس۔ سر۔ جیسے آدمی اس مشن کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔ گورنمنٹ کے عہدیداران میں بہت سے لفٹنٹ اور کپتان موجود ہیں۔ علم و فضل کے لحاظ سے پروفیسر، ایڈیٹر، مُصنّف۔ بعض ان میں ایسے بھی ہیں۔ جن کو دین کی اشاعت کی دُھن ہے۔ تبلیغ دین کا سچا جوش و لگن ہے۔ شاید کروڑوں روپے صرف ہو کر پچاس سالوں میں بھی وہ کام نہ ہو سکتا۔ جو اٹھارہ سال کے قلیل عرصہ میں اس مشن نے چند ہزار روپے کے خرچ سے کر دکھایا۔ اور یہ محض اس واسطے ہُوا ہے کہ تاکہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں۔ ان میں اشاعت اسلام کا احساس پیدا ہو۔ اُنھیں اس اہم فریضہ کی اہمیّت سمجھ آ جائے۔

اور انھیں یہ نظر آجائے۔ کہ دین کی اشاعت کا کام ایسا نہیں۔ کہ روپیہ تو بہت صرف ہو۔ اور نتائج تھوڑے نظر آئیں +

مندرجہ بالا کثیر تعداد کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے علاوہ یہ مشن اسلامی ادبیات کا ایک بحر بے پایاں کنار یورپ میں بہا چکا ہے۔ اور بیش بہا اسلامی لٹریچر اس مشن نے پیدا کیا ہے۔ یورپ۔ امریکہ جاپان۔ افریقہ۔ آسٹریلیا کی اہم انگریزی زبان کی لائبریریوں میں جہاں اسلام کا خوشنما چہرہ دکھانے والا کوئی بھی آئینہ نہ تھا وہاں مسلم مشن ووکنگ ٹرسٹ کا انگریزی ماہوار مجلہ اسلامک ریویو بیش بہا اسلامی مضامین کو لئے ہر ماہ پہنچتا ہے۔ پھر ووکنگ کی مسلسل خط وکتابت نے جو تمام دنیا بھر سے ہوتی ہے۔ یورپین کے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ لندن ووکنگ میں غیر مسلموں سے میل وملاقات لیکچروں جمعہ عیدین کی نمازیں۔ قرآن کریم وعربی کی درس وتدریس کے سلسلے۔ الغرض ان جملہ تبلیغی تگ ودو کے ذرائع نے یورپین دلوں میں ایک تغیر پیدا کر کے اسلام سے شدید محبت پیدا کر دی ہے۔ اس مشن نے اسلام کی عظمت وشوکت کو تمام غیر مسلم دنیا کے دلوں میں بڑھا دیا ہے۔ اور اسلام کی زندگی کا ایک نمایاں نشان قائم کر دیا ہے +

ماہ رمضان

خدا تعالیٰ اس مہینہ کو ہم سب کے لئے مبارک کرے اس مہینہ کے مبارک ہونے میں کیا شبہ ہے۔ ہم قرآن جیسی پاک اور متمدن کتاب کا نزول اس ماہ مبارک میں ہوا۔ ہم اس دنیا میں کھانے پینے یا زوجیت کیلئے نہیں آئے۔ یہ امور ثلاثہ تو حیوانات میں موجود ہی تھے۔ پھر اگر خدا تعالےٰ نے تمام حیوانات میں سے انسان کو ممتاز کیا۔ تو بالضرور اس کا کوئی اور مقصد ہوگا۔ جس کا سمجھ لینا کوئی مشکل نہیں۔ ہم تو اس دنیا میں اسی چیز کو بڑھانے کیلئے آئے ہیں۔ جو ہم میں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ ہمارے اخلاق ہیں۔ جو حیوانوں میں نہیں ہوتے۔ اور جن کی ایک خاص شکل کا نام روحانیات ہے اسمیں شک نہیں۔ کہ ان اخلاق کی پیدائش بقاء زندگی سے وابستہ ہے۔ اور بقاء زندگی مذکورہ بالا امور ثلاثہ کو چاہتی ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ اکل وشرب ومناکحت مقصد زندگی نہیں۔ ہاں اس مقصد کے حصول کا لازمی ذریعہ ہے۔ ہمیں ان میں سے اسیقدر حصہ لینا ہے۔ جسقدر بقاء زندگی اور بقاء نوعیت کیلئے ضروری ہے +

نفسیات دانوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ جسقدر جسمانیات کا حصہ کسی میں کم ہوگا۔ اسیقدر اسکی ذہنیات

اخلاق اور روحانیات میں ترقی ہوگی مشکل تو یہ ہے۔ کہ انسان نے علے العموم امور بالا کو اپنا نصب العین قرار دیا ہوا ہے۔ ان تین امور کے علاوہ جس امر میں آجکل متمدن دنیا کی زندگی گذرتی ہے۔ وہ صرف لہو ولعب ہیں کھیل کود۔ فٹ بال۔ ہاکی۔ گالف۔ رقص وسرود آجکل کے اشغال ہیں۔ مصیبت یہ ہے۔ کہ ہم بھی ان کے قدم بقدم چل رہے ہیں + اسلام حدود مناسب میں ان باتوں کی مخالفت نہیں کرتا۔ لیکن اگر ان ہی کو مقصد زندگی ٹھیرا لیا جائے۔ تو یہ لہو ولعب ہیں جو گناہ کے قریب ہے۔ ایسی ہر ایک چیز گناہ ہوجاتی ہے۔ جو انسان کو ترقی سے روک لے بیشک تفریحاً بعض کھیلوں میں بھی حصہ لیا جائے۔ لیکن ایک مسلم کو سامنے یہی رکھنا ہے۔ کہ اس نے اخلاق فاضلہ اور روحانیات میں ترقی کرنی ہے۔ بہترین دنیوی تمدن بھی انھیں باتوں سے حاصل ہوتا ہے +

میں نے اوپر لکھا ہے۔ کہ ان امور میں ترقی اسی صورت میں ہوگی جب ہم ضرورت سے زیادہ جسم کی پرورش میں نہ لگ جائیں۔ اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ماہ رمضان تجویز ہوتا ہے اکل و شرب و مناکحت جو ہماری جسمانی خوشی کے بہترین سامان ہیں انہی سے ہمیں ایک خاص وقت کیلئے روکا جاتا ہے۔ ان میں تخفیف ہونے سے لازماً ہمارے روحانی قوے بڑھ جاتے ہیں۔ اور اگر ان ایام کو مقبولیت دعا کیلئے بہترین ایام سمجھا جائے۔ تو یہ امر ظاہر ہے۔ قرآن کریم نے جہاں صیام کا ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مقبولیت دعا کا بھی ذکر کیا ہے جسمیں اشارہ یہ ہے۔ کہ جن راہوں پر چل کر انسان مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ ان میں ایک راستہ روزہ کا رکھنا ہے۔ استجابت دعا کے لئے قرآن کریم نے شرط رکھی ہے۔ کہ ہم اپنے اندر قبولیت دعا کی اہلیت پیدا کریں۔ اس کے بعد ہی قرآن میں روزے رکھنے کا ذکر ہے۔ سو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ قبولیت دعا کا ایک ذریعہ روزہ ہے +

قرآن کریم نے اسی ضمن میں ذکر کیا ہے۔ کہ تم لوگوں کا مال نہ کھاؤ۔ نہ حکام کو کسی کی ایذا رسانی کیلئے مال کھلاؤ یعنی رشوت دو۔ اس نے بھی ایک طرح فلسفہ صیام کو کھولدیا ہے۔ ہونٹ اور لنگوٹ کی حفاظت ہی انسان کو بچانوے فیصدی گناہوں سے بچا دیتی ہے۔ تعزیرات کا کوئی ضابطہ اٹھا کر دیکھ لیا جائے۔ اس میں جو جرم نظر آتا ہے۔ وہ ہونٹ اور لنگوٹ کی بد استعمالی سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ رمضان شریف میں تو ہونٹ اور لنگوٹ کے صحیح اور جائز استعمال سے بھی روکا جاتا ہے۔ تو کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ایک شخص محض خدا کی خوشنودی کیلئے اپنی جائز خواہشوں اور ان کے پورا کرنے کے جائز راہوں کو تو چھوڑ دے۔ اور ان ہی کو ان مذموم طریقوں سے پورا کرے جو خدا نے روکے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ رمضان شریف میں انسان کو کثرت سے خیرات کرنی چاہئے۔ بلکہ صحابہ نے بیک زبان شہادت دی ہے۔ کہ ایام شریف میں آپ

کل انسانوں سے خیرات وحسنات میں بڑھ جاتے تھے۔ یوں تو ہمیں ہر وقت خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے اس کے راہ میں آٹھوں پہر خرچ کرنا ہے لیکن رمضان میں ہماری خیرات آنحضرتؐ کے اس زمانے کے مطابق بڑھ جانی چاہئے۔ اب خیرات کیا ہے۔ ایسے مال کو جس کے ہم مالک ہیں۔ اور جس کا استعمال کرنا ہمارے لئے جائز ہے اسے ہم اپنی ذات سے جدا کر کے دوسروں کو دیدیتے ہیں۔ اب مختلف قسم کے جرائم یا گناہ اپنی خلاصہ شکل میں یہ ہوتے ہیں۔ کہ ہم دوسروں کے مال کو ناجائز طریق پر غصب کریں یہ کس قدر ادنے سے ادنے اور رذیل بات اس انسان کیلئے ہوگی۔ جو اپنا جائز مال تو خدا کی خوشنودی میں دوسروں کو بلا عوضہ دیدے۔ اور دوسروں کے مال پر نگاہ بد رکھے یہی امر اکل وشرب ومناکحت کے متعلق ہے۔ جب ہم ان کے جائز استعمال سے رک جائیں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ ہم ناجائز طریق پر ان امور کو کر گزریں۔ لہٰذا قرآن کریم کا یہ فرمانا۔ کہ صیام مسلمانوں پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں۔ کہ ان میں تقوے طہارت پیدا ہو وہ متقی زندگی بسر کریں۔ ایک بڑا بھی تقوے یہی ہے کہ ہم بدراہوں سے بچ جائیں۔ اور جیسے اوپر مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جب ہم رمضان شریف میں چیزوں کے استعمال میں جائز راہوں سے رک جاتے ہیں۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ ہم ناجائز راہوں کو اختیار کریں +

ایک بڑی نعمت جو ایام صیام میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ صبر واستقامت ہے۔ ظفر ونصرت کی کلید صبر ہے اور اس امر سے کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ کہ روزے رکھنے سے انسان میں صبر کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص کھانے پینے کے معاملات میں بھوک پیاس کے مقابل میں صبر کرسکتا ہے وہ باقی امور میں بھی صابر ہوسکتا ہے۔ استقلال استقامت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور استقامت صبر سے یہ وہ چیز ہے۔ جسے قرآن نے عزم الامور میں سے کہا ہے۔ اس عظیم الشان نعمت کے حصول کا ایک بھاری ذریعہ یہی روزے ہیں +

ضروری عرضداشت

رمضان شریف اور اس کے بعد عید مبارک پر جو مسلم بھائی جود وسخا کریں۔ اس وقت مسلم مشن کو نہ بھولیں۔ خصوصاً رقم فطرہ کا بہترین مصرف اشاعت اسلام ہے +

سکرٹری مسلم مشن ووکنگ
عزیز منزل۔ لاہور

آنحضرت کی سیرت مبارکہ

شاذونادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کوئی نقاد اسلام کے اصولوں پر تنقیدی نظر ڈالے کیونکہ وہ تو اس درجہ سریع الفہم ہیں۔ کہ ادنےٰ سے ادنےٰ طبقہ کے انسان بھی اُن کو سمجھ سکتے ہیں اور یہ بھی ہے۔ کہ موجودہ دُنیا ان کو قبول کرنے کیلئے بھی بیتاب ہے۔ اس کے بالمقابل بازاروں میں ایسی کتابیں بھی مل سکتی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلعم کی پاک زندگی کو بدنما طور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ معاندین کو اسلامی تعلیمات تو کوئی عیب نظر آ نہیں سکتا۔ اسلئے وہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کی پیچیدہ لیکن دلچسپ سیرت کو بگاڑ کر اپنے دل کا بخار نکالا جا سکتا ہے شاید اس طرح ہم اسلام کو بدنام کر سکینگے۔ کہ یہ مذہب لائق تسلیم نہیں ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ یہ لوگ اپنی اس کوشش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہو گئے ہیں +

آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ پر جو کتاب حال ہی ڈرمنگھم نے فرنچ میں شائع کی ہے اس کو دیکھ کر یہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ اب جبکہ آپ کی سیرت کی تفاصیل بہ آسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اور معتبر اور مستند ذرائع سے معلومات بہم پہنچ سکتی ہیں۔ تو معاندان اسلام اپنے ان فرسُودہ اور اوچھے ہتھیاروں سے باز آ جائینگے۔ چنانچہ اس خیال کی تائید اس کتاب سے ہوتی ہے جسمیں اگرچہ بعض قدیم مغالطے موجود ہیں تاہم بحیثیت مجموعی سابقہ تالیفات پر اسے فوقیت حاصل ہے +

ان باتوں سے ہم کو وہ قرآنی آیات یاد آ جاتی ہیں جن میں لکھا ہے۔ کہ جُوں جُوں علم کی روشنی دُنیا میں پھیلیگی، تیوں تیوں آپ کو دُنیا کا سب سے بڑا محسن تسلیم کیا جائیگا +

ن والقلم وما یسطرون ما انت بنعمة ربك بمجنون وان لك لاجرا غیر ممنون ۰ وانك لعلی خلق عظیم (۶۸ - ۱ تا ۴)

قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی کہ لکھتے ہیں نہیں تو ساتھ نعمت رب اپنے کے دیوانہ تحقیق واسطے تیرے ثواب ہے جو کاٹا نہ جائیگا۔ اور تحقیق تو اوپر بڑے خلق کے ہے (سورہ قلم آیات ۱ تا ۴)

ہم مسلمان یکلخت کسی تغیر کے متوقع نہیں ہو سکتے لیکن یقین رکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ آپ کے متعلق جس قدر بدگمانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ سب کی سب کافور ہو جائینگی +

ہم ذیل میں کتاب مذکورہ کے ایک باب موسومہ مسیحیت اور اسلام کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ ایک مسلمان کو مغرب میں جاکر تعصب اور جہالت کے کیسے شدید طوفان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ " وہ خلیج جو آج مسلمانوں اور عیسائیوں میں حائل ہے پہلے موجود نہ تھی۔ یہ تو محض ایک غلط فہمی کی بناء پر پیدا ہوئی۔ اور یہ غلط فہمی بڑھتے بڑھتے بدگمانی کی حد تک پہنچ گئی۔ اہلکتاب اگرچہ ابتداء محمد (صلعم) کے ساتھ تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ سے برگشتہ ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو سچا نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو مسیحیت کے دائرہ سے علیحدہ کرنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ بالکل ہی دور ہو گئے"
عرصۂ دراز تک اسلام اور مسیحیت کے مابین جنگوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلط فہمیاں بڑھ گئیں۔
اور ہمیں اس کا اعتراف ہے۔ کہ اس اعتراف میں اہل مغرب بڑی خطرناک غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ انجامکار رومی مناظرین جنہوں نے سوائے یوحنا دمشقی کے اسلام کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا۔ اور مصنفین اور شعراء یہ تینوں گروہوں نے محض اتہامات اور الزامات باطلہ اسلام کے سر تھوپنے کا شیوہ اختیار کیا۔ ان لوگوں نے پوپوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے آنحضرت پر نہایت ناروا الزامات لگائے (نعوذ باللہ) آپ کو سارق، کاذب، مفتری، ساحر، غدار، قزاق، اور خدا جانے کن کن برے ناموں سے یاد کیا اور یہانتک لکھ دیا کہ مسلمان محمد (صلعم) کو ایک دیوتا یقین کرتے ہیں۔ اور اسکے بت کے سامنے قربانی چڑھاتے ہیں +

ڈسٹوبرٹ نوجنٹ لکھتا ہے۔ محمد (صلعم) کی وفات کثرت شرابخوری کی وجہ سے واقع ہوئی۔ اور (نعوذ باللہ) ان کی نعش کو خنازیر نے کھا یا اسی لئے مسلمان اس جانور سے نفرت کرتے ہیں۔۔۔۔
جس طرح ان الزامات کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح اُن نظموں کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ جو اسلام کے خلاف لکھی گئیں۔ اور ان میں محمد (صلعم) کو جو در اصل بت شکن تھے ایک " کی بت" بیان کیا گیا اور مسلمانوں کی مساجد کو بت خانہ بتایا گیا جسمیں صدہا بت رکھے ہوئے ہیں" نظم انطاکیہ" میں شاعر نے اس طرح حالات بیان کئے ہیں۔ گویا وہ وہاں موجود تھا۔ لکھتا ہے۔ کہ محم (محمد) ایک بہت بڑا بت ہے،

ٹھوس سونے کا بت ہوا اور ایک ہاتھی پر رکھا ہوا ہے۔ "نظم روانید" میں **شارلیمان** کو مسلمانوں پر فاتحانہ اقدام کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمان تثلیث پرست ہیں۔ تین دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں:-

طارمیجنٹ **محم** اور **اپالو** ایک رومن مصنف نے لکھا ہے۔ کہ اسلام نے ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔

روڈلف (متوفی سنہ ۱۲۰۶ء) سے لے کر تا اینڈم بہت سے یوروپین مصنفین مثلاً **نکولس** **واویس** **مراکی** **ہاٹنگر** **ہایڈر** **پرائیڈ** وغیرہ سب نے اسلام کو بدترین شکل میں پیش کیا ہے۔ محمد (صلعم) کو مفتری قرآن کو مجموعہ اباطیل مسلمانوں کو حیوان مطلق اور اسلام کو کارشیطانی قرار دیا ہے۔ بارھویں صدی میں **پیری** نے قرآن کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا۔ پوپ **انوسینٹ** ثالث محمدؐ کو **دجال** کہا کرتا تھا۔ (نعوذ باللہ) **ریمنڈ للی** نے چودھویں **گولامی بوسٹل** نے پندرھویں رولینڈ اور گگیز نے اٹھارھویں **ایپی** اور **رینان** نے انیسویں صدی مختلف خیالات ظاہر کئے بعض نے موافق بعض نے مخالف۔ **والٹیر** نے ابتداء نہایت غلط خیالات ظاہر کئے تھے لیکن بعداں خود اصلاح کر دی تھی۔ اگرچہ **مانٹیگیٹو** **پیسکل** اور **مالی برنش** وغیرہ نے مذہب کے بارہ میں غلطیاں کیں۔ لیکن مسلمانوں کے تمدن کے متعلق صحیح خیالات ظاہر کئے ہیں +

لی **کامٹے** **شول** **کامیت** **ڈوزی** **اسپرنگر** **بارتھیلامی** **ہلاری** **کارلائل** اور **ڈی کسٹرے** نے کم و بیش اسلام کے متعلق اچھے اور ہمدردانہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اور بسا اوقات محمد (صلعم) کی حمایت بھی کی ہے لیکن باینہمہ اب بھی یورپ میں پیغمبر عرب کے متعلق غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں" +

ناظرین اس عبارت سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ **مغرب** میں اشاعت اسلام کی کس قدر سخت ضرورت ہے۔ خدا ہم سب کو اشاعت اسلام کی توفیق عطا کرے + آمین

اضمحلال کلیسا

ڈاکٹر رسل نے ماڈرن چرچ مین کانفرنس منعقدہ آکسفورڈ ۱۹۳۰ء میں جو خطبہ صدارت پڑھا۔ اسمیں مندرجہ ذیل فقرات لائق توجہ ہیں:-

"آج کلیسا اس امر کا اعتراف کرتا ہے۔ کہ اتوار کے دن کھیل کود میں مشغولیت' خدا کی ناراضگی کا باعث نہیں ہے لیکن یہ بات اُسے آج سے پچیس سال پہلے کہنی چاہئے تھی" +

"تیس سال کے بعد کلیسا یہ کہنے کیلئے بالکل طیار ہوگا۔ کہ اصول امتناع استقرار حمل (برتھ کنٹرول) ایک پسندیدہ مسیحی اصول ہے لیکن اُس وقت کسی شخص کو اس قول کی پرواہ بھی نہ ہوگی" +

"کلیسیائے انگلستان کے متعلق افسوسناک بات یہ ہے۔ کہ وہ کسی تبدیلی کو مبارک قرار نہیں دیتا یہانتک کہ وقت گزر جاتا ہے۔ اور پھر کچھ کہنا سننا لے فائدہ ہوتا ہے" +

اُنھوں نے یہ بھی کہا" کہ کلیسیائے انگلستان کی طرف سے لوگ جو بے اعتنائی ظاہر کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ جب کبھی کسی معاملہ میں کلیسیاء نے لوگوں کے اخلاقی رہنما ہونے کا دعوے کیا تو لبعد چندے اس دعوے سے دستبرداری دیدی" +

یہ تصریحات' کلیسیاء کی طرف سے عدم اعتماد کے آثار ہیں! اور اس قسم کے آثار' آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں! اور ڈاکٹر موصوف کے الفاظ اس امر پر شاہد ہیں کہ کلیسیا مسائل زندگی کے حل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور اگر کلیسیاء اسکے علاوہ کوئی اور رجحان ظاہر کرتا تو کم از کم ہمیں تعجب ہی ہوتا۔ خود حضرت یسوع نے اپنی تعلیم لوگوں کیلئے کسی ایسی صورت میں نہیں چھوڑی جس پر اعتماد ہو سکتا' کسی دستور العمل کا تو ذکر ہی کیا ہے!

گزشتہ ماہ' ہم نے اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کہ کلیسیائی اصول آئے دن تبدیل ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ڈاکٹر رسل نے اسکے طرز عمل کا جو اتوار کی طرف ظاہر ہوتا ہے' ذکر کیا ہے' اسکی وجہ یہ نہیں کہ اب کلیسیاء نے یہ بات معلوم کرلی ہے۔ کہ اتوار کو مقدس سمجھنا مشرکانہ رسم ہے۔ اور اوائل کلیسیا میں اتوار کو کسی قسم کا تقدس حاصل نہ تھا۔ اور نہ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اب کلیسیاء نے دانستہ طور پر اتوار کی شان تقدس سے چشم پوشی کرلی ہے۔ اصلی وجہ یہ ہے۔ کہ کلیسیاء ان نوجوانوں کی تالیف قلوب کرنا چاہتی ہے۔ جو کلیسیائی مذہب سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ انھیں کلیسیاء سے کسی قسم کا اخلاقی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے پادریوں نے ان نوجوانوں کو کلیسیا کی طرف مائل کرنے کیلئے "روشن تر تحریک کلیسیائی" کی بنیاد ڈالی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اتوار کی حاضری پر تصویروں کے انعامات دیتے ہیں۔ اور بقول ڈیلی ہیرلڈ مورخہ ۲ جون ۱۹۳۰ء

اب کلیساؤں کے احاطہ میں اتوار کے دن کرکٹ کی میچ ہوتی ہے +

ہم اس موقعہ پر ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے "اتوار" کے تقدس کی تاریخ بیان کرتے ہیں :-

جب کلیسیاء کو حکومت کی تائید حاصل ہوئی - تو مقدس ایام کی ضرورت محسوس ہونے لگی تاکہ اُن مشرکانہ رسوم کو مسیحیت کا رنگ دیا جا سکے جن کو مٹانا ممکن نہ تھا - مثلاً پادری لوگ مختلف ممالک کے لوگوں کو سال کے خاص دنوں میں ایسٹر کا تہوار منانے سے نہیں روک سکتے تھے جبکہ اُن کے خیال کے مطابق **ایٹس** اور دوسرے دیوتا دوبارہ زندہ ہوئے تھے - لہذا مجبوراً پادریوں نے ان رسوم کو مسیحی رنگ میں رنگ دیا - تاکہ ان میں شان تقدس پیدا ہو جائے - چنانچہ **کرسمس - ایسٹر - مریم کا داخلہ بہشت - عید یوحنا - عید جارج - عید لینٹ** وغیرہ یہ سب دراصل مشرکانہ رسوم ہیں - جن کو رفتہ رفتہ مسیحیت کے قالب میں ڈھال دیا گیا +

سات دن کے ہفتے کی اصل زمانہ بعید میں قمر پرستی کی شرمندہ احسان ہے - چنانچہ **نئے چاند پورنماشی** کے تہوار تمام قدیمی مذاہب میں پائے جاتے ہیں - گویا اس طرح چودہ دن کا ایک حلقہ قائم ہو گیا - اور اس کا نصف ایک ہفتہ ہوتا ہے - اہل **بابل** نے سات دن کا ہفتہ قرار دیا - اور اُن کی تقویم میں لکھا ہے - کہ فلاں دن فلاں فلاں امور سے احتراز واجب ہے - یہ ایام عموماً ساتویں دن واقع ہوتے تھے - اور اُن کو **سبت** کہتے تھے - اگرچہ یہودیوں کا **سبت** بابلی الاصل نہیں ہے - لیکن یہ رسم ضرور ماہ پرستی سے نکلی ہے اور ساتویں دن کو یا سات کے عدد کو مقدس سمجھا گیا ہے - یہود نے ساتویں دن کا تقدس اس بات سے منسوب کیا - کہ اُن کے خیال کے مطابق خدا نے چھ دن میں کائنات پیدا کی تھی - اور ساتویں دن آرام کیا تھا اتوار کا دن سورج دیوتا کے لئے وقف تھا جس طرح قمر - عطارد - زہرہ - مریخ - مشتری اور زحل میں ہر ایک کیلئے ایک دن معین تھا - اور مشرکین کے شمسی عقاید کی رُو سے اتوار کا دن مدت مدید سے مقدس سمجھا جاتا تھا - اور اس دن کو **متھرا** کے پجاری خاص طور پر محترم گردانتے تھے -

پس یہ کہنا کہ مسیح نے اتوار کے دن قبر کو چھوڑا اتوار کے تقدس کی اصلی وجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جمعہ کے دن مصلوب ہوا تھا - اور جمعہ کو بھی مقدس تسلیم کیا جا سکتا تھا - حقیقت یہ ہے - کہ مشرکین شروع سے اتوار کو سبت قرار دیتے چلے آرہے تھے - اور ۳۲۱ء میں قسطنطین نے اس رسم پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر کے اسکو تمام مسیحیوں کیلئے سبت قرار دیدیا +

اب لوگ اتوار کو تعطیل منانے لگے ہیں۔ اور وہ اسلئے ایسا نہیں کرتے کہ کلیسیا ان کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اب مذہب کو خود اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ اور ایسا کرنا بالکل مناسب ہے + انجیل کے مطالعہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح سبت کے مخالف تھے کیونکہ اتوار کو کوئی کام نہیں کرنا چاہئے + حضرت مسیح نے تو بقول یوحنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا محض اس لئے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی غلامی سے آزاد کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہود تو اس درجہ رسم پرست ہو گئے تھے۔ کہ اگر کوئی شخص سبت کے دن لکڑیاں بھی جمع کرتا تھا۔ تو وہ اُسے مستوجب قتل قرار دیدیتے تھے +

الغرض رفتہ رفتہ کلیسیاء کے مضبوط اور منتظم قلعے یکے بادیگرے منہدم ہوتے جا رہے ہیں۔ اور کلیسیاء محض عوام الناس پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کی خواہش میں لوگوں کی مرضی کے مطابق عمل درآمد کرنے میں سرگرم نظر آتا ہے +

گوشوارہ آمد و خرچ ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ در انگلستان و ہندوستان بابت ماہ نومبر ۱۹۳۳ء

تفصیل آمد	نمبر	رقم آمد ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان: پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن و اسلامک ریویو	۱	۷	۱۳	۲۳۳۱	اخراجات ووکنگ مسلم مشن اسلامک ریویو کتب خانہ در ہندوستان و انگلستان	۳	۲	۳	۳۷۵۸
آمد ریز و قند	۲	-	۳	۵۲۷					
میزان	۰	۷	-	۲۸۵۹	میزان	۰	۲	۳	۳۷۵۸

دستخط فنانشل سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ لاہور

نقشہ تفصیل آمد مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو و کتب خانہ در ہندوستان و انگلستان بابت ماہ نومبر ۱۹۳۳ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ	تاریخ	نمبر رسید	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۳ ۱۱/۳۳	۱۳۲۶	جناب کے ایس محمود صاحب لاہور بمد رفعت تقسیم اسلامک ریویو	-	-	۵		۱۳۳۵	جناب محمد ابراہیم خان صاحب بمد مشن	-	-	۱
	۱۳۲۷	" خواجہ کمال الدین صاحب لاہور بمد مشن اسلامک ریویو ۱۰	-	-	۲۰		۱۳۳۶	" ایس ایم نصیر اللہ شریف بنگلور "	-	-	۳
	۱۳۲۸	" منشی انت محمد صاحب و ایس پی صاحب ازبراہ ریز و قند	-	-	۵	۶ ۱۱/۳۳	۱۳۴۲	جناب اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور بمد مشن	-	-	۲
	۱۳۲۹	" " بمد مشن	-	۴	-		۱۳۴۳	جناب عبد الحق صاحب گجرات بمد مشن	-	-	۵
۵ ۱۱/۳۳	۱۳۳۳	" سید ولایت حسین صاحب لدھیانہ بمد مشن	-	-	۲۰		۱۳۴۵	" منہاج الدین صاحب رحیم یار خان "	-	-	۱۰

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

موضوع بالا پر حضرت خواجہ صاحب موصوف نے قرآن کریم پر ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع فرمادی ہے جسمیں آپ قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرینگے جس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام ہی اسوقت ایسا زندہ جاوید مذہب ہے جو دنیا کے لیے ہے جو دنیا کو مصائب حاضرہ سے بچا سکتا ہے محترم مکرم حضرت خواجہ صاحب ممدوح نے گزشتہ سترہ سالوں میں مغربی رجحان طبع کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے ہمیں امید کامل ہے کہ یہ کتاب اہل مغرب کے دلمیں کھُب جائیگی۔ اور اس سے اسلام کے متعلق اہل مغرب کے قلوب میں ایک روادارانہ فضا پیدا ہو جائیگی۔ اور اُنکے دل محبت اسلام سے معمور ہو جائینگے۔ یہ کتاب اُنکے دلمیں مطالعہ قرآن کی ایک حقیقی و سچی تڑپ پیدا کریگی جس سے انشاءاللہ حسب دلخواہ شاندار نتائج مرتب ہونگے ہمیں یقین کامل ہے کہ کتاب مذکورہ کے مضامین جو بالاقساط فی الحال رسالہ اسلامک ریویو میں شائع ہو رہے ہیں اور جسکا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع ہو رہا ہے اہل مغرب و دیگر متلاشیان مذہب حقہ کو قائل کر دینگے کہ اسلام ہی دنیا میں ایک سچا مذہب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کتاب مذکورہ کی یورپ میں کثرت سے مفت اشاعت ہو۔

اپنے نتائج تبلیغ میں دو بے نظیر کتابیں

جن شاندار نتائج نے مصنف کو تمدن اسلام کے لکھنے پر مائل کیا یعنی

ینابیع المسیحیت و نبوۃ کا ظہور اتم

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی مسلم مشن ووکنگ

یہ وہ دو کتابیں ہیں جنہیں سے اگر اول الذکر کتاب نے عیسائی مذہب کا کامل انہدام کیا تو دوسری کتاب نے مغربی قلوب میں اس انہدام کے بعد تعمیر اسلام شروع کی۔ اگر ینابیع المسیحیت نے یہ ثابت کر دیا کہ مروجہ عیسائیت کا ایک بھی ایسا عقیدہ نہیں مثلاً ابنیت، الوہیت و کفارہ مسیح اُن کی ایک بھی ایسی رقم نہیں

مثلاً عشائے ربانی دیگر اجزائے سکرامنٹ ایسا ہی انکا ایک ایک تہوار مثلاً کرسمس - ایسٹر
گڈ فرائڈے وغیرہ جو سب کے سب مسیح سے صدیوں پہلے مروجہ مذہب کفریات میں ہو بہو موجود تھے
حتیٰ کہ جناب مسیح کے بیس ایک نام جو کلیسیا نے تجویز کیے ہوئے ہیں اور ایسا ہی وہ کلمات جو انجیل نویسوں نے جناب
مسیح کیطرف منسوب کیے ہیں وہ سب کے سب قبل از مسیح کنواری اور دیوتاؤں کے نام تھے - اور وہ الفاظ بھی
اُن ہی کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں - گویا مروجہ عیسائیت مذہب کفریات کا ایک کامل چربہ ہی - یہ بدیہہ ہو کہ
یہ واقعات جن کو مستند طریق پر ثابت کیا گیا ہی - اور جو آج سات برس تک لاجواب ہے ہیں - وہ عیسائیوں کو
اپنے مذہب سے بیزار کرنیکے لیے کافی تھے - چنانچہ مغرب میں یہ امر شروع ہو گیا - اس انہدامی کتاب کے بعد فاضل مصنف
نے ضروری سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمدؐ عربی کو پیش کیا جائے - چنانچہ آپنے انگریزی میں ایک کتاب
آئیڈیل پرافٹ لکھی جسنے آنحضرت صلعم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت دلکش پیرایہ میں پیش کیا ہم
کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی ان دو کتابوں نے جو نتائج پیدا کیے وہ شاید ہی کسی اور کتاب سے مرتب ہوئے ہوں گے
دو ہزار سے اوپر نفوس ان کتابوں کو پڑھکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے - در اصل ان ہی دو کتابوں نے مصنف کو
تعلیم قرآن پر ایک لکھنے کیلئے مجبور کیا جو اب تمدن اسلام کی شکل میں پیش ہوتی ہی - یہ تینوں کتابیں
اس قابل ہیں کہ کوئی مسلم گھر اُن سے خالی نہو - انکے مطالب خود بخود اپنی علو شان ظاہر کرتے ہیں لیکن کتابیں
اپنی زبان کے لحاظ سے بھی انگریزی و اردو کا ایک بہترین لٹریچر ہے - پھر پیرایہ بیان کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ کتاب
شروع کر کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا - یہ اشتہاری لفاظی نہیں - اسکا ثبوت اسی کتاب تمدن اسلام
سے مل سکتا ہی - لکھائی چھپائی تقطیع کاغذ حجم سب کے سب صحافت کا ایک بہترین نمونہ ہیں - پھر ان سب باتوں
کے باوجود ان کتابوں اشاعت عامہ کی خاطر قیمت میں بہت رعایت کی گئی ہو جو حسب ذیل ہے :-

ینابیع المسیحیت	نبوت کا ظہور اتم	تمدن اسلام حصہ اول
عہ	۱۲/	عہ حصہ دوم علہ ایضاً

ذیل کے پتہ سے یہ سب کتابیں مل سکتی ہیں

مسلم بک سوسائٹی - عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

بابت ماہ فروری ۱۹۳۱ء

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے سالانہ

قیمت پانچ روپیہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

ہتمام ... خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۳۱ء

عزیز منزل

برانڈرتھ روڈ لاہور

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام امام شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان)

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
توحید فی الاسلام۔ بلا جلد عہ مجلد	۵عہ	ام الالسنہ معروف بہ زندہ و کامل زبان بلا جلد ۱۲	عہ
سک مروارید معرکۃ الارا دس لیکچروں کا مجموعہ بلا جلد عہ	۲عہ	براہین نیرہ بلا جلد ۱۲ مجلد	۲عہ
ینابیع المسیحیت بلا جلد عہ مجلد	۲عہ	پیام اسلام	۸
ضرورت الہام بلا جلد ۱۲ مجلد	۱عہ	مقصد مذہب	۴
راز حیات یا انجیل عمل بلا جلد عہ مجلد	۱۰عہ	خطبات غربیہ بلا جلد ۱۲ مجلد	۸عہ
مکالمات ملیہ بلا جلد ۱۲ مجلد	۲عہ	سیر افکار یا روحانیت فی الاسلام بلا جلد ۱۲ مجلد	۱عہ
مطالعہ اسلام بلا جلد ۱۲ مجلد	عہ	ہستی باری تعالیٰ بلا جلد	۶
اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۱۴ مجلد	۲عہ	یسوع کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت (انگریزی)	۴
لمعات انوار محمدیہ بلا جلد ۶ مجلد	۱۰	اسلام اور علوم جدیدہ	۴
مذہب محبت	۷	صلائے نصرت باہل ہمت۔	۴
ذرات عالم کا مذہب	۸	حیات بعد الموت	۳
اسوۂ حسنہ معروف بہ زندہ و کامل نبی بلا جلد	۷	جہد للبقاء	۴

دیگر مصنفین

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
جمع قرآن	۱۲	سیرت نبوی قیمت صرف	۴
قرآن شریف مترجم شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی مجلد	للعہ	لندن میں جلسۂ مولد النبی صلعم	۲
دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ بلا جلد	۷	قرآن اور جنگ۔ قیمت صرف	۳
اسلامی نماز کا فلسفہ قیمت صرف	۳	پادری صاحبان کے لیئے حل طلب معمہ	۱۰
تفسیر سورۂ فاتحہ قیمت	۲	سیرت خیر البشر عہ مجلد عہ مقام حدیث بلا جلد عہ	مجلد عہ
اسلام یعنی ہمدردی بنی نوع کا مذہب۔	۴	تصاویر نو مسلمان یورپ فی درجن ۱ تین درجن مجلد	[illegible]
اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراض صرف	۱	تصاویر نماز عیدین مسجد ووکنگ قیمت فی درجن	۱۰

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ | بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۱ء مطابق ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۹ھ | نمبر ۲

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۱ء نمبر ۲

شذرات

ادارۂ تبلیغ ووکنگ میں ایک قیمتی اضافہ — ۲۶ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کو مولوی آفتاب الدین احمد صاحب بی۔اے رئیس بردوان۔ مبلغ اسلام ہوکر ووکنگ کو روانہ ہوئے۔ نہایت احترام کے ساتھ ریلوے سٹیشن لاہور پر انکی مشائیعت کیگئی۔ آپ ۳۱ جنوری کے جہاز (ملوجا) میں بمبئی سے مع الخیر انگلستان روانہ ہوگئے۔ بی۔اے کی تعلیم کے بعد تین چار سال آپنے عربی اور دینیات کی تحصیل میں صرف کئے۔ کسی سرکاری ملازمت کی بجائے آپنے آسام میں جاکر شیلانگ اسلام مشن کھولا۔ ہم مسلمان چاروں طرف اپنے فرائض سے غافل ہیں۔ آسام میں ایک کافی تعداد عیسائیوں کی پیدا ہوگئی ہے۔ انہیں کا زیادہ حصہ وہی اچھوت ہیں۔ جو ہندو مذہب سے تنگ آکر اپنی نجات کسی ایسی جماعت میں دیکھتے ہیں جہاں مساوات کا رنگ ہو۔ یہ تمیزی نشان تو اسلام کا شعار ہے۔ اگرچہ جناب مسیح نے بھی امیر غریب کی تمیز اڑائی لیکن یہودیوں سے باہر کے لوگ انھیں دائرہ انسانی میں بھی نظر نہ آتے تھے۔ یہ تو اسلام کی برکت ہے۔ جس نے مساوات انسانی کی روح۔ اولاد آدم میں پیدا کی۔ اسلام کی اس خوبی کی نقل اول عیسائیوں نے کی۔ اور آج برادرانِ وطن کر رہے ہیں۔ لیکن مساوات کے جس بلند مقام پر اسلام انسان کو لیگیا ہے وہ عیسائیت کو نصیب ہے اور نہ ہندو مذہب کو ایک مدت تک نصیب ہے۔ تعلیم مساوات کی ہی برکت تھی کہ مشرقی بنگال میں آج ہر طرف مسلمان نظر آتے ہیں۔ اگر گذشتہ دو صدیوں سے مسلمان تشکار غفلت نہ ہوجاتے۔ تو آسام کا ایک کثیر حصہ بھی آج مسلمان ہوتا۔ ان واقعات نے ہمارے مبلغ کے دل میں ایک ایسے مشن کی ضرورت محسوس کرائی۔ آسام مشن شیلانگ میں قائم ہوگیا۔ وہ اب بھی موجود ہے۔ لیکن شیلانگ کے مقابل مغرب میں آپ کی خدمات کی زیادہ ضرورت تھی۔ گو شیلانگ ایک طرح آپ کا وطن ہی تھا لیکن جذبہ اسلام آپ کو وطن سے سات ہزار میل پر لیجا رہا ہے۔ خدا آپکے اس ارادہ کو ہمارے لئے بابرکت کرے۔ حالات تو اس قسم کے خوشگوار مستقبل کو سامنے لارہے ہیں کہ اگر نصف درجن اور مشنری وہاں چلے جائیں تو تھوڑے ہیں لیکن سوال تو اخراجات کا ہے۔ اگر مسلم زکوٰۃ کی تقسیم میں اشاعت اسلام کو مقدم رکھا جائے۔ اور نشائے قرآن بھی یہی ہے تو یہ دقت آسانی سے حل ہوسکتی ہے +

اخراج از جماعت

مسیحی نظام دینیات میں بعض اصول ایسے بھی ہیں جو مشکل ہی سے کسی مسلمان کی سمجھ میں آسکتے ہیں پادری ای اے میری ویدر نے حال ہی میں اسکی ایک مثال بھی مہیا کر دی ہے۔ موصوف نے ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اتوار کے دن دو آدمیوں اور ایک عورت کو تین سال کے لئے خارج از جماعت عیسوی قرار دیکر گرجہ میں آنے سے روک دیا۔ بشپ آف ڈرہم نے اس تحدید کو مہمل قرار دیا ہے کیونکہ کلیسائے انگلستان میں صرف بشپ ہی کسی شخص کو خارج از جماعت قرار دے سکتا ہے لیکن ہمیں معاملہ کے اس پہلو سے چنداں سروکار بھی نہیں۔ بہرکیف اخراج نامہ کے الفاظ میں یہ فقرہ بھی مندرج ہے کہ جملہ مسیحی نفوس اور کلیسائیں خارج کردہ اشخاص کے ساتھ کفار اور بیدینوں کا سا سلوک کریں۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ اصول جو پادریوں کے ہاتھ میں اس قدر طاقت دیتا ہے۔ بذاتہٖ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ پادریوں کو اختیار حاصل ہے۔ کہ جس شخص کے متعلق مناسب سمجھیں اسے مسیح کی قائم کردہ کلیسا سے خارج کردیں (دیکھو متی ۱۸ ۱۹ وغیرہ) اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ شخص گرجہ کی عبادتوں اور رسموں میں شرکت نہیں کرسکتا۔

خارج از جماعت کرنے کی وبا، یہودیوں کی بدولت مسیحی کلیسیا میں رائج ہوئی۔ اور اس رسم کا ماخذ غالباً یہ ہوگا۔ کہ ابتدائی زمانہ میں کسی شخص کو جرائم سے باز رکھنے کی صرف یہی ایک صورت ہوگی۔ کہ اسے خارج از جماعت کرنے کی دھمکی دی جائے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس بیسویں صدی میں ان دقیانوسی باتوں کو مذہب سے کیا علاقہ ہے؟ کلیسیا نے یہ اختیارات اس زمانہ میں حاصل کئے اور استعمال بھی کئے جبکہ لوگ اسے جنت اور دوزخ کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ اور اسی کی بنا پر زمانہ وسطےٰ میں محکمہ احتساب بھی قائم کیا گیا لیکن موجودہ زمانہ میں یہ نظام مذہبی خدا تعالیٰ کا ایک نہایت محدود تصور پیش کرتا ہے سوال یہ ہے۔ کہ انسان کلیسیا کا محتاج ہی کیوں ہو؟ کیا وہ کسی دوسری جگہ خدا کی عبادت نہیں کرسکتا؟ کیا خدا کسی خاص گرجہ یا فرقہ میں محدود ہے؟ کیا کسی مندر یا مسجد یا گرجہ میں جانا اشد ضروری ہے۔ خدا تو

ہر جگہ موجود ہے لیکن اس رسم کے معنے تو یہ ہیں۔کہ گرجہ میں جانا نجات حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے۔
لیکن وہ زمانہ جبکہ لوگ اخراج از جماعت کی دھمکی میں آجایا کرتے تھے، اب گزر چکا ہے +

ہمیں کوئی تعجب نہیں۔ اگر بشپ صاحب نے بجائے اس رسم کو مذموم قرار دینے کے، صرف پادری صاحب کو تنبیہ کرنی مناسب سمجھی، سبب یہ ہے۔کہ اُن کے ماتحت نے اُن کے حقوق و اختیارات میں مداخلت بیجا کا ارتکاب کیا ہے، ہاں تعجب ہے تو اس بات پر کہ بیسویں صدی میں بھی پادریوں کی رعیت ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہیں +

بشپ صاحب نے اپنے خط شائع شدہ ڈیلی میل ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء میں تحریر فرمایا ہے:۔
"جناب من! میں نے معلوم کیا ہے۔کہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو آپ نے اپنے حلقہ اثر میں تین اشخاص کو خارج از جماعت کر دیا ہے۔آپ کا یہ طرزِ عمل کلیسیائی نظام کے منافی ہے۔لہٰذا میں بحیثیت آپکے افسرِ اعلےٰ کے آپ کو ہدایت کرتا ہوں۔کہ ۱۹۔ اکتوبر کو آپ گرجہ میں اعلان کریں۔کہ وہ حکم منسوخ سمجھا جائے۔اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔کہ آپکے اس حکم کی کوئی حقیقت نہیں ہے +

آپ کا وفادار

ہربرٹ ڈنلم

اس کے بالمقابل اسلام کی سادہ اور عمدہ تعلیم پر نظر ڈالئے جسمیں بتایا گیا ہے۔کہ اسلام میں پادریوں کی طرح کوئی جماعت نہیں ہے۔اور نہ اسلام کسی انسان کو مافوق العادت اختیارات کا مستحق قرار دیتا ہے علاوہ بریں اسلام میں صرف مندر و گرجہ یا مسجد ہی خدا کی عبادتگاہ نہیں ہے۔بلکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ہے۔"کہ مجھے بہت سی باتوں میں انبیائے ماسبق پر امتیاز دیا گیا ہے منجملہ اسکے یہ ہے۔کہ مجھے ذاتی شوکت و سطوت عطا کی گئی ہے۔اور کل روئے زمین کو میرے لئے پاک کر دیا گیا ہے یعنی ساری زمین عبادتگاہ کا کام دے سکتی ہے۔میں کل جہان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اور مجھے وہ کتاب دیگئی ہے جو ساری کتابوں پر حاوی ہے"+

ہم ان امور کی تفصیل نہیں کرتے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ کہ ان میں سے ہر ایک بات ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ انبیائے ماسبق کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں ۔ ایک وہ دُنیاوی وجاہت اور شوکت سے عاری تھے ۔ دوسرے وہ جن کو سطوتِ شاہانہ حاصل تھی حضرت مسیح پہلی جماعت میں ہیں ۔ اور حضرت داؤد سلیمان اور موسیٰ دوسری میں ۔ لیکن اگرچہ حضرت موسیٰ کو یہود کو مصریوں کی غلامی سے رہائی دلانے میں کامیابی حاصل ہوگئی ۔ تاہم ان کی قوم نے ان کی زندگی ہی میں ان کی اطاعت سے منہ موڑ لیا حضرت سلیمان ایک طاقتور بادشاہت کے وارث ہوئے ۔ لیکن ان کا دربار بتوں سے معمور تھا حضرت مسیح کے متعلق تو جس قدر خاموشی اختیار کی جائے اسی قدر بہتر ہے ۔ ان کے برخلاف آنحضرت صلعم نے ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زندگی شروع کی ۔ آپ کے پاس کوئی سازوسامان نہ تھا لیکن آپ نے آخر میں اپنے آپ کو ایک کامیاب انسان ثابت کر دکھایا سورۂ انفال میں مرقوم ہے ۔ " اے رسول ہم نے تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے " اکثر ایسا ہوا ہے ۔ کہ وہ لوگ جو آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آئے وہ مسلمان ہوکر واپس گئے ۔ باوجود اس رعب و داب کے جو لوگوں میں قائم تھا آپ ہمیشہ سب سے صاف طور پر کہدیا کرتے تھے کہ میں ایک معمولی انسان ہوں ۔ اور ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھی کھجوریں پکا کر کھایا کرتی تھی ۔

تمام مذاہب میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جسمیں کسی پرستش یا عبادت کے لئے کسی قسم کی چاردیواری اور قربانگاہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ خارج از جماعت کرنے اور اسی قسم کی دوسری رسموں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ خدا چاردیواری میں محدود ہے ۔ یہود اپنے معبد سے باہر نکلکر نہ خدا کی عبادت کرسکتے ہیں ۔ نہ کوئی نذر نیاز چڑھا سکتے ہیں ۔ نصاریٰ اگرچہ کی چاردیواری کے باہر نکلکر اپنے خدا کی عبادت نہیں کرسکتے ۔ اور نہ گرجہ سے باہر روٹی اور شراب یسوع کے گوشت اور خون میں تبدیل نہیں ہوسکتی ہے ۔ اسی طرح ہنود کو بھی عبادت کے لئے ایک خاص مکان کی ضرورت ہے ۔ لیکن قرآن فرماتا ہے " تم جس طرف چاہو اپنا منہ کرو ۔ خدا کو اسی طرف پاؤ گے " آپ خدا کو ہر جگہ پاسکتے ہیں ۔ پہاڑوں جنگلوں دریاؤں خشکی اور مسجد ...... جہاں آپ ہوں خدا بھی وہیں موجود ہے ۔ پس ایک مسلمان جس جگہ چاہے نماز ادا کرسکتا ہے ۔ اور جن لوگوں نے اسلامی ممالک کا سفر کیا ہے ۔ ان کو یہ دیکھ کر ضرور تعجب ہُوا ہوگا کہ مسلمان ہر جگہ خدا کی موجودگی کا احساس رکھتا ہے ۔

آنحضرتؐ کا یہ دعویٰ کہ میں تمام دنیا کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں آپ کی زندگی ہی میں پایہ ثبوت کو پہنچ گیا تھا۔ آپ کے متبعین میں ایرانی بھی تھے اہل عرب بھی رومی بھی حبشی بھی اور ہندوستانی بھی دنیا میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے بہت سے انبیا کے نام بھی فراموش ہو چکے ہیں۔ اور نہ ان کی تعلیمات کا کچھ پتہ ہے۔ اور جن انبیاء کے نام بھی محفوظ ہیں۔ ان کے متعلق بھی ایک بات یقینی ہے کہ ان کے متبعین کی تعداد چند صد نفوس سے آگے نہیں بڑھی۔ باستثنائے حضرت موسیٰ کسی نبی کے متبعین کی تعداد سو سے آگے نہیں بڑھی۔ حضرت یسوع با وجود صد ہا معجزات دکھانے کے اور یہ معجزات اگر دکھائے تو ہزاروں سادہ دل ان کے مننے رہے ہونگے۔ لیکن ایک درجن سے زیادہ شاگرد نہ بنا سکے بالمقابل آنحضرتؐ نے صرف تیس سال کی قلیل مدت میں اپنی وفات سے پہلے میدان منا میں ایک لاکھ مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور ان میں ہر ایک اسلام کا شیدائی تھا +

رہی وہ کتاب جو آپؐ نے دنیا کو دی وہ تو بجائے خود ایک خاص نوعیت رکھتی ہے۔ تورات محض اقوام کی تاریخ اور چند احکامات کا مجموعہ ہے۔ توحید باری اور چند شرائع کے علاوہ وہ ان تمام امور سے عاری ہے جن پر حضرت مسیح کے نمود دیا ہے مثلاً حلم اور بردباری۔ زبور محض دعاؤں اور نظموں کی کتاب ہے امثال سلیمان صرف مواعیظ کا مجموعہ ہیں۔ اناجیل حضرت یسوع کی زندگی اور سوانح کا ایک ناقص بیان کہی جاسکتی ہیں۔ اسکے علاوہ ان میں بھی کچھ اعلیٰ اخلاقی تعلیمات جن سے یہودیت عاری تھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے بالمقابل آنحضرتؐ نے جو کتاب دنیا کو دی۔ وہ بیک وقت تورات بھی ہے زبور بھی ہے یہ کتاب تاریخ اقوام بھی ہے مجموعہ نصائح و تعلیمات اخلاقی بھی ہے۔ اسمیں اصول نہی بھی مندرج ہیں۔ اسمیں عبادات کا طریق بھی بتایا گیا ہے۔ اور اسمیں خاندان اور حکومت سے متعلق امور کا تذکرہ بھی ہے +

تمباکو نوشی

اگرچہ اسلام ان چیزوں کو جو بعض لوگوں کی تفریح کا باعث ہوتی ہیں۔ ناجائز قرار نہیں دیتا لیکن بعض عادات بیشک ایسی ہیں مثلاً حقہ پینا یا تاش کھیلنا جن کو بعض اسلامی علمائے نے بنظر حقارت دیکھا ہے اسلامی نظام زندگی میں ان چیزوں کی بالکل جگہ نہیں جو بیکار ہیں۔ اور حقہ نوشی یقیناً ایک بیکار چیز ہے سورہ مومنون میں ابتدائی آیات میں مومنوں کے جو خصائص بیان کئے گئے ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۔ کہ وہ لغومات سے پرہیز کرتے ہیں +

اس رائے کے علاوہ، زندگی کا ایک اہم شعبہ ابھی تک ایسا ہی جس کی طرف یورپ نے توجہ نہیں کی یعنی روحانیت میں لغویات سے پرہیز کرنا، مسلمانوں کے نزدیک روحانی ترقی کیلئے اشد ضروری ہے۔ تمام لغو اشیاء اور وہ اشیاء جن سے بدبو صادر ہوتی ہی روحانیت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے اسلامی علماء نے حقہ سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے پاک ارواح ان لوگوں کے پاس نہیں آتیں۔ جو ان عادتوں میں گرفتار رہتے ہیں +

طبی زاویہ نگاہ ڈاکٹر **ایف ڈبلیو الگزینڈر** میڈیکل آفیسر لندن کے خیالات جو **میڈیکل سرکلر** میں شائع ہوئے بہت دلچسپی کا باعث ہیں۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں۔ کہ

"اگرچہ حقہ کا دھواں اکثر اصحاب کو سکون دماغی عطا کرتا ہی لیکن عموماً لوگ اندھیرے میں سگرٹ نوشی کو پسند نہیں کرتے۔ اور تمباکو کا بکثرت استعمال کرنا کمی اشتہا، سوء ہضمی، معدہ اور امعاء کی بیماریوں، حلق اور حنجرہ کی تکالیف، کھانسی، سوزش و آشوب چشم کا باعث ہوتا ہے۔ اگر خطرہ کی علامات ظاہر ہوں تو تمباکو سے پرہیز کرنا ضروری ہی۔ تمباکو نوشی کی کثرت نظام عصبی کو کمزور کردیتی ہی۔ خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ اور اکثر خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں +

سگرٹ پینے میں **نکوٹین** سب سے کم نکلتا ہی لیکن پائپ کے استعمال سے ستر اسی فیصدی نکوٹین پائپ کے کے استعمال سے پینے والے کے منہ تک پہنچتا ہے لیکن سگرٹوں میں ایک مضر کیمیاوی مادہ شامل ہوتا ہی اور سگار میں یہ بات نہیں" +

"سگار، پائپ، سگرٹ وغیرہ سب میں **امونیا** ہوتا ہی۔ اور یہ **گیس** ایلڈی ہائیڈ کیلئے تریاق کا حکم رکھتی ہے سستے درجہ کا سگرٹوں میں بہت کم امونیا ہوتی ہی۔ اور اکثر اوقات سگرٹ نوش اس کے مضر نتائج سی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اگر بیس سی زیادہ سگرٹ روزانہ پیئے جائیں تو **کاربن مانک سائڈ** کا زہریلا اثر جسم میں اثر کرنے لگتا ہی۔ تمباکو کا دھواں جراثیم کو مار ڈالتا ہے۔ کیونکہ اسمیں **پیراڈین** شامل ہوتی ہی۔ اور یہ جیز قاتل جراثیم ہے لندن میں جو زبردست وبا طاعون پھیلی تھی۔ اسکے دوران میں لوگ مریضوں کی عیادت کے وقت سگرٹ پیتے تھے۔ تاکہ جراثیم سی محفوظ رہیں۔ اور جو لوگ مردوں کو دفن کرنے جاتے تھے۔ وہ بھی سگرٹ استعمال کرتے تھے۔ تجربہ سی معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ تمباکو نوش تھے۔ وہ اس وبا سی حیرت انگیز طور سے بچے رہے +

"اس وجہ سے تمباکو کا استعمال ترقی پکڑ گیا۔ چونکہ اس میں گناہ کی کوئی بات نہ تھی! اسلئے بچوں کو بھی سگرٹ پینا سکھایا گیا۔ طاعون کی اس مشہور وبا سے پہلے سگرٹ صرف اونچے طبقے کے لوگوں میں استعمال ہوتا تھا۔
سترھویں صدی میں تمباکو کا استعمال گرجوں تک میں بجائے بخور کے کیا جانے لگا۔ کیونکہ لوگ سمجھتے تھے اس کے دھوئیں سے ہوا صاف ہو جاتی ہے"۔

تمباکو سے ہیضہ کے جراثیم مر جاتے ہیں۔ جب ہمبرگ میں ہیضہ نمودار ہوا تو سگار فیکٹری میں کوئی موت ہیضہ سے واقع نہیں ہوئی۔ اور اندازہ لگایا گیا تھا کہ پانچ ہزار مزدوروں میں سے صرف ۸ آدمی اس مرض میں مبتلا ہوئے اور ان میں سے صرف چار آدمیوں کی موت واقع ہوئی۔ تمباکو کے دھوئیں سے نمونیا کے جراثیم بھی مر جاتے ہیں"۔

تسبیح حمد استغفار

حسب وعدہ حضرت خواجہ صاحب نے معارف قرآنی پر قلم اٹھائی۔ خدا تعالیٰ انھیں صحت میں رکھے اور یہ کام ان کے ہاتھ سے انجام پائے۔ خواجہ صاحب کی تحریر میں اس عملی زندگی کا نقشہ ہوتا ہے جس کے لئے اسلام کل مذاہب میں ممتاز رہے۔ عنوان بالا پر جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اگر اسے صرف ضیافت طبع نہ سمجھا جائے تو یہ مضمون تمدن و اخلاق پر ایک اعلےٰ سبق ہے۔ یوں تو اس رنگ میں بھی خواجہ صاحب جو لکھتے ہیں وہ علمی دسترخوان کی زیب و زینت ہی ہوتا ہے۔ لیکن جس عملی پہلو پر آپ نے اس مضمون پر زور دیا ہے۔ قارئین کرام کی توجہ اس طرف مبذول چاہئے اگر سبق آموزی ہمارا نصب العین ہو تو میرے نزدیک یہ ایک مضمون سو خطبوں کا ایک وعظ ہے۔
خدا تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

یہ مضمون صفحہ ۷۶ - ۷۷ پر دیا گیا ہے۔

قرآنی تخیل مذہب

اسلام سے پہلے دُنیا نے مذہب اور خُدا کا تخیل کچھ اس قسم کا بنا رکھا تھا۔ کہ اگر اس سے تعلیم جدید فیض یافتہ بیزار ہو جاتے۔ تو کوئی تعجب خیز امر نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ دراصل نہ کوئی خدا ہے۔ نہ کسی پرستش کی ہمیں ضرورت ہے۔ محض ہماری امید و بیم نے ہمیں ایک موہوم ہستی کے آگے جھکا رکھا ہے اس کا باعث یہ ہے۔ کہ بعض اسباب نا معلوم ہماری کوششوں کو کبھی بیسُود کر دیتے ہیں کبھی بلا ہاتھ ہلائے ہم اپنے ماحول سے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ ہم ان اُمور کو کسی موہوم غیر مشہود ہستی کے غضب یا خوشی کی طرف منسوب کر کے اسے اپنا معبود ٹھیرا لیتے ہیں۔ اور دفع مضرت و جلب منفعت کے لئے اسکے سامنے دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ غیر متبدّل اور مستمرہ قوانین فطریہ کے ماتحت ہو رہا ہے۔ ان قوانین سے ہماری نا واقفیت اور ہماری عدم اطاعت واقعات پیدا کر دیتی ہے لیکن ہم غلطی سے انہیں کسی معبود کی طرف منسوب کر کے اسکے پرستار بن جاتے ہیں۔ اچھا ہوتا۔ کہ ہم اُن قوانین کی تلاش کرتے اور ان پر چلتے۔ تو اس مفروضہ خدا پرستی سے بچ جاتے۔

عجیب بات ہے۔ کہ قرآن نے جو نظریہ مذہب پیش کیا ہے۔ اسی منشا کو مذکورہ بالا دہریت ایک اور رنگ میں پیش کرتی ہے۔ کتاب حمید نے بار بار کہا ہے۔ کہ اس عجیب الغیب ہستی کو جس کا نام قرآن کریم نے اللہ رکھا ہے۔ نہ تو انسان کی عبادت یا اسکی تحمید و تسبیح کی ضرورت ہے۔[۱] نہ کسی ذاتی تعزز کیلئے وہ دوسروں کو اپنے سامنے سجدہ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسکی اطاعت یا عبادت سے مُراد تو اسکے قوانین کی اطاعت ہے۔[۲] اسکے قوانین کی اطاعت کا نام ہی قرآن نے مذہب رکھا ہے۔[۳] اگر اسی کائنات کا کوئی خالق اور حاکم ہے اور اسکی مشیت نے یہی پسند کیا ہے کہ وہ اس کائنات کو مقررہ قوانین کے ماتحت رکھے۔ اور اس دُنیا میں جو چیز بھی فلاح و کامیابی کا منہ[۴] دیکھے۔ وہ کسی نہ کسی قانون کی اطاعت میں دیکھے۔ تو پھر اس کے قوانین کی اطاعت تو زندگی کے لوازمات میں سے ہو جائیگی۔ آج علوم جدیدہ نے نہ صرف خُدا کی ہستی کو ہی قبول کر لیا ہے بلکہ اس نے ایسے خدا کو مان لیا۔ جو ایک طرح بلا تشبیہ قانون مجسم ہے سائنس کی تحقیق آہستہ آہستہ انھیں مراحل سے گذر کر ہستی باریتعالےٰ

---

[۱] لقمان ۳۱/۱۲ [۲] ہود ۱۱/۱۱۲ الشوریٰ ۴۲/۱۵ [۳] مائدہ ۵/۳ [۴] بقرہ ۲/۲

کی قائل ہوئی جنہیں قرآن نے اس ہستی برتر کے ثبوت میں بطور دلائل پیش کیا۔ آج سے سو برس پہلے مغربی اہل علم دہریت کیطرف جارہے تھے لیکن قانون کے وجود نے دہریت کی اس بڑھتی ہوئی رو کو آ روکا ان لوگوں نے دنیا کی ہر ایک چیز کو قانون کے ماتحت پایا۔ حتٰے کہ پیدائش عالم کا ابتدائی سے ابتدائی مواد بھی قانون کی حکومت تلے نظر آیا۔ چنانچہ اس حقیقت سے آشنا ہو کر انھوں نے مادہ کا نام لاسٹبنس رکھا! اور یہ لوگ تو قانون کو ہی خدا مان بیٹھے۔ جیسے کہ آجکل کے دہرے قانون کو اپنا متبوع قرار دیتے ہیں لیکن محققین کو کائنات میں بیشمار ایسے قانون نظر آئے۔ جو ایکدوسرے کے ہالکل مخالف تھے۔ جو اس اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی کسی مقصد واحد کے پورا کرنے کیلئے ایکدوسرے کے معاون و متحد ہی نظر آئے۔ ان حقائق پر حکمائے کائنات کا ایک مذہب تجویز کرنے پر مجبور ہو گئے جس کا نام انھوں نے مذہب وحدت (مونزم) رکھا۔ یہ لوگ تو اس مرحلہ پر ہی ٹھیر جاتے لیکن ان کی تحقیق انھیں مونزم سے آگے لے گئی۔ انھیں نظر آگیا۔ کہ یہ قوانین کسی **ارادہ بالغ** کے پورا کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ بالمقابل کوئی چیز ایکدم میں پیدا ہوتی نظر نہ آئی۔ بلکہ ذرات عالم تو مقررہ راہوں پر چل کر اور مختلف شکلیں بدل کر آخر کار کچھ کا کچھ بن جاتے ہیں۔ اور یہ ذرات جو شکل بھی اختیار کریں۔ وہ پہلے سے ہی ارادہ کردہ ہوتی ہیں! اور یہ ارادہ اپنے ظہور بالغ سے کئی ہزار ہا یا لاکھ برس پہلے سے تجویز پیش آجاتا ہے۔ گویا ان ذرات کے حکمران کے ہاتھ میں کام کرنیوالے ایجنٹ موجود ہیں۔ جو اس کے اشارہ پر آخر کار چیزوں کی ارادہ کردہ شکل کو ظہور میں لے آتے ہیں۔ انھیں قرآن نے ملائکہ کہا ہے[۱] اس حقیقت کو دیکھ کر حکما کو نظریہ ارتقا (تھیوری آف ایولیوشن) اور نظریہ ارادہ بالغہ (ڈیزاین تھیوری) پر ایمان لانا پڑا۔ یعنی ہر ایک چیز میں بلوغت تک پہنچنے کی استعداد پہلے سے ہوتی ہے۔ اور وہ کسی نہ کسی مقصد کیلئے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ امور پیدا نہیں ہو سکتے۔ جب تک اشیاء عالم پر کسی کی حکومت نہ ہو۔ یعنے وہ ہستی اپنی حکومت سے اشیاء کو جس طرح چاہے استعمال کر سکے۔ پھر اس کے متعلق اسے بلیغ علم بھی حاصل ہو۔ اور پھر جو کام وہ کرے حکمت و عقلمندی سے کرے۔ الغرض اہل سائنس کو کائنات میں سات حقائق نظر آئے (۱) قوانین (۲) وحدت (۳) ارتقاء اشیاء (۴) ارادہ (۵) حکومت بر اشیاء (۶) علم بالغ (۷) حکمت۔ ان سات حقائق پر غور کرنے کے بعد وہ کون انسان ہے جو ایک ہستی برتر و حکیم کا

---

[۱] سورہ یٰسین ۳۶ ۸۳ +

قائل نہ ہو۔ چنانچہ ان سات حقائق نے دہریت کا خاتمہ کیا۔ اور لوگ ہستی باریتعالیٰ کے قائل ہو گئے۔

یہ علمی باتیں قرآن سے پہلے تو کسی الہامی کتاب میں نظر نہیں آتیں۔ وہاں تو ہر ایک بات کو تحکمانہ طریق پر منوایا گیا۔ یا کہیں کہیں معجزات کا ذکر آ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ لازماً دہریت تھی لیکن قرآن حکیم نے نہ صرف اور کئی دلائل ہستی باریتعالیٰ کے ثبوت میں دیئے بلکہ انہیں سات حقائق کی طرف کھلے طور سے اشارہ کیا۔ سب سے پہلے دینِ الٰہی کا نام اسلام یعنے پیروی قوانین الٰہیہ تجویز کر کے یہ ظاہر کیا۔ کہ جب کائنات کی ہر ایک چیز قانون مقررہ پر چلتی ہے۔ تو انسان کس طرح اطاعت قوانین سے باہر ہو سکتا ہے۔ اس پر چلنا تو اسکی فطرت ہے بالمقابل جو قانون کو چھوڑیگا۔ وہ نقصان اٹھائیگا۔ پھر فرمایا۔ کہ یہ سب کے سب قوانین ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو کائنات میں فساد پیدا ہو جاتا۔ اس کے بعد چیزوں کا پیدا کنندہ کا نام رب تجویز کیا یعنی وہ ہستی جو چیزوں کے خواص تجویز کر کے ان میں وہ خواص رکھ دیتی ہے۔ پھر ان چیزوں کو مختلف منازل سے گذار کر آہستہ آہستہ انھیں اس مقام بلوغت پر پہنچا دیتی ہے جہاں ان میں کے ودیعت کردہ خواص ظاہر ہو جاتے ہیں۔ گو لغت عرب نے لفظ رب کے یہی معنی تجویز کئے ہیں۔ اور یہ معانی اس نظریہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کا نام آج تھیوری آف ایولیوشن رکھا گیا ہے لیکن قرآن نے کئی مقام پر اس قانون ارتقا کا ذکر کر کے ہستی باریتعالیٰ کو ماننے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ سورہ (طٰہٰ ۴۹ و ۵۰) میں فرمایا۔ کہ تمہارا رب وہ رب ہے۔ جو ہر ایک چیز کی شکل اس کا مواد مقدار قوانین پہلے سے تجویز کر کے پھر اسے ایک راستہ پر چلا دیتا ہے جس سے وہ بلوغت کو پہنچ جاتی ہے پھر سورہ بقرہ میں کس خوبصورتی سے ان امور علمیہ کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ سب سے اول آیت ۱۶۳ میں انسان کو کہا کہ تیرا معبود وہ ہے۔ جو واحد ہے۔ اور رحمان ہے یعنے تیری ضرورت کے لئے پہلے ہی سے چیزیں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ تو مقررہ راہوں پر چل کر فائدہ اٹھائے اور رحیمیت کے فیض کے نیچے آ جائے۔ پھر آیت ۱۶۴ میں نظام لیل و نہار کی طرف اشارہ فرما کر بیان کیا کہ دن رات کے اختلاف کو دیکھو جس سے مختلف مقامات پر سورج کی تمازت میں کمی بیشی ہوتے ہی اس سے گرم اور سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ ان سے بادل پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ مینہ بن کر زمین سے طرح طرح کے نباتات اگاتے ہیں۔ دوسری طرف بھی ہوا میں سمندر

سورہ مائدہ ۵/۳ سورہ آل عمران ۳/۸۲ ۳۰/۳۰ ۴۳/۸۴ سورہ فاتحہ آیت (۱)

میں کشتیوں کو چلاتی ہیں۔ اور دونوں کی غرض یہ ہے کہ انسان کو بحر و بر سے فائدہ ہو۔ اگر انسان بھی ہاتھ پاؤں ہلائے۔ تو ان فیوضات سے متمتع ہو کر بے بہا خزائن کا مالک ہو جائے۔ اب دیکھنے کو تو دن رات کا اختلاف ایک معمولی مشاہدہ ہے لیکن آیت مذکور میں جن جن مناظر کا ذکر ہے۔ وہ تو بیشمار قوانین مختلفہ کی اتباع میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو مختلف مقامات پر ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد رنگوں میں کام کر کے غرض واحد کیلئے متحد ہو جاتے ہیں۔ گویا اس آیت نے ان تین مذہبی نظریوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جسے مذہب وحدت نظریۂ ارتقا اور نظریۂ ارادہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) میں اشیاء عالم پر خدا کی حکومت ظاہر کی گئی ہے۔ اس کے علم بلیغ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ان امور کے طے کرتے ہیں کبھی تھکتا نہیں۔ اسی طرح سے سورہ جمعہ کی ابتدائی آیات میں زمین و آسمان پر خدا کی حکومت اس کی حکمت اور علم کا ذکر کیا گیا ہے۔ الغرض بیسیوں قرآن کی آیات ہیں جنمیں خدا کی ہستی کے ثبوت کے لئے ان امور کو بالتشریح بیان کیا گیا ہے +

اس امر سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم انسانی کلام نہیں۔ بلکہ اسکے نزول کی ضرورت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ اگر علمی دُنیا اس قسم کے خالق قوانین کے وجود کو تسلیم کر چکی ہے جسکے ہاں اطاعت قانون ہی کی عزت ہے۔ اور قانون سے منہ پھیرنا ذلت پانا ہے۔ تو پھر اس کی شریعت اور اسکے قوانین کی اطاعت سے کس طرح انکار ہو سکتا ہے۔ کتاب حمید نے اس قانون دہندہ کی حمد و پرستش میں گیت گانے یا بعض مقدس الفاظ دھرانے کا نام مذہب نہیں رکھا۔ یہ تو مقدمات مذہب ہیں۔ اصل مذہب تو اسکے قوانین کی اطاعت کا نام ہے۔ جس کا مجموعہ قرآن کریم ہے۔ ان اغراض کیلئے قرآن کریم نے اس ہستی بالا کے اوصاف گنے ہیں جنھیں اسماء الٰہیہ کہتے ہیں۔ یہ اسماء در اصل اسکی مختلف راہوں کے نام ہیں باقی اس کا ذاتی نام اللہ ہے۔ ان سب ناموں میں سے جو نام خصوصاً قابل ذکر ہے۔ وہ رب ہے جس کے قوانین کی اطاعت کا نام مذہب ہے۔ چنانچہ جناب نوح سے لیکر جس قدر انبیاء کا ذکر قرآن کریم نے کیا۔ ان سب کا ایک ہی وعظ تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ تم اللہ اور رب کی پرستش کرو۔ اس سے یہ تو مراد نہ تھی۔ کہ ہم اللہ اور رب کے مجسمے بنا کر اسکے آگے جھکیں۔ ان کے وعظ کا مقصد تو یہ ہے کہ ہم ان قوانین کی عزت کریں۔ جو اللہ اور رب نے ہمارے طریق عمل کیلئے تجویز فرمائے ہیں۔

۱ؔ جاثیہ ۱۵/۸ ۲ؔ سورہ ہود آیت ۱۱۲ ۳ؔ سورۂ انعام آیت ۱۰۲ ۴ؔ سورہ عرف آیت ۵۸ تا ۵۴ - ۶۱ - ۶۳ - ۶۵ - ۶۷ - ۶۸ - ۷۳ - ۸۵ا - ۳ - ۹۳ سورۂ ہود آیت ۳ - ۲۶ و ۵۰ و ۵۱ و ۶۳ و ۸۴ و ۱۱۲ سورۂ یونس آیت ۹، ۳۱ و ۳۲، ۵۷ سورہ یوسف ۱۰۸ سورہ نحل آیت ۳۶

یہاں میں نے چند آیات دی ہیں جنمیں سب کے ذریعہ پیغمبر کئے گئے ہیں۔ انکی یہی تعلیم تھی۔ اسکے علاوہ جس جگہ قرآن کو دیکھیے اس کتاب نے اللہ اور رب کی اطاعت کی راہ ق لوگوں کو بلایا ہے۔

انھیں راہوں پہ چلنے کا نام قرآن نے عبادت رکھا ہے ۔ بلکہ ایک جگہ یہ فرمادیا ۔ کہ انسان عبادت کیلئے[1] ہی پیدا ہؤا ہے ۔ دوسری طرف قرآن نے کافر انھیں کہا ۔ جو خود ان راہوں پہ نہ چلیں ۔ اور نہ دوسروں کو چلنے دیں[2] ۔ گویا اللہ اور رب کی راہوں پر چلنا قرآن کے نزدیک ایمان ہے اور ان سے منحرف ہونا کفر و الحاد کہلاتا ہے ۔ اب اگر اللہ سر چشمہ قوانین ہے ۔ اور رب وہ مقدس ہستی ہے جس نے ہماری ربوبیت کے قوانین بنائے ہیں ۔ تو پھر علمی دنیا کا کون انسان ہو گا ۔ خواہ وہ لا مذہب ہی کہلانا پسند کرے جو مذہب مذکورہ بالا کا پرستار نہ ہو تو انین ربوبیت سے مراد قوانین کل و شیر ہیں ۔ کھانا پینا یا مناکحت[3] تو از قسم حیوانیت ہے ۔ یہ تو صرف بقائے زندگی کیلئے ہے ۔ تاکہ انسان کے اندر وہ باتیں پیدا ہوں ۔ جن کے مجموعہ کا نام انسانیت ہے ۔ ہاں متمدن دنیا ان ہی امور ثلاثہ میں منہمک نظر آتی ہے ۔ یہ تو لہو و لعب ہیں[4] لیکن اس دنیا کو اس پر ناز ہے ۔ آخر انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے اگر غرض زندگی یہ تین امور ہیں +

اس مجمل حقیقت کے متعلق کتاب حکیم نے ان لوگوں کو جو اللہ اور رب کے قوانین پر تو مجبوراً چلتے ہیں لیکن مذہب کے نام تک سے گھبراتے ہیں مختلف انداز پر مخاطب کیا ہے ۔ قرآن نے صحیفہ قدرت کے مناظر مختلفہ کو سامنے رکھ کر یہ کہا ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ نے یہ چیزیں محض کھیل کے طور پر تو نہیں بنائیں ۔ اس نے زمین و آسمان کو کسی غرض حقہ[5] کیلئے بنایا ۔ دن اور رات پیدا کئے ۔ زمین و آسمان کی ہر ایک چیز کو ایک نہ[6] ایک راہ پر چلایا ۔ تو جس غرض حقہ کیلئے یہ چیزیں بنائی گئیں ۔ کیوں اس دنیا کے حکمران یعنے انسان کو واقف نہ کیا جائے ۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ انسان خود بخود ان اغراض سے واقف ہو گیا ۔ امور مہمہ میں انسان نے جو سیکھا وہ الہام کے طفیل سیکھا مثلاً قرآن نے ہی سب سے اول انسان کو زمین و آسمان اور ان کے اندر کی مخلوقات کی خدمات سے مطلع کیا ۔ ان حالات میں انسان کس طرح ہدایت ربی کے بغیر رہ سکتا ہے +

---

[1] سورہ ذاریات ——— آیت ۵۶ ۔

[2] سورۂ محمد آیت نمبر ۱

[3] سورہ محمد ۴۷ آیت ۱۲ ۔

[4] سورہ محمد آیت ۳۶ ۔

[5] سورہ دخان آیت ۳۸ ـ ۳۹ ۔

[6] ابراہیم ۱۰ ـ ۱۱ +

اسی طرح قرآن نے بار بار ان ارتقائی منازل کا ذکر کیا۔ جن کے ماتحت ذرات عالم نے پیدا ہو کر انسان تک نشو و نما پایا مثلاً کس طرح سب سے اوّل چھ زمین[۵۱] اور چھ آسمان بنے۔ پھر زمین کے استحکام کے لئے اس پر پہاڑ بنائے گئے[۵۲]۔ اس کے بعد آسمان سے پانی اترا۔ جس کے ذریعہ زمین میں سے طرح طرح کی روئیدگیاں پیدا ہوئیں۔ پھر انہی چیزوں نے مختلف ہیولے بدلکر آخرکار نطفہ انسانی کی شکل اختیار کی۔ جس نے رحم مادر میں جگہ پکڑ کر اور سات ارتقائی[۵۳] منازل طے کئے۔ الغرض ان لکھوکھا برس کی لمبی ارتقائی منازل کے بعد انسان زمین پر آیا۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ نشائے عالم کا یہ سلسلہ جس کی آخری کڑی اس دُنیا کا انسان ہے۔ برابر اب تک[۵۴] جاری ہے۔ اور آخرکار پھر انسان کے فائدہ کیلئے زمین و آسمان میں بیشمار چیزیں پیدا کیں مثلاً سُورج۔ چاند۔ ستارے[۵۵] سمندر، اور پھر سمندری دنیا اوران سب کو انسان کے ماتحت کیا۔ اور اُنکی تسخیر کے[۵۶] رستے انسان کو سکھلائے۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ دُنیا میں کوئی نعمت ایسی نہیں۔ جسکے مُتعلق کوئی اندازہ یا[۵۷] حساب مُقدر نہ ہو تو کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ انسان کو ایک اشتر بے مہار[۵۸] کی طرح بغیر کسی قانون اور اندازہ کے چھوڑ دے۔ اس حقیقت کو کیسے معنی خیز اور مختصر ذیل کے الفاظ میں قرآن نے ذکر۔ "کیا انسان یہ خیال کرتا ہے۔ کہ اسے اس طرح چھوڑ دیا جائیگا۔ کہ وہ بلا ارادہ جدھر چاہے چلا جائے۔ کیا وہ ایک چھوٹے سے قطرہ منی سے نہیں بنا۔ پھر وہ گوشت کا لوتھڑا تھا جسے تکمیل تک پہنچایا گیا۔ پھر اسمیں سے مرد و عورت پیدا کئے۔ کیا وہی خدا اسے موت کے بعد زندہ نہیں کر سکتے[۵۸]

پھر ایک جگہ فرمایا۔ "اُنھیں ایک امر عظیم کے متعلق عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ کیا ہم نے زمین کو نہیں پھیلا دیا۔ اور اسمیں پہاڑوں کی میخیں قائم نہیں کیں۔ اُنھیں جوڑے نہیں بنایا۔ پھر آرام کے لئے نیند نہیں بنائی۔ اور اگر رات نے اُن کو آ ڈھانپا۔ تو دن بھی ہم نے بنایا جسمیں یہ اپنی معاش کا فکر کریں۔ پھر تمہارے سر پر سات مضبوط چیزیں بنائیں۔ انہیں روشن چراغ رکھے پھر بارش والے بادل آئے۔ ان سے پانی اُترا۔ اس سے اناج اور سبزیاں نکلیں۔ اور بڑے بڑے باغیچے پیدا ہوئے۔ یاد رکھیں کہ فیصلہ کا دن بھی قریب ہے[۵۹]۔"

---

۵۱ سورہ الحجر آیت ۱۹ - ۲۳ ۵۲ ۴۱ — ۳۱ ۵۳ مومنین — ۱۲ — ۱۳

۵۴ سورہ نحل رکوع ۲ - سورہ جاثیہ ۱۲ — ۱۳ ۵۵ سورہ نحل آیت ۱۵ ۵۶ سورہ رحمان آیت ۱ — ۶

۵۷ سورہ رحمان آیت ۷ — ۸ ۵۸ سورہ قیامہ آیت ۳۶ تا ۴۰ ۵۹ سورہ انبیا آیت ۵ تا ۱۷

اسی طرح ہماری خوراک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ انسان اپنی خوراک کی طرف غور کرے ہم ہی کثرت سے پانی لاتے۔ اور ہم نے ہی زمین کو پھاڑا۔ اور اس میں سے اناج نکالے انگور اور تر۔ بتون اور کھجور و گھنے پھل پھول۔ یہ سب کچھ تمہارے لئے اور تمہارے جوانوں کے لئے رکھا ہے[۱]۔ اسی طرح کئی ایک مقامات پر طرح طرح کے میوہ[۵۲] جات اور دیگر نباتات کا اور پھر بحری خزائن[۵۳] کا ذکر کیا۔ ایسا ہی اُن حیوانات کی طرف اشارہ کیا جن میں سے بعض پر ہم چڑھتے ہیں۔ اور بعض کو خوراک بناتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز میں ایک قسم کا نظام ابلغ ہے مثلاً جہاں خوراک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہاں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ ہم آسمان سے بھی بعض چیزیں بقدر معلوم اُتارتے ہیں۔ اُن میں سے پانی بھی ہے۔ اسے زمین پر لاتے ہیں۔ اور دوسری طرف زمین کو پھاڑ دیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جو کچھ پیدا ہوتا ہے، آسمانی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس پانی کا آنا بیکار ہوتا۔ اگر زمین میں پانی کو جذب کرنے کی طاقت نہ ہوتی۔ سورۂ عبسہ میں اسی طرف اشارہ کیا۔ جیسے کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس نے پھٹ کر پانی پیا۔ جس سے طرح طرح کے میوہ جات اور اناج پیدا ہوئے۔ پھر بادلوں کے اس پانی کے متعلق ایک اور مقام پر اختلاف لیل و نہار کا ذکر کیا۔ جس کے ماتحت ہوائیں چلتی تھیں۔ اور وہی بادلوں کو لا جمع کرتی ہیں۔ جن سے بارشیں پیدا ہوتی ہیں۔ الغرض اگر ایک طرف ہم ان نعمتوں کو گننا چاہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے پیدا کیں۔ تو وہ ہمارے شمار میں نہیں آسکتیں۔ دوسری طرف قدم قدم پر ایک نظام۔ ایک تدبیر۔ ایک اندازہ۔ پھر طرح طرح کے قوانین نظر آتے ہیں۔ تو پھر کیا یہ سب کھیل ہی کھیل ہے؟ پھر قرآن نے ان نعماء کا ذکر کیا۔ جو صرف انسان کے لئے پیدا ہوئے ہیں مثلاً پھل۔ پھول طرح طرح کے میوہ جات۔ اناج۔ بحری خزائن۔ پھر زمین پر حیوانات کا پھیلا دینا جنھیں سے بعض پر ہم چڑھتے ہیں۔ اور بعض کو خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور پھر ان سب سے بڑھ کر اختلاف لیل و نہار جو کائنات کی مشینری کے ایک بھاری حصہ کے چلانے کا ذمہ وار ہے۔ جسکے ماتحت ہوائیں چلکر بارشوں کو لے آتی ہیں۔ اور اگر ہم ان نعمتوں کا اندازہ لگانا چاہیں۔ تو ہم اُنھیں گن نہیں سکتے +

---

[۵۱] عبس آیت ۲۴ تا ۳۲ [۵۲] سورۃ النبا۔ آیت ۵ تا ۱۷ [۵۳] عبس۔ ۲۴-۳۲

اگر ہم کسی ذی حیثیت کے گھر میں کسی خاص قسم کی تیاری دیکھیں۔ کہ مالک مکان طرح طرح کی چیزیں جمع کر رہا ہے، تو فوراً ہم اس نتیجہ پر آجاتے ہیں۔ کہ اُن کے مکان میں کسی عظیم الشان مہمان نے آنا ہے۔ یہ پھر کائنات کی یہ تیاریاں اور ان میں اس قدر نعماء کا جمع کر دینا جو ہماری گنتی میں بھی نہیں آسکتیں[51]۔ یہ کس لئے ہے کیا اس زمانہ کا کوئی فیلسوف بتا سکتا ہے۔ کہ یہ کُل کی کل تیاریاں انسان کے سوا کسی اور مخلوق کیلئے ہوئیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ انسان کے سوا کوئی اور مخلوق انھیں استعمال نہیں کرتی۔ جیسا کہ قرآن نے کہا۔ تو کیا یہ سب کا سب اسلئے ہوا۔ کہ جب کُل کائنات کا خلاصہ آخر کار انسان کی شکل میں پیدا ہو۔ تو اور حیوانوں کی طرح[52] اپنی مختلف خواہشات نفسانی کو پورا کرکے چند دن کے بعد نسیاً منسیا ہو جائے۔ اور یہ کہ جو کچھ ہوا۔ گویا حوادثات دہر میں سے تھا۔ یہ بات بھی ہم مان لیتے۔ اگر سائنس نے اس کائنات کو کسی حکیم اور دانشمند کے ہاتھ میں نہ دیکھا ہوتا۔ ان امور سے تو یہ طبعاً خیال آتا ہے +

خدا کی نگاہ میں انسان کس قدر محترم و مکرم[53] ہے۔ جس کیلئے یہ سب کچھ پیدا ہوا۔ یہ چیزیں۔ تو اس مکروہ مخلوق کیلئے پیدا نہیں ہو سکتیں۔ جس نے اپنی موجودہ بدعنوانیوں سے دوسری مخلوقات خداوندی کو تباہ کر رکھا ہے۔ جس طرح آج تمدنِ انسان کر رہا ہے +

ان امور کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے خدا تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا۔ کہ ہمارا مستقبل کس قدر شاندار ہے اور یہ دنیا چند دن کی زندگی کا نام[54] ہے۔ اسلئے ہمیں عقبیٰ کیلئے تیار ہونا چاہیئے ہم پر یہ بھی ظاہر کیا۔ کہ ہم میں لاتعداد استعدادیں رکھ دی گئی ہیں۔ جن میں سے بعض تو یہاں نشو ونما پاتی ہیں۔ اور بعض حیات مابعد میں روشن[55] ہونگی۔ ان مخفی قواء کا بعض انسانوں میں یہاں بھی ظاہر ہو جانا کہتا ہے۔ کہ انہوں نے آخر کار ظاہر ہونا ہے۔ اگر حیات مابعد نہ ہو تو کیا یہ سارے کا سارا کھیل جو لاکھا برس سے چل رہا ہے صرف اسلئے تھا۔ کہ انسان دنیا میں آئے اور چند دن کھیلا جائے۔ اور اسکی بیشمار استعدادیں بلا ظہور ضائع ہو جائیں۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ حیات مابعد ہے جس کی تیاری کیلئے ہم یہاں آئے ہیں +

یہ بدیہہ بات ہے۔ کہ کُل مواد عالم نے شکل انسان میں آکر جسمانی ترقی کو تکمیل تک پہنچا دیا لیکن اس موقع پر آکر انسان میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے جس کا نام قرآن نے خلق جدید[56] رکھا ہے۔ اور عام اصطلاح میں اس کا نام شعور و ادراک ہے۔ اس میں طرح طرح کی استعدادیں موجود ہیں۔ یہ بھی نفسیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں جوں جوں مادی خواہشات کم ہوتی جاتی ہیں۔ اسکی ذہنی اور شعوری قوتیں روشن ہوتی جاتی ہیں۔ جیسے صاف نظر آتا ہے۔ کہ جسمانیات کے ختم ہونے پر

---

۵۱ سورہ ابراہیم - ۳۴ . . . . ۵۲ سورہ جاثیہ - ۲۵ ۵۳ ولقد کرمنا بنی آدم

۵۴ سورہ التین ۵۵ سورہ والطارق ۵۶ سورہ مومنین +

شعوری قوا علی وجہ الکمال ظاہر ہونگے۔ اگر ارتقا کی منازل مختلفہ کو دیکھا جائے۔ تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ ترقی کن جوہر
جس منزل ارتقا میں داخل ہوتا ہے۔ اسمیں کچھ چیزیں تو منزل ماقبل کی ہوتی ہیں لیکن عالم موجودہ میں اسمیں ایک
نئی چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آگے چل کر قریب منزل مابعد میں عالم ماقبل والی چیز تو کمزور ہوتی جاتی ہے۔ اور نئی پیدا شدہ
چیز روز افزوں ترقی کرتی ہے۔ حتٰے کہ کسی آئیندہ عالم میں جا کر ابتدائی عالم کی کل کی کل لوازمات مفقود ہو جاتی ہیں
اور نئی پیدا شدہ بات ہی اس جوہر ترقی کن کے ممتاز خواص ہو جاتی ہے۔ میں مثال کے طور پر عالم جمادات
سے شروع ہوتا ہوں۔ جمادی اشیاء میں کوئی تنظیم نہیں ہوتی۔ یہ پھیلتی اور بڑھتی ہے لیکن اپنے مقام سے
نہیں ہلتی۔ اس عالم کے بعد عالم نباتات میں ایک قسم کی صعودی حرکت یا نمو پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک نئی
چیز ہے۔ اگر جسمانی طور سے جمادات اور نبادات کا مقابلہ کیا جائے۔ تو مقابلتہً نباتات میں جسمانی حصہ
کم ہوتا ہے۔ اور اسکی جگہ صعودی حرکت آ پیدا ہوتی ہے۔ اسکے بعد جب حیوانات بنتا ہے۔ تو اس مخلوق میں ہر قسم کی حرکت پیدا
ہو جاتی ہے۔ حتٰے کہ ان میں سے بعض میں طاقت پرواز بھی آ جاتی ہے لیکن عالم حیوانات کے اندر بھی عالم نباتات
کی چیزوں کے مقابل جسماً کمزور ہو جاتی ہیں عالم حیوانات میں ایک نئی چیز متمیز طور سے پیدا ہو جاتی ہے۔ جسے ہم
شعور کہتے ہیں۔ یہی شعور انسانوں میں آ کر بالقوہ اس کیفیت کا ہو جاتا ہے۔ کہ جس کی حد و بست نہیں ہو سکتی۔
الغرض یہ نظارۂ ارتقا امور ذیل کو ثابت کرتا ہے۔

اوّل اشیاء میں شروع سے ہی استعدادیں ہوتی ہیں۔ جو بتدریج منازل مختلفہ میں ظاہر ہوتی ہیں

دوئم یہ استعدادیں آخر کار ظاہر ہو کر رہتی ہیں گو انکی شکل بدل نہ جائے۔ اس ظہور کا نام بلوغت اشیاء ہوتا ہے۔

سوئم یہ استعدادوں کا کامل ظہور مختلف آئیندہ عالموں کو چاہتا ہے۔ کسی چیز کی کل کی کل استعدادیں ایک
ہی عالم میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ مثلاً درختوں میں چلنے پھرنے کی تو استعداد تھی۔ ان میں مختلف قسم کے
احساس بھی تھے۔ بلکہ شعور بھی تھا لیکن ان استعدادوں کے ظہور کیلئے ضرور تھا۔ کہ نباتات کے مرکبہ اجزا جسماً
تو کمزور ہوں لیکن انکی ودیعت شدہ استعدادیں عالم حیوانات میں اور پھر انسانی شکل میں آ ظاہر ہوں۔
اگر یہ بالقوہ استعدادیں ہونے پر بھی تبدیلیٔ عالم کو چاہتی ہیں۔ تو پھر ہم میں صدہا استعدادیں ہیں۔ جو ابھی تک
ظاہر نہیں ہوتیں۔ وہ بالضرور کسی عالم آئیندہ کو چاہتی ہیں۔ یہ تو ایک علمی زمانہ ہے۔ اور مذکورہ بالا نظریہ
تسلیم ہو چکے ہیں لیکن ہمارے زمانہ نے تو آج ان باتوں کا امکان بھی ثابت کر دیا۔ جو ہم بعض انبیاء کے
متعلق سنتے چلے آئے ہیں۔ مثلاً غیب کی چیزوں کو دیکھ لینا۔ ایک ہی جگہ بیٹھ کر دوسری جگہ پہنچ جاتا

اور وہاں کی سیر کر آتا نیبی آوازوں کو سُن لیتا۔ اگر یہ چیزیں بعض انبیاء کو دکھیئں۔ اور آج باطنیات کے مشتاق ان چیزوں کو ایک حد تک حاصل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو یہ بات کا ثبوت ہے۔ کہ ہر انسان میں یہ استعدادیں موجود ہیں۔ یہ ان استعدادوں کا صرف ان لوگوں میں ظاہر ہوتا۔ جو جسمانیات میں بہی کم حصہ لیتے ہیں۔ اور ان قواء کا ایسے وقت میں ظاہر ہونا جب جسمی قواء سو جاتے ہیں۔ جیسے محاورہ میں تعطل حواس کہتے ہیں۔ یہ امور اس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ ان استعدادوں کا ظہور اس وقت ہوگا۔ جب ہم پر یہ جسمانی لباس نہ رہیگا۔ بلکہ یہ ان استعدادوں کا کامل ظہور کسی اور جسم کو چاہتا ہے۔ اسلام نے اسے نوری جسم قرار دیا ہے واقعہ معراج کی یہی حقیقت تھی۔ خود آنحضرت صلعم کی اس سیر کی سواری کا نام بُراق ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ نے کسی برقی جسم میں یہ سیر کی۔ اب اگر عالم مابعد کا ہونا ایک حقیقت مثبتہ ہے۔ تو پھر ان ہدایات کی بھی ضرورت ہے۔ جن پر چلکر ہم عالم آیندہ کے لئے تیار ہونگے۔ قرآن کریم نے تو یہ دلائل حکیمانہ آیندہ زندگی کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ اور بہ تکرار ثابت کیا ہے۔ لیکن انسان ہی ہے۔ کہ ایکطرف تو یہ اعتراض کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ کہ کتاب حکیم نے کیوں تکرار کیا۔ اور دوسری طرف اس تکرار کے ہوتے ہوئے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ اور عقبےٰ کا فکر نہیں کرتا +

میں یہاں تین امور کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتا ہوں۔ اور یہ وہ باتیں ہیں۔ جن کو خود قرآن نے پیش کیا ہے۔ اول یہ کہ کیا خدا تعالیٰ نے سب کچھ کھیل کے طور پر بنایا ہے۔

۲۔ کیا یہ سب نظام کسی غرض حقہ کیلئے نہیں بنایا گیا۔

۳۔ کیا اس وقت ہم لہو و لعب میں نہیں پڑے ہوئے۔

اگر ہم آج سی سو برس کے پہلے کے فلسفہ کے ماتحت ہوتے جس نے یہ تسلیم کیا تھا کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ وہ اتفاقیہ حادثات کا نتیجہ ہے۔ تو ہمیں کسی ربانی ہدایت کی ضرورت نہ تھی۔ ہم تو آج علمی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ ایک حکمت کے ماتحت ارادہ سے ہو رہا ہے پھر اس زمین اور اس کے متعلقات کے اندر بے شعور اور بے ادراک دنیا تو مقررہ کاموں میں لگی ہوئی نظر آتی ہے اور ان میں سے ہر ایک ہدایت کردہ راہ پر چل کر وہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقاصد کو پورا کرے۔ لیکن ان سب پر حکمران عبس جب ایک باشعور اور صاحب ادراک وارادہ انسان کی شکل میں پیدا ہو۔ تو اس کا نصب العین صرف کھیل و کود ہو۔ اور وہ خلیع الرسن ہو کر ہوا و ہوس کے پیچھے لگا رہے۔

آج متمدن و مہذب دنیا کو دیکھ لیا جائے۔ اکل و شرب و مناکحت کے علاوہ جو حیوانیت نے فطور و رثہ ہمیں دی ہیں۔ باقی جو چیز ہم میں ہے۔ وہ لہو و لعب ہے۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ گالف۔ سنیما۔ تھیٹر۔ رقص و سرود تعیشات وغیرہ۔ ہاں ان کا بھی ایک وقت ہے۔ لیکن تہذیب حاضرہ نے تو اپنی زندگی کا نصب العین انھیں قرار دے رکھا ہے۔ اور غضب تو یہ ہے۔ کہ اگر ہم میں سے بعض افراد علمی تحقیقات میں لگ گئے ہیں۔ تو اس تحقیق کے نتائج کو انھیں اغراض پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اول تو اقوام دیگرہ کو تباہ کیا جاوے۔ تاکہ ان کے مقبوضات کو غصب کر لیا جائے۔ پھر اپنے مکسوبات کو لہو و لعب کے نئے نئے سامان کے پیدا کرنے میں خرچ کر دیا جائے۔ مجھے تو موجودہ تمدن کی یہی بہو غرضیں نظر آتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہا ہے۔ کہ ہم بعض وقت حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حیوانات میں اول تو بیہودہ تعیشات کا مادہ ہی نہیں۔ پھر وہ ان راہوں کو بھی نہیں جانتے۔ اور نہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ جن سے وہ دوسری مخلوقات کو تباہ کر دیں +

یہ جو کچھ اس موجودہ نسل میں ہو رہا ہے۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں۔ ایرانیوں نے رومیوں نے ہندیوں نے ایام سابق میں مصریوں نے اور دیگر اقوام نے عیاشی کے یہ رنگ دیکھے۔ بعض باتوں میں سابقہ قومیں اپنے اقتدار و استبداد میں ان سے بھی بڑی ہوئی تھیں۔ پھر آج وہ کہاں ہیں۔ ان کا نام و نشان تک زمین پر پایا نہیں جاتا۔ ان کے لہو و لعب کے رستہ بھی ان کے ساتھ ختم ہو گئے۔ آجکل کی رقص و سرود سرا بخوری۔ اور تعیشات صنیفی کے اشغال کے مقابل یہی کے اہل روما کچھ کم نہ کرتے تھے۔ لیکن جہاں یہی والے شراب۔ عورت اور گانے بجانے کو لئے ہوئے جہنم واصل ہوئے۔ اسی دروازہ کو تہذیب حاضرہ کھٹکھٹا رہی ہے۔ کیا ان کا علم ان کو آئندہ زندگی کا پتہ نہیں دیتا۔ کیا کوئی بھی فعل انسانی ہے۔ جو بلا نتائج رہتا ہے۔ جب یہ صورت ہے۔ تو کیوں ان کو وہ وقت یاد نہیں آتا جب انکے اپنے اعمال بد۔ انکے اپنے سامنے آکھڑے ہونگے۔ کہنے کو تو کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ خدا کی کتاب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن قرآن نے اپنا نام ذکر (یاد) بھی تجویز کیا۔ اور انبیا کا نام نذیر (ڈرانے والا) رکھا ہے۔ اگر خدا کی کتاب بھولی ہوئی چیزوں کو یاد دلاتی ہے۔ تو نذیر انسانوں کو ان نتائج سے ڈراتا ہے۔ جن کی طرف ان کے اعمال انھیں لیجا رہے ہیں۔ قرآن آج بھی ان اغراض کیلئے ذکر اور نذیر ہے۔ آج بھی متمدن قومیں نہایت تیزی کے ساتھ اگر ترقی کی طرف جا رہی ہیں۔ تو وہی ترقی انھیں اس ہلاکت کی طرف بھی لیجا رہی ہے +

کیا آج تدبر اور ذکر کی ضرورت نہیں بعض کا خیال ہے۔ کہ ہم الہام کی امداد کے سوا بھی
کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اہلِ مغرب اس نتیجہ پر آ جائیں۔ تو حق بجانب ہیں وہاں تو مذہب
نے جس کا نام کلیسیت ہے۔ نہ صرف تعمیرِ تمدن میں امداد ہی نہیں دی۔ بلکہ انسانی ترقی کو ہی روک دیا۔
مغربی دماغ کلیسیت کے ماتحت ایک بنجر زمین بن گئی جس میں روئیدگی کے آثار اس وقت پیدا ہوئے
جب کلیسیت کے پنجہ سے نکل کر یہ دماغ خارجی بارش سے سیراب ہو گئے لیکن قرآن کریم کا بالمقابل
یہ دعوےٰ ہے۔ کہ الہام کے سواء انسان نے کوئی ترقی نہیں کی۔ تاریخ تمدن جدید کا مطالعہ بھی
قرآن کے حق میں ہی شہادت دیتا ہے۔ آج کا تمدن اور اس کے ماتحت مادی ترقی کی بنیاد
تین چیزوں پر ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ ان تین چیزوں کی طرف انسان کی توجہ نہ صرف
قرآن نے ہی دلائی۔ بلکہ اس کتاب کے متبعین اول نے قرآن کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور انہی تینوں
چیزوں کے متعلق صفحہ ہستی پر متمیز نقش قدم چھوڑے۔ جو مغربی اقوام کے آج ہادیٔ راہ بنے
وہ تین حسب ذیل ہیں:۔

الف۔ علم۔

ب۔ انسان کی تسخیر میں کائنات کا آنا۔

ج۔ اس تسخیر کے لئے مختلف علوم کا پیدا ہونا۔

پہلے دو امور تو چنداں تشریح کے محتاج نہیں۔ دنیا نے اسلام سے پہلے مختلف
تہذیبیں دیکھیں لیکن کسی تہذیب و ملت نے انسان کی توجہ حصولِ علم کی طرف نہ دلائی۔ نہ اسلام سے
پہلے علم کی مختلف شاخیں پیدا ہوئیں اسلام نے حصولِ علم کو نہ صرف ایک مسلم کا فریضہ ہی ٹھیرایا ہے
بلکہ قرآن کے پہلے الہام نے انسان کی جس عظیم الشان مکرمت کا ذکر کیا۔ اس مکرمت کو الہام
اول نے حصولِ علم سے وابستہ کیا۔ اور اس غرض کے لئے انسان کو نوشت و خواند کی طرف
متوجہ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ نشرِ علم کا موجب یہی نوشت و خواند ہے۔ اور اس کا کمال اسلام کا
ہی مرہونِ منت ہے تسخیرِ کائنات کا خیال قرآن نے ہی انسان کو دلایا۔ قرآن سے پہلے تو
اشیاء کائنات انسان کی معبود تھیں۔ قرآن نے ہی توجہ دلائی۔ کہ یہ چیزیں تمہاری معبود نہیں
بلکہ تمہاری غلام ہیں۔ اس حکمِ ربی کے ماتحت مسلمانوں نے ان راہوں کو دریافت کرنا شروع کیا۔

جن سے کائنات کی چیزیں انسان کی خدمت میں لگ جائیں۔ اور میں آگے چل کر دکھلاؤں گا
کہ اس امر میں قرآن جس مقام پر انسان کو پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ ابھی بہت دور ہے +

ان دو باتوں نے طبیعات۔ علوم کیمیاوی۔ ہندسیات اور خصوصاً علوم خواص الاشیاء
کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ اور یہ مسلّم امر ہے۔ کہ اسلام سے پہلے کل کی کل دنیا ان علوم سے قطعاً
ناآشنا تھی۔ اب ان سب علوم کی جان علوم ریاضی ہے۔ یہ علمی تحقیق میں آچکا ہے۔ کہ
کل چیزیں ایک قسم کے مواد سے بنتی ہیں۔ مثلاً حیوانات میں سؤر۔ کتا۔ مرغ۔ اور انسان
ان چاروں کے اجسام ایک ہی قسم کے اجزاء سے تیار ہوئے ہیں۔ جہاں یہی اجزاء مختلف
اندازوں مختلف موازنوں میں ترکیب پاکر مختلف جسمی ہیولے پیدا کرتے ہیں۔ اور یہی اختلاف
مقدار مختلف حیوانوں میں مختلف شعور پیدا کرتے ہیں۔ پھر یہی اور اک و شعور مختلف خلاق و ذہنیت
کے اختلاف کا موجب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں جن علوم مختلفہ کے حصول کی ضرورت ہے
وہ ان اندازوں کے علم پر منحصر ہے۔ جن میں مختلف چیزوں نے ترکیب پاکر مختلف
خواص ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن سے پہلے کسی کو علم نہ تھا۔ کہ دنیا کی ہر ایک چیز کی پیدائش
ایک ایک اندازہ سے وابستہ ہے۔ اور جو شخص بھی ان اندازوں سے واقف ہو جائیگا۔ وہ
کائنات کا حکمران ہوگا۔ الغرض یہ ایک بھاری انکشاف تھا۔ جس کا انسان محتاج تھا۔
قرآن نے جس طرح ان اندازوں پر زور دیا ہے۔ اور جن الفاظ میں تعلیم کی اسکی طرف تو
مسلمانوں کے بعد کئی سو برس تک دوسری قوموں کی توجہ نہیں ہوئی۔ اور اب اسلامی نقش قدم پر
چل کر مغرب نے بعض وہ علوم مرتب کئے۔ جن کی طفیل انسان مختلف قسم کی ہلاکتوں سے بچ گیا۔
مثلاً قرآن کریم نے یہ اولاً فرمایا۔ کہ افلاک مختلفہ میں چاند۔ سورج۔ سیارے ستارے کام کر رہے
ہیں۔ وہ سب کے سب حساب اور اندازوں کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ علم نجوم
والے اسبات کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ لیکن اسلام نے مسلمانوں کو پھر اس حقیقت کا انکشاف[۵۸]
تام کرکے مخصوص علم ہیئت کی تدوین کی طرف متوجہ کیا۔ پھر یہ فرمایا۔ کہ ہر ایک سیارے اور ستارے
سے مقرر اندازہ پر روشنی آکر زمین میں چلی جاتی ہے۔ اور زمین میں مختلف اشیاء کو پیدا کر دیتی ہے

[۵۸] سورہ رحمان

گویا مین کے حمل کا موجب یہ آسمانی چیزیں ہوتی ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں۔ کہ یہ حقیقت تو کھلے کھلے طور پر قرآن نے بیان فرمائی۔ لیکن اہل سائنس نے وہ کونسا علم دریافت کیا۔ کہ جس سے ہم ان آسمانی اجسام کے ان اندازوں سے واقف ہوں۔ کہ جن کے ماتحت یہ نور افشانی کرتے ہیں۔ تا کہ ان اندازوں پر چلکر ہم خود بھی مطلوبہ چیزیں پیدا کرلیں۔ حتیٰ کہ فرمایا۔ کہ جو بارش آسمان سے آتی ہے۔ وہ مقرر اندازوں پر آتی ہے۔ اور اس معاملہ میں بھی مجھے کوئی کتاب نظر نہیں آتی جس میں بارش کے ان اندازوں کا علم دیا گیا ہو۔ یہ تو قرآنی اشاروں سے ہم نے سمجھ لیا۔ کہ بادل کس طرح بنتے ہیں۔ لیکن ہمیں اب یہ دریافت کرنا باقی ہے۔ کہ کن کن اندازوں سے پانی نیچے آتا ہے۔ اور پھر کس طرح نباتات کا موجب ہو جاتا ہے۔ جب وقت ہم ان اندازوں سے واقف ہو جائینگے۔ اُس وقت ہم فصلات کو بڑھا سکینگے۔ کون نہیں جانتا کہ آج سے پچاس برس پہلے جہازوں کے جہاز تباہ ہو جاتے تھے۔ قرآن کی تعلیم سے مسلمانوں نے علوم جہازرانی کو مرتب کرنا شروع کیا۔ لیکن جہالت نے کچھ عرصہ کیلئے انکے ذخائر علوم کو محدود کردیا۔ آج فن جہازرانی میں اس قدر ترقی ہوگئی ہے۔ کہ سمندر کے انچ انچ کے متعلق دریافت ہو چکا ہے۔ کہ کس وقت کس جگہ پانی کی کیا رو ہوتی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر قرآن نے تعلیم دی تھی۔ کہ ہوائیں ہی جہاز کو چلاتی ہیں۔ آج دفاتر آب و ہوا کی رصد گاہوں نے ہواؤں کی رفتار کا ہمیں علم دیا۔ ہم اس امر کے دریافت کرنے کے قابل ہوگئے۔ کہ کہاں مختلف اطراف سے ہوائیں آن کر سمندر میں طوفان برپا کر دیتی ہیں۔ اور اُنھیں غرقابی سے بچانے کیلئے ہم اپنے جہازوں کو اس طرف جانے نہیں دیتے۔ الغرض قرآن کریم نے تو بار بار اسبات پر زور دیا ہے۔ کہ کائنات میں ذرہ ذرہ پر قوانین اور اندازے حکمرانی کر رہے ہیں۔ انہی اندازوں اور قوانین کو جمع کر کے ان سے نتائج نکالنے کا نام علوم مختلفہ ہے۔ ان اوراق میں کیثیت مجموعی میں ان باتوں کا جستہ جستہ ذکر کرونگا۔ جو قرآن کریم نے انسانی تمدن و تہذیب کے لئے تعلیم کی ہے۔ کتاب کے پڑھنے والے خود دیکھ لیں گے۔ کہ جن چند باتوں نے آج تمدن کو ترقی دی ہے۔ وہ تو ان امور کا مختصر سا حصہ ہے۔ جو قرآن نے تعلیم کیا۔ ایسا ہی مسلم اصحاب کو نظر آجائیگا۔ کہ کن امور نے انکے بزرگوں کو اس قابل کیا۔ کہ تاریخ عالم میں مُتمیّز و ممتاز ہوگئے اور جن باتوں کو چھوڑنے پر ہماری نسل تباہ ہوگئی۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ باتیں جو ترقی انسان کے لئے از بس ضروری ہیں۔ وہ ان کتابوں کے سوا کہیں اور نظر آتی ہیں جنہیں مختلف اقوام الہامی جانتے ہیں۔ ان کتابوں کو دنیا میں پیش کرنیوالے انبیاء کہلائے۔ ان کے حالات خود ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ان کا وجود دنیا کے لئے

کس قدر مبارک ثابت ہوا +

الف ۔ ان لوگوں کا ظہور اس وقت ہوا ۔ اور اس قوم میں ہوا ۔ جو ہلاکت کی طرف جا رہی تھی +

ب ۔ یہ لوگ اپنی قوم میں ادنےٰ حیثیت کے نہ تھے ۔ بلکہ معزز طبقے میں سمجھے ۔ نہ انھوں نے وعظ و پند کو ۔ وجاہت و معیشت کا ذریعہ بنایا +

ج) ان لوگوں نے اپنی محنت کا اجر کسی سے نہیں مانگا ۔ بلکہ جس دن یہ بزرگ اس کام پر مامور ہوئے انہوں نے اپنے کاروبار کو بھی چھوڑ دیا ۔

(د) آخر کار یہ لوگ اور اُن کے متبعین کامیاب ہو گئے ۔ ان کے نام آج تک بھی عزت سے لئے جاتے ہیں اور اُن کے مخالفین تباہ ہو گئے +

(ہ) ان لوگوں نے جو تعلیم کی وہ نیکی اور ہدایت کی تعلیم تھی ۔ اور پھر اپنی باتوں کو تحکم کے ساتھ نہیں منوایا بلکہ بدلائل تعلیم کی ان مذکورہ بالا پانچ باتوں کو زمانہ کی تاریخ ثابت کرتی ہے ۔ اب کیا یہ امور ثابت نہیں کرتے کہ انسان کو ان کی باتوں پر کان دھرنا چاہئے +

قرآن کریم نے سورۂ یٰسین کے شروع میں مثال کے طور پر چند مرسلین کا ذکر کیا ہے ۔ ان کا ظہور بھی ایسے وقت ہی ہوا ۔ اور انکی مخالفت پر قوم تباہ ہوئی اُنھوں نے پیغام ہدایت پہنچا دیا ۔ اور اسی پیغام کو ہی اس ثبوت میں پیش کیا ۔ کہ وہ خدا کی طرف سے تھے پھر قرآن نے مثال کے طور پر ایک ایسے شخص کا بھی ذکر کیا ہے جس نے انکے پیغام کو قبول کیا ۔ اور وہ عزت پا گیا اس نے صرف تین باتیں دیکھیں اوّل یہ کہ یہ معلم بلا اُجرت تعلیم دیتے ہیں +

دوئم ۔ ہدایت کا رستہ بتلاتے ہیں +

سوئم ۔ جب ہمارا خالق ہر ایک چیز کو کسی طریق پر چلا رہا ہے ۔ تو ہمارے لئے بھی اس رحمان نے کوئی راستہ مقرر کیا ہے ۔ اور اگر ہم اس کے راہوں سے الگ ہو گئے ۔ تو عذاب میں گرفتار ہونگے ۔ یہی باتیں قرآن نے بار بار بطور سبق پیش کی ہیں ۔ کسی معجزہ یا خوارق پر بطور ثبوت زور نہیں دیا بلکہ سب سے اول کہا ۔ کہ میری تعلیم کو عقل و دانشمندی کے معیار پر پرکھو ۔ پھر کہا ۔ کہ میں جو تعلیم کرتا ہوں ۔ اسمیں اپنا فائدہ دیکھ لو ۔ وہ جن راہوں سے تمہیں روکتا ہوں وہ تمہیں تباہی کی طرف لیجا رہی ہیں قرآن کریم کی انہی باتوں کو آج میں متمدن قوموں کے سامنے پیش کرتا ہوں ۔ وہ بھی قرآن کی تعلیم کو عقل سے ہی پرکھیں ۔ مذہب کے متعلق جس بات پر انہیں

اعتراض ہو۔ اسکے لئے دلائل عقلیہ قرآن سے طلب کریں۔ اور قرآن اس مطالبہ میں پورا نکلیگا۔ چنانچہ وہ دیکھیں کہ قرآن اُن کے نفع کی بات کہتا ہے۔ یا کوئی تحکمانہ امر منوا رہا ہے۔ وہ قرآنی تعلیم کو مذہبی رنگ میں نہ لیں انھیں تمدن و تہذیب کی ضروریات کی نگاہ سے دیکھیں مثلاً ذیل میں قرآن کی تعلیم اخلاقی میں سے صرف چند باتیں بیان کرتا ہوں میں مان لیتا ہوں۔ کہ ان میں کوئی نئی باتیں نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ باتیں اس وقت مدعیان تہذیب میں موجود ہیں یا نہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ علم دولت وفضیلت کے باوجود یہ قومیں حقیقی راحت سے کیوں محروم ہیں۔ اور کیوں انسانی تکلیف دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اس کا باعث صرف اخلاق کا فقدان ہی ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے:-

"کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ والدین سے احسان کرو۔ بچوں کو اسلئے نہ مارو۔ کہ اخراجات کہاں سے لائینگے۔ بدی کرنا چھوڑیں۔ بدی کے نزدیک تک بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ بدی پوشیدہ ہو یا ظاہرہ ہو۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ یتیم کے مال کے نزدیک تک نہ جاؤ۔ ہاں اسکی بلوغت تک اگر اسکی جائداد کا انتظام اچھی طرح کرسکو تو کرو۔ ماپ تول (اور دیگر معاملات میں) انصاف و ایمانداری سے کام لو۔ جو کرو۔ یا (بطور شہادت) کہو۔ انصاف کو سامنے رکھو۔ خواہ (تمہاری شہادت) تمہارے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جو معاہدات تم نے اللہ سے کئے ہیں۔ انکو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی راہوں کی اطاعت کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ضعیفی تک پہنچ جائے۔ تو اُن کے مقابل اُف تک نہ کرو۔ اور سختی سے پیش نہ آؤ۔ شیریں کلامی سے کام لو۔ اور ان کے ساتھ شفقت کرو۔ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو۔ مساکین مسافروں سے مروت کرو فضول خرچی نہ کرو۔ غربا سے خوش کلامی کرو۔ نہ تو کنجوسی کرو۔ اور نہ ہاتھ کو بالکل کھلا چھوڑ دو۔ جو اوروں سے معاہدات کرتے ہو انھیں پورا کرو۔ جس بات کا علم نہ ہو۔ اسکی پیروی نہ کرو یعنی نہ اس کی بنا پر کچھ منہ سے کلمہ نکالو۔ نہ کوئی کام کرو۔ یاد رکھو۔ تم اپنے کان آنکھ اور دل کے ذمہ دار ہو۔ فخر و مباہات نہ کیا کرو۔ اور نہ غرور سے چلا کرو۔ یہ باتیں ناپسندیدہ ہیں" +

یہ چند باتیں میں نے سورۂ انعام اور سورۂ بنی اسرائیل سے خاص طور پر لی ہیں میں دیکھتا ہوں۔ ان میں سے اکثر باتیں متمدن قوموں میں تھیں۔ خاص کر صلہ رحمی۔ مروت مودت کا نام تک نہیں والدین سے حسن سلوک تک نہیں۔ اس قسم کے قتل تو نہیں ہوتے۔ جیسے مشرق میں ہوتے ہیں لیکن اسی کی بدترین شکلیں مہذب قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ اس وقت مغربی قوموں میں مال دولت

کثرت سے موجود ہے لیکن غربت و فلاکت کی بھی انتہا نہیں ۔ اگر مذکورہ بالا مُروّت کے احکام کو عمل میں لایا جاتا ۔ تو مغرب کا بڑا بھاری حصہ موجُودہ مصائب سے بچ جاتا ۔ قرآن تو حکم دیتا ہے ۔ کہ زنا کے مبادی کو اختیار نہ کرو ۔ اور مغرب میں سیاہ کاری کی مبادی امُور کا ارتکاب تہذیب کا حصہ ہے ۔ یہاں حکم ہوتا ہے ۔ کہ ظاہرہ بدی چھوڑ پوشیدہ بدی کے نزدیک تک نہ جاؤ ۔ اور مُہذب سے مُہذب قومیں ان راہوں کی تلاش میں لگی رہتی ہیں ۔ کہ جن سے اُن کی درپردہ سیاہ کاریاں ظاہر نہ ہو سکیں ۔ گویا بدیوں کو پبلک کی نگاہ سے بچا لینا ہی ایک بڑی خوبی ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم زمانہ کی طرح اخراجات کے خوف سے بچّوں کو قتل نہیں کیا جاتا لیکن اسی خوف سے آیندہ پیدائش کو اس قدر روک لیا جاتا ہے ۔ کہ قدیم زمانہ کی بچہ کشی کی حقیقت اس کے سامنے کچھ نہیں تھی ۔ پر وہ ایک امر مذمُوم تھا ۔ اور آج یہ باتیں حلال وطیب سمجھی جاتی ہیں اول تو خانہ داری کی ذمہ واریوں سے بچنے کے لئے شادی ہی نہیں کی جاتی ۔ اور اگر شادی ہو بھی تو مرد و عورت اولاد کے روکنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں ۔ اور یہ باتیں آج تہذیب کا جُز سمجھی جاتی ہیں ۔ اہل مغرب کو تھوڑے ہی دن تک پتہ لگ جائیگا ۔ کہ یہ امُور تمدّن کی تباہی کو کتنی جلدی لا دینگے ۔ قرآن تو یہ کہتا ہے ۔ کہ جس بات کی تحقیق نہ ہو محض ظنیات پر کوئی کام نہ کرو ۔ آج ایک دُنیا ایکدوسرے کے خلاف مُنہ کھول لیتی ہے ۔ اور دُنیا کے امن میں فرق ڈالتی ہے ۔ اب سوال یہ ہے ۔ کہ مذہب اگر ان باتوں کیلئے آیا تھا ۔ تو پھر اس سے تہذیب کو امداد ہوتی ہے ۔ یا نقصان پہنچتا ہے ۔ لیکن دانایانِ مغرب سچے ہیں ۔ وہاں تو مذہب نے کفارہ کے لباس میں بدی کا دروازہ کھول دیا ہے ۔ وہاں تو مذہب ہی اخلاق کا تباہ کن ثابت ہُوا ہے ۔ بہرحال مغرب کا مذہب تو انسانی ساخت کا نتیجہ ہے ۔ اور یہ مسلم ہے ۔ کہ اگر ہم بعض احکام کو خدا کی طرف سے آیا ہُوا سمجھ لیں ۔ تو جس مستعدی کے ساتھ ہم چلتے ہیں ۔ اس کا عشر عشیر بھی ہم میں نہیں رہتا ۔ اگر وہی احکام کسی اخلاقی کتاب میں موجود ہیں ۔ اب جن باتوں کو میں نے اُوپر لکھا ہے ۔ ان کی پیروی اسلئے ایک مسلمان کرتے ہیں ۔ کہ وہ خدا کے حکم ہیں ۔ اگرچہ یہ احکام حقیقی تہذیب و تمدن کی جان ہیں ۔ لیکن چونکہ ان احکام

کو کسی ایسے مذہب نے مغربی متمدن قوموں کے سامنے پیش نہیں کیا نہ وہ خدا کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں اس لئے ان کی پیروی نہیں ہوتی۔ ان امور بالا کا ضروریات انسانی میں ہونا اور لا مذہبی کے باعث متمدن قوموں کا ان پر نہ چلنا۔ اس امر کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ مذہب و الہام کس قدر ضروری ہے +

گوشوارہ آمد و خرچ دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ لاہور بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء

تفصیل آمد	نمبر شمار	پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر شمار	پائی	آنہ	روپیہ
		رقم آمد ہندوستان و انگلستان					رقم خرچ ہندوستان و انگلستان		
آمد مشن و ریویو و کتب	۱	۰	۷	۶۱۲	خرچ مشن و ریویو و کتب در انگلستان و ہندوستان	۳	۰	۹	۲۳۶۳
آمد ریزرو فنڈ	۲	۰	۱۵	۲۵۱					
میزان	۰	۰	۶	۸۶۴	میزان	۰	۰	۹	۲۳۶۳

دستخط۔ فنانشل سکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

نقشہ تفصیل آمد مسلم مشن ووکنگ و اسلامک ریویو و کتب خانہ در ہندوستان و انگلستان بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
12/30 ۱	۱۴۱۳	جناب کرم الٰہی صاحب قریشی وزیرآباد بمد مشن	۰	۰	۲۵
12/30 ۲	۱۴۲۰	ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور ,,	۰	۰	۱۰
,,	۱۴۲۱	جناب اہلیہ ,, ,,	۰	۰	۲
	۱۴۲۲	وصولی قرضہ پراویڈنٹ فنڈ از منشی امانت محمد صاحب ۵ روپے چندہ مشن ۴ آنے	۰	۴	۵
	۱۴۲۳	جناب محمد رضا علی صاحب عدن بمد مفت تقسیم ریویو	۰	۰	۵
12/30 ۳	۱۴۲۹	,, غلام محمد صاحب دفتری لاہور بمد مشن	۰	۴	۰
12/30 ۴	۱۴۳۰	,, میسرز ملک پریس لاہور مفت تقسیم لاہور	۰	۴	۰
	۱۴۳۲	,, محمد جعفر علی صاحب بدایوں ..	۰	۰	۵
	۱۴۳۴	,, عبدالحق صاحب گجرات بمد مشن	۰	۰	۵
	۱۴۳۷	,, مرزا عبدالحق صاحب لاہور ,, ...	۰	۴	۰
	۱۴۳۸	,, محمد وارث خان صاحب ریویو	۰	۴	۰
12/30 ۶	۱۴۴۱	عالیجناب حاجی حمید اللہ خان صاحب بہادر وزیر ریاست بھوپال بمد مفت تقسیم ریویو	۰	۸	۴۹
	۱۴۴۳	,, ڈاکٹر ایم۔ ای صوفی صاحب کلکتہ بمد مشن ۱۲ روپے بمد ریویو ۱۰ روپے	۰	۰	۲۲
12/30 ۸	۱۴۴۶	جناب مسز کے تسنیم عبدالحلیم صاحب بنارس بمد مشن	۰	۰	۲
12/30 ۹	۱۴۵۰	,, محمد الدین صاحب لاہور بمد ریویو	۰	۴	۰
12/30 ۱۱	۱۴۵۹	حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بمد مشن۔ ایڈیٹر ریویو۔ [illegible]	۰	۰	۲۰

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
12/30 ۱۲	۱۴۶۳	جناب سید محمد علی صاحب معرفت انجمن ہدایت الاسلام لاہور بمد مشن	۰	-	۱۴
	۱۴۶۴	,, عبدالرحمن صاحب ,,	۰	-	۴
12/30 ۱۳	۱۴۶۵	,, محمد حسن خان صاحب کھلی شہر بمد مفت تقسیم ریویو	۰	-	۵
12/30 ۱۶	۱۴۷۱	وصولی پیشگی از سیکرٹری صاحب مشن [illegible]	-	-	۳۰
12/30 ۱۷	۱۴۷۴	جناب ڈاکٹر امین اکبر صاحب بانگڑ دنگی بمد مشن	-	-	۲
12/30 ۱۸	۱۴۷۵	میسرز نظام الدین صاحب گجرات بمد مشن	-	۸	۱
	۱۴۷۶	جناب شیخ نیاز احمد صاحب وزیرآباد ,,	-	-	۱۰
12/30 ۱۹	۱۴۷۹	جناب سیدہ طاہرہ بی بی صاحبہ لاہور بمد مشن	-	-	۲
12/30 ۲۰	۱۴۸۰	جناب شیخ امین صاحب رہتک بمد مشن	۰	-	۱
12/30 ۲۲	۱۴۸۳	,, امیر حسن صاحب کاکوری ,,	۰	-	۱
12/30 ۲۳	۱۴۸۶	,, عبدالحمید خان صاحب ناگپور ,,	-	۰	۱
	۱۴۸۸	,, محمد نور غنی صاحب احمدپور ,,	۰	۱۴	۷
12/30 ۲۶	۱۴۹۱	,, کرم الٰہی صاحب قریشی وزیرآباد ,,	-	۰	۱۵
	۱۴۹۲	,, شیخ احمد حسین صاحب بالاگھاٹ ,,	-	۰	۱
	۱۴۹۵	,, محبوب خان صاحب دھاروار ,,	-	-	۱
	۱۴۹۶	,, سید خادم حسین صاحب لکھنؤ ,,	۰	۰	۳
		فروخت اسلامک ریویو	۰	۱	۳۶۱
		میزان کل	-	۷	۶۱۲

حمد - تسبیح - استغفار

گو وردو وظائف کا زمانہ ختم ہو رہا ہے لیکن پھر بھی پرانے بزرگ کہیں کہیں نماز فجر کے بعد سبحان اللہ وبحمدہ کا وظیفہ پڑھتے نظر آتے ہیں۔ ان کا ایسا کرنا ارشاد خداوندی کے ماتحت ہے قرآن کریم نے بالفاظ صریح حکم دیا ہے۔ کہ ہم صبح و شام حمد و تسبیح کیا کریں۔ معترضین کہتے ہیں۔ کہ ان وظائف کو طوطے کی طرح ورد زبان کرنے سے کیا فائدہ خصوصاً جبکہ پڑھنے والا الفاظ کے معنے سے بھی ناواقف ہو حق الامر بھی یہی ہے۔ کہ ہم نے احکام خداوندی کی غرض کو پس پشت کر کے مقدس الفاظ کا دہرانا سیکھ لیا اور آج وہ بات بھی مفقود ہو رہی ہے۔ قرآن کریم نے حمد و تسبیح کے علاوہ ایک اور بات پر بھی زور دیا ہے۔ وہ استغفار ہے۔ قرآن کے آخری الہامات میں ایک سورۃ النصر بھی ہے بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ آخری الہام ہے بعض کا خیال ہے۔ کہ اسکے بعد ایک آیت الیوم اکملت لکم دینکم والی نازل ہوئی۔ بہرحال سورۃ نصر میں اس کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔ جو اس تاریخ سے اکیس بائیس سال پہلے بتلائی گئی۔ یہ آنحضرت صلعم کی عین کامیابی کا وقت تھا۔ اس سورہ شریف کے نزول کے بعد صرف چند ماہ ہی آپ اس دنیا میں رہے۔ ایسے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ فسبح بحمد ربک واستغفرہ۔ پس تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور مغفرت طلب کر۔ آپ کامیابی کو پہنچ چکے ہیں۔ اور دنیا سے رخصت ہونیوالے ہیں۔ پھر اگر اس حکم کی مخاطب آپ کی امت نہیں تو اور کون ہے +

اب اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو تعلیم قرآن کا لب لباب یہی تین امور ہیں۔ اور سورۃ النصر میں ان کا آنا اسباب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ ظفر و کامیابی کی کنجی یہی تین باتیں ہیں۔ اگر ہماری نماز کا تجزیہ کیا جائے تو وہاں بھی یہی تین باتیں اس میں نظر آتی ہیں۔ حتیٰ کہ نماز کی پہلی تسبیح سبحانک اللّٰھم الخ میں بھی ان ہی تین باتوں کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے یہ تو مراد نہیں۔ کہ ہم ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ میں لے کر کسی وقت سبحان اللہ وبحمدہ یا دوسرے وقت استغفر اللہ پر زور دیں۔ یہ باتیں میں نئی تعلیم کے اثر سے نہیں کہتا۔ اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر اس لفظی حمد و تسبیح یا استغفار کا کیا ثمر نظر آ رہا ہے قوم دن بدن انحطاط کی طرف جا رہی ہے۔ تنزل وادبار چاروں طرف منڈلا رہے ہیں۔ تسبیح حمد و استغفار بھی زبان پر جاری ہے۔ لیکن ہماری مشکلات کا قدم آگے کو ہی جاتا ہے۔ سورہ

الغرض تو ہماری کامیابی ان تین امور سے وابستہ کرنی ہے لیکن تسبیح خوانی کا نتیجہ اسکے برعکس ہے، اس نظریہ سے اور مشاہدہ سے یہ نظر آتا ہے۔ کہ قرآن کے سمجھنے والے اور اسکے عامل کسی اور رنگ میں تسبیح حمد و استغفار کیا کرتے ہونگے۔ اور ان کا یہ طریق نہ تھا۔ جو آج ہمارا ہے اس امر پر میں کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تسبیح کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالےٰ کو ہر ایک قسم کے نقص اور عیب سے پاک اور ارفع قرار دیتے ہیں۔ تو الفاظ حمد بھی ہم یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ ذات پاک منبع صفات جمیع ہے یعنے حمد کے وقت ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ جو کوئی خوبی تخیل تک میں آسکتی ہے۔ ..... وہ ساری کی ساری خوبیاں خدا کی ذات میں آجمع ہوگئیں۔ اور تسبیح کے وقت ہم ذات باری کو ہر عیب و نقص سے منزہ اور مبرا سمجھتے ہیں۔ یہ جو خدا کے سو صفات قرآن و حدیث میں آئے ہیں یعنی ان میں سے ننانویں اخلاق الٰہیہ تو حدیث میں آگئے۔ اور قرآن نے ان ننانویں کے علاوہ صفت رب کا بھی بار بار ذکر کیا ہے۔ یہ کُل کے کُل اسماء دو قسموں میں منقسم کئے گئے بعض کو صفات تحمیدیہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے اسماء کو تسبیحیہ یا تنزیہ کہتے ہیں۔ صفات تحمیدیہ سے خوبیاں مراد ہیں۔ اور تنزیہ اسماء کُل کی کُل بدیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جن سے وہ ذات برتر و ارفع ہے۔ گویا یہ کُل کے کُل صفات ہر قسم کے اخلاق کو اپنے دائرہ میں لے آتے ہیں۔ خواہ وہ کوئی نیکی ہو یا بدی ان سب پر یہ اسماء حاوی ہیں۔ یہی وہ اسماء ہیں۔ جن میں ہماری حمد و تسبیح کے الفاظ آجاتے ہیں۔ اسی طرح تحمیدیہ اسماء میں ایسے اسماء بھی ہیں۔ جن کا تعلق خدا تعالےٰ کے غفران یا مغفرت سے ہے +

{ افسوس ہے۔ کہ عدم گنجائش کے باعث مضمون کا اصلی حصہ رہگیا جو ماہ مارچ میں شائع ہوگا + }

حضرت یسوع کی آمد ثانی

از قلم جناب کے ایس محمود صاحب

آیت ۹۔ اور جب لڑائیوں اور فسادوں کی افواہیں سُنو تو گھبرا نہ جانا۔ کیونکہ ان کا پہلے واقع ہونا ضرور ہے لیکن اس وقت فوراً خاتمہ نہ ہوگا +

آیت ۱۰۔ پھر اس نے ان کو کہا۔ کہ قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کریگی ۔

آیت ۱۱۔ اور بڑے بڑے بھونچال آئینگے۔ اور جابجا کال اور مری پڑیگی۔ اور آسمان پر بڑی دہشتناک باتیں اور نشانیاں ظاہر ہونگی +

آیت ۱۲۔ لیکن ان سب باتوں سے پہلے وہ میرے نام کے سبب تمہیں پکڑینگے۔ اور ستائینگے۔ اور عبادتخانوں کو عدالت کے حوالے کرینگے۔ اور قیدخانوں میں ڈلوائینگے۔ اور بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے حاضر کرینگے +

آیت ۱۳۔ اور یہ تمہارے گواہی دینے کا موقع ہوگا +

آیت ۱۴۔ پس اپنے دل میں ٹھان رکھو کہ ہم پہلے سے فکر نہ کرینگے۔ کہ کیا جواب دیں +

آیت ۱۵۔ کیونکہ میں تمہیں ایسی بان اور حکمت دونگا۔ کہ تمہارا کوئی مخالف سامنا کرنے یا خلاف کہنے کا مقدور نہ رکھیگا

آیت ۱۶۔ اور تمہیں ماں باپ اور بھائی اور رشتہ دار اور دوست بھی پکڑوائینگے بلکہ وہ تم میں سے بعض کو مروا ڈالینگے +

آیت ۱۷۔ اور میرے نام کے سبب سب لوگ تم سے عداوت رکھینگے +

آیت ۱۸۔ لیکن تمہارے سر کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا +

آیت ۱۹۔ اپنے صبر سے تم اپنی جانیں بچائے رکھو گے + لوقا آیت ۹ تا ۱۹ باب ۲۱

اس پیشگوئی کی خوبیاں اس کے نقائص میں مُضمر ہیں۔ یہ پیشگوئی ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ اگرچہ مسیحی بزرگوں نے متعدد بار اسکی تکمیل کی تاریخ معین کی ہے +

عبارت مذکورہ بالا کی آخری تین ورسیز کے متعلق اکثر علماء کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ جعلی و الحاقی ہیں۔ کیونکہ قدیم نسخوں میں ان کا وجود نادار د ہے۔ اور وہی نسخے در اصل مابعد کیلئے بمنزلہ بنیا د ہیں جسمیں ولگیٹ بھی شامل ہے۔ اگر کسی دستاویز کا کوئی حصہ جعلی اور وضعی ثابت ہوجائے۔ تو پوری دستاویز پایۂ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے۔ لیکن یہاں ہم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں۔ کیونکہ ان ورسیز کا جعلی ہونا ان لوگوں کو بھی مسلّم ہے جو اس کتاب کی صحت کے مدعی ہیں +

لیکن ہم سردست اس پیشگوئی کو بجنسہٖ لیتے ہیں۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ اس میں ان امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جنکے متعلق معمولی سمجھ کا آدمی بھی قیاس دوڑا سکتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے واقعات جو کہ اس پیشگوئی میں بیان کئے گئے ہیں عموماً پیش آتے ہیں +

قحط سالی اور جنگ وباء اور زلزلے دنیا میں اس قدر آچکے ہیں۔ کہ اگر کسی پیشگوئی میں ان کا تذکرہ کیا جائے تو اس کی اہمیت نگاہوں سے گھٹ جاتی ہے۔ علاوہ بریں کسی مذہب کے متبعین کو ایسی باتوں سے عموماً سابقہ پڑا کرتا ہے۔ اور اگر وہ ادنےٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں تو یقیناً انھیں ستایا بھی جاتا ہے لیکن ان امور سے قطع نظر کر کے یہ پیشگوئی بیک وقت کئی باتوں کا تذکرہ کرتی ہے۔ جو ممکن ہے۔ کہ بیک وقت واقع نہ ہوں۔ کیونکہ ابھی تک تو ایسا ہوا نہیں ہے۔ شاگردوں کی مصیبت کا آغاز یسوع صاحب کے فلسطین سے رخصت ہونے کے بعد ہی سے ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کو جیلخانوں میں ڈال دیا گیا اور یسوع صاحب کے نام پر بہت کچھ ایذا دی گئی۔ اور بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے پیش کئے گئے۔ یہ پیشگوئی کسی نبی کے دماغ کی محتاج نہیں۔ کیونکہ ایذا رسانی کا سلسلہ تو یسوع صاحب کی موجودگی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ اور یہود کے خلاف مزاج تعلیمات کا یہ نتیجہ بالکل اک قدرتی بات تھی۔ اسمیں کوئی بھی شک نہیں۔ کہ شاگردوں نے ہر قسم کی تکلیف بہت صبر اور خاموشی کے برداشت کی لیکن انھیں یقین کامل تھا۔ کہ ہمارا ہادی حسب وعدہ واپس آئیگا۔ جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ نسل نہ گذریگی کہ ابن آدم آجائیگا اور ساری باتیں پوری ہو کر رہینگی۔ ان لفظوں پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے شاگردوں میں بہت کچھ استقامت پیدا ہو گئی تھی لیکن اس کے الفاظ گزر گئے۔ اور وہ وقت نہ آیا۔ کہ "زمین اور آسمان گزر جائیں" علاوہ بریں شاگردوں کی اذیت کے زمانہ میں کوئی غیر معمولی بات دنیا میں ظاہر نہیں ہوئی۔ نہ تو زلزلے آئے۔ نہ لڑائیاں ہوئیں۔ نہ وبا پھیلی۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی ان موعودہ باتوں میں سے کوئی بات پوری نہ ہوئی۔ آخری دو صدیوں کے آخری چالیس سالوں میں جنگیں واقع ہوئیں۔ اور ایک قوم دوسری قوم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے بڑے زلزلے بھی آئے۔ اور بعض ممالک میں قحط سالی اور وبا کا زور بھی ہوا۔ لیکن نہ تو آفتاب تاریک ہوا اور نہ چاند روشنی سے باز رہا اور ابن آدم کی واپسی سے پہلے ان باتوں کا واقع ہونا بہت ضروری تھا +

ہم الفاظ مذکورہ کو استعارہ کے رنگ میں بھی لے سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں یہ ایڈونٹسٹ فرقہ آمد ثانی کو لفظی رنگ میں تسلیم کرتا ہے۔ علاوہ بریں مذکورہ بالا امور میں سے بہت سے مظاہر اس وقت واقع ہوئے۔ جبکہ وہ لوگ جو حضرت یسوع کے نام پر تبلیغ کر رہے تھے

بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر حکام وقت کے سامنے نہیں لائے جاسکتے تھے۔ اسکے برخلاف ان کو دیگر ممالک میں داخل ہونے کی آسانیاں نصیب ہو گئی تھیں۔ اور یہ سب باتیں اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ یا تو یہ پیشگوئی ایک فسانہ ہے۔ یا اُن باتوں کا ایک غیر معتبر تذکرہ ہے۔ جو حضرت یسوع نے مختلف اوقات میں فرمائیں۔ یا تو خود انہی کو آیندہ واقعات کا بہت سطحی علم تھا یا وقائع نگاروں نے جنہوں نے یہ واقعات دو صدی بعد لکھے مختلف امور کو باہم مخلوط کر کے پیش کیا ہے +

بیکسوں کے ساتھ آنحضرت صلعم کی طرزِ عمل

بقلم محمد علی الحاج سلمین صاحب

وہ شخص بہت مبارک ہے۔ جو آنحضرت صلعم کی زندگی کا مطالعہ اس نظر سے کرتا ہے۔ کہ آپ کی طرزِ عمل کو اپنے لئے نمونہ بنائے۔ کیونکہ نبی کریمؐ جس طرح ایک فاتح کیلئے نمونہ ہیں۔ اسی طرح ایک غریب اور بیکس انسان کے لئے بھی نمونہ ہیں۔ آج کوئی شخص آپ کی راستبازی صداقت شعاری اور عُلو سیرت میں شک نہیں کرتا خواہ عام طور سے اسے تسلیم نہ کیا جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ آج دنیا انہی اصولوں پر گامزن نظر آتی ہے۔ جو تیرہ سو برس ہوئے۔ اس اُمّی نے قائم کئے تھے +

بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ مسلمانوں نے تمام خوبیاں گنوا دینے کے بعد اپنے نبیؐ کے نقش قدم پر چلنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اور اسی لئے ہر جگہ ذلیل نظر آتے ہیں۔ اور اُن کے پاس کوئی کریکٹر نہیں ہے۔ وہ طاقتوروں کے سامنے خوشامد کرتے ہیں۔ اور کمزوروں کے ساتھ غرور سے پیش آتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کر سکتے لیکن بانئے اسلام نے ہمیشہ اپنے ذاتی دشمنوں کو جب وہ لوگ آپ کے سامنے لائے گئے معاف کر دیا۔ عبداللہ ابن اُبی آپ کا جانی دشمن تھا۔ یہی شخص یہود اور نصاریٰ کو آپ کے خلاف اُکسایا کرتا تھا۔ لیکن جب اُس نے وفات پائی۔ تو آپ نے اُسکے لئے دعا کی۔ اور اپنی چادر بطورِ کفن عنایت فرمائی +

جب مکہ فتح ہوا۔ تو آپ نے اپنے سارے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ جنہوں نے آپ کو اور آپ کے رفقا کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ آپ نے مدت العمر کسی فقیر کے سوال کو رد نہیں کیا

اگر آپ کے پاس کچھ ہوتا تو فوراً دیدیا ۔ ورنہ اس سے توقف کرنے کو کہ دیا، حتیٰ کہ آپ نے کسی نہ کسی طرح اسکی ضرورت پوری کر دی ۔ بیکسوں پر شفقت کرنا آپ کی سرشت میں داخل تھا آپ بیواؤں اور بچوں پر بھی شفقت فرماتے تھے ۔ اور ان باتوں کا ثبوت قرآن مجید کی ان آیات سے مل سکتا ہے جو بکثرت وارد ہیں ۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں جو احکام نازل ہوئے ہیں، اُن پر آپ سے بڑھ کر کسی شخص نے عمل نہیں کیا ۔ آپ خود بڑی سی بڑی تکلیف برداشت کر سکتے تھے لیکن یہ منظور نہ تھا کہ کوئی دوسرا شخص کسی تکلیف میں مُبتلا ہو جائے ۔ آپ عورتوں اور بچوں کے حقوق کی نگرانی کیلئے ہمیشہ سینہ سپر رہتے تھے ۔ اور آپ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے غلاموں کو جو اُس زمانہ میں مثل اسباب خانگی کے سمجھے جاتے تھے، اُن کے حقوق عطا کئے ۔ آپ نے بادشاہوں کی خود مختاری کو رعایا کی خوشنودی کے ماتحت کر دیا ۔ اور مُلک میں جمہوری حکومت کی بُنیاد ڈالی ۔ آپ بچوں کو اس درجہ پیار کرتے تھے کہ دورانِ سفر میں بھی اگر آپ بچوں کو دیکھ پاتے تو اونٹ سے اُتر کر اُنھیں پیار کرنے لگتے ۔ آپ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازہ کے ساتھ قبرستان تک تشریف لے جاتے ۔ آپ کسی شخص سے غُصّہ ہو کر کلام نہ فرماتے ۔ اور مُدت العمر کسی شخص کو بُرا نہیں کہا عفو آپ کی ذاتی صفت تھی ۔ حتیٰ کہ جنگ اُحد میں جہانتک آپ کے دندان مُبارک شہید ہوئے آپ نے کسی دشمن کے حق میں بد دُعا نہ فرمائی مختصر یہ کہ ہم جہانتک آپ کے سوانح حیات کا مطالعہ کریں، آپ کو نیکی کا مجسمہ پاتے ہیں ۔ پاکیزگی خیال اور سیرت آپ کی زندگی کا نمایاں وصف نظر آتا ہے ۔ اور یہ وہ وصف ہے جو ماضی حال اور استقبال تینوں زمانوں میں بینظیر ہے +

مُسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا پروپاگنڈا

بقلم ایس ایم ایس فاروقی صاحب

جو واقعات میں ذیل میں لکھ رہا ہوں، ممکن ہے بعض تعلیمیافتہ آدمیوں کو معلوم ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمام مسلمان بے کم و کاست ان باتوں سے آگاہ ہوں ۔ اور قبل از وقت متنبہ ہو جائیں ۔ کیونکہ اسکی بدولت انسان حفظ ماتقدم پر عامل ہو جاتا ہے ۔ اور موجودہ مذہبی مناظرات کے زمانہ میں تو یہ بہت ضروری ہے ۔ کہ ہم مسلمان پورے طور پر مُسلح ہوں ۔ آجکل امریکن مشنری اسلام کے خلاف زبردست پروپاگنڈا کر رہے ہیں بعض مضمون انہوں نے

دوران قیام مصر میں عربی زبان بہت خوبی کے ساتھ حاصل کر لی ہے۔ اور عربی میں کتابیں لکھ رہے ہیں۔ تاکہ بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کیا جا سکے۔ یہ لوگ قرآن شریف کی آیات نقل کرتے ہیں۔ اور پھر توریت و انجیل کے عربی تراجم کے فقرات بالمقابل لکھتے ہیں۔ تاکہ بادی النظر میں یہ سمجھا جا سکے۔ کہ یہ بزرگ اسلامی فلسفہ، احادیث اور قرآن مجید کے بہت گرویدہ ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ قارئین انکے ہم عقیدہ ہو جائیں۔ ڈاکٹر زویمر نے چند گمراہ کن کتابیں لکھی ہیں مثلاً (۱) **شان صلیب** (۲) **اذان** (۳) **قانون ارتداد** فی الاسلام۔ یہ ڈاکٹر ایک مشہور سہ ماہی رسالہ موسومہ مسلم ورلڈ کا ایڈیٹر بھی ہے۔ اور اس رسالہ کا اصل مقصد صرف یہ ہے۔ کہ جملہ اسلامی ممالک کے حالات عیسائی پادریوں کو معلوم ہو سکیں۔ تاکہ وہ ان میں تبلیغ مسیحیت کے ذرائع پر غور کر سکیں۔ اپنا لٹریچر ان ممالک میں شائع کریں۔ اور اُن مسلمانوں سے ذاتی واقفیت پیدا کریں۔ بلکہ اُن کے گھروں میں بھی انجیل کا پیغام پہنچائیں +

رسالہ مذکورہ بالا کے سرورق سے چند فقرات کا اسجگہ نقل کر دینا اس امر پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ کہ ڈاکٹر **زویمر** اور اُن کے ہمنوا مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں :-

"کیا آپ مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرنے میں مدد دینگے؟ یسوع مسیح اور اُسکی تعلیمات مسلمانوں میں بذریعہ لٹریچر پھیلائی جاتی ہیں۔ جو عربی فارسی ترکی پشتو اردو پنجابی چینی اور ملائی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ آپ اپنی دعاؤں اور عطیات سے مصر شام عراق چین مراکو فلسطین ایران جاوا ترکی الجیریا ہند سماٹرا فلپس عرب ملایا اور جنوبی افریقہ میں مسیحی لٹریچر کی اشاعت میں کافی مدد دے سکتے ہیں۔ کیا آپ اپنے عطیات امریکن کرسچین لٹریچر سوسائٹی کے نام روانہ کرینگے جو نائل مشن پریس اور بین الاقوامی مجلس کے ساتھ ملکر کام کر رہی ہے؟"

میں نے یہ اقتباس اسلئے دیا ہے۔ کہ ناظرین ان مشنریوں کی کارروائی سے پورے طور پر آگاہ ہو سکیں + دسمبر ۱۹۲۹ء میں ڈاکٹر زویمر نے ووکنگ مسجد کے امام کو میرے والد صاحب کے ترجمہ قرآن مجید کے ایک نسخہ کیلئے لکھا تھا۔ اور اُس نے کتاب مذکور کی وصولیابی پر ایک شکریہ کا خط والد صاحب کی خدمت میں بھی روانہ کیا جسمیں اُس نے لکھا کہ میں اسلام کی خوبیوں کا دن بدن احساس کرتا جاتا ہوں۔ اور اسلامی تخیل آزاد اور اسلامی فلسفۂ الٰہیت کا معترف ہوتا جاتا ہوں"۔ اس پر میرے والد صاحب نے لکھا۔ کہ اگر واقعی اسلام کی خوبیاں تمہارے دل پر نقش ہو گئی ہیں۔ تو اُنکے اعتراف کا بہترین ذریعہ یہ ہے۔ کہ تم توحید باری کے عقیدہ

کا اعلان کر دو۔ اس پر ڈاکٹر مذکور نے ۸ جون ۱۹۳۰ء کو ایک خط میں لکھا کہ میں آپ کے خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوا جس میں آپ نے مجھے مسلمان ہو جانے کی دعوت دی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپ سے زبانی گفتگو کا موقعہ ملتا "لیکن باوجود ان باتوں کے ڈاکٹر زویمر پختہ الوہیت مسیح کا معتقد ہے۔ اور اس کا تخیل الا ہنوز ناقص ہے۔ اس نے میرے والد صاحب کو بہت سی کتابیں عربی زبان میں روانہ کی ہیں۔ جو اس کی تصنیف ہیں اور انمیں سے ایک کتاب کا نام یہ ہے "مسیحیت دنیا کا آخری مذہب ہے"۔ اور اس کتاب کا خاص مقصد ان مسیحی مشنریوں کو جو مسلمانوں میں تبلیغ کرتے ہیں "یہ بتانا ہے کہ عقاید الوہیت مسیح اور کفارہ مسیح مسیحیت کے بنیادی مسائل ہیں اس بات کو دیباچہ میں بہت واضح کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف نے ان پادریوں اور مبلغوں پر اعتراض کیا ہے۔ جو بجائے ان بنیادی عقاید کے یسوع کی تعلیمات پر زور دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف صفحہ ۱ پر ڈاکٹر زویمر لکھتا ہے "ہم بالیقین لکھ سکتے ہیں۔ کہ مسیحیت کی ساری طاقت اور اثنا و حرکت اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہم اس بات پر اعتقاد رکھیں۔ کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ جو کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا اور ہمارے گناہوں کی خاطر مصلوب ہوا۔ اور تیسرے دن جی اٹھا۔ اور اس نے ہمیں صرف یہی پیغام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے دیا ہے۔ اور اس پر اپنی موجودگی کے عہدہ سے مہر لگا دی ہے +

درحقیقت ڈاکٹر زویمر اعتقاد کے لحاظ سے پولوس کا متبع ہے۔ اور اس کتاب کی پہلی فصل پولوس کے خط کی تفسیر ہی ہے صفحہ ۲۳ پر ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے "ہم لوگوں کے لئے جو مسلمانوں میں تبلیغ کرتے ہیں "یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ مسلمان یسوع کی ابنیت الوہیت تجسم کفارہ اور پیغام ان سب باتوں کے منکر ہیں۔ اور یہی امور ہمارے مابین متنازع فیہ ہیں۔ مؤذن کی آواز جو وہ مسلمانوں کو نماز کیلئے پکارتا ہے۔ تکلیف دہ ہے۔ اور صدمہ پہنچاتی ہے"۔ . . . . . .

"اسلام کے بالمقابل ہم نہیں کہہ سکتے کہ موحد عیسائیوں کا انجام کیا ہوگا"۔

مجھے تعجب ہے کہ جب اس شخص نے میرے باپ کو خط لکھا تو اسے مطلق یاد نہ رہا کہ میں اپنی تصانیف میں کیا کچھ لکھ چکا ہوں یا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے باپ کو پھانسنا چاہتا ہوگا لیکن اسمیں شک نہیں۔ کہ یہ پادری خود اپنے ہی الفاظ سے ملزم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور بلاشک وہ آج ویسا ہی متعصب ہے جیسا کہ

پہلے تھا۔ ڈاکٹر موصوف کو اس بات کی خواہش ہے۔ کہ پولوس کا مذہب مسلمانوں میں رائج ہو جائے۔ اور سیاست کی خاطر وہ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے۔ جو اس کے مقصد کے لئے مضر ہیں۔ اس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ عقیدہ توحید باری ساری دنیا میں پھیلتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ عیسائیوں میں بھی۔ اور اسلامی تبلیغی پروگرام سے بھی اُسے کافی اذیت پہنچتی ہے۔ جیسا کہ اقتباس مندرجہ ذیل سے واضح ہوگا +

" تمام غیر مسیحی مذاہب میں غالباً اسلام ہی ایسا مذہب ہے کہ جس نے زبردست اثر ظاہر کیا ہے۔ ہمارا ایک باضابطہ مشنری نظام تبلیغ ہے۔ ہم سالانہ بہت سی تعداد میں کتابیں شائع کرتے ہیں۔ ہماری مجالس ہیں، خزانچی ہیں۔ اور ہمارے نگران کار بھی ہیں لیکن مسیحیت میں وہ تبلیغی رُوح کہاں ہے۔ جو عام مسلمانوں میں پائی جاتی ہے؟ اُن کی "لے مین مشنری موومنٹ" کا دسواں سالانہ جلسہ نہیں ہوتا۔ بلکہ تیرہ سوواں ہوتا ہے!! تمام مسلمان جو افریقہ اور ایشیا میں بستے ہیں در اصل مشنری ہیں! اور آج ان دونوں براعظموں میں بیس کروڑ سے زیادہ مسلمان موجود ہیں۔ آج مسلمان حالتِ جمود میں نہیں ہیں! وہ کارلائل کی تصنیف شائع کر کے گلی کوچوں میں ۲ ر فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر رہے ہیں۔ وہ قرآن مجید کا ترجمہ ان اقوام کے لئے کر رہے ہیں جو افریقہ کے وسط میں آباد ہیں۔ اور مسیحی مشنریوں کے مقابلہ میں بعض بعض مقامات میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مسلمان بنا رہے ہیں!! سارے غیر مسیحی مذاہب آج جدوجہد میں مشغول ہیں صفحہ ۷۸ تا ۸۰ آگے چل کر نا اُمیدی کے عالم میں ڈاکٹر موصوف یہ سوال کرتا ہے "کیا آج مسیحی سائنس نیو تھاٹ اور دیگر تحریکات کا منشا یہ نہیں" کہ ہم صرف اُس خدا کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں جو صلیب پر مُوا" +

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا ان پادریوں کو اُن ہی کے مذہب کی تردید کیلئے کمربستہ کر رہا ہے کیونکہ ڈاکٹر زویمر نے اپنی تحریرات میں ان اعتراضات کا ذکر بھی کیا ہے، جو مسلمانوں نے مسیحیت پر وارد کئے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک قابل وقعت تحریر سیّد محمد رشید رضا اڈیٹر المنار کی ہے جس میں قابل مصنف نے بارہ صفحوں میں مسیحیت کا ابطال کیا ہے۔ اور پولوسی مسیحیت پر مندرجہ ذیل اعتراضات وارد کئے ہیں:۔

(۱) یہ مذہب عقل کے خلاف ہے +

(۲) یہ مذہب اللّٰہیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ عالم الغیب قادرِ مطلق اور ابدی خدا ایک عورت کے رحم میں قرار پکڑ سکے؟

(۳) یہ مذہب خدا کے علم کے بھی منافی ہے۔ کیونکہ کفارہ کا مسئلہ اگرچہ موجب نجاتِ انسانی ہو بھی تو بھی وہ

"مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کا مصداق ہے"۔

(۴) یہ مذہب خدا کے رحم اور انصاف دونوں کے منافی ہے۔ رحم کے خلاف اسلئے کہ اس نے ایک بےگناہ کو ایذا دی۔ اور انصاف کے خلاف اسلئے کہ جنہوں نے اُسے مصلوب کیا۔ وہ بلا وجہ بچ گئے۔

(۵) یہ مذہب انسان کو ناپاکی کی طرف مائل کرتا ہے۔ کیونکہ اگر نجات کا ذریعہ یہی ہے۔ تو پھر خواہ کوئی شخص کتنا ہی بدکار کیوں نہو۔ وہ کفارہ پر ایمان لاکر نجات پا سکتا ہے۔ اور اپنی بدکاریوں کی پاداش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

(۶) یہ مذہب غیر ضروری ہے۔ کیونکہ ہم نے آج تک کسی قانون دان شخص کی زبانی یہ بات نہیں سُنی۔ انصاف کا تقاضا مجرم کی معافی سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ اس کے خلاف خوبی کی بات یہ ہے۔ کہ کسی مجرم کو معاف کر دیا جائے۔ پس کیوں نہ خدا بھی اسی طرح ہم پر رحم فرمائے؟

ان اعتراضات کا کوئی جواب ڈاکٹر زویمر کے پاس نہیں۔ سوائے اسکے کہ وہ ہمارے نبی کریم صلعم کی شان میں گستاخیاں کرے۔ وہ تو یہ بھی کہتا ہے۔ کہ کفارہ کا مسئلہ شیعوں کی خدمت میں ضرور پیش کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ لوگ امام حسین کی موت یا شہادت کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

لیکن دوسرے مسلمانوں کے متعلق یہ بزرگ اپنے ہم مشرب پادریوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں۔ "لیکن اہلسنت کے ساتھ ہمارا طریق عمل کیا ہونا چاہئے؟ کیا ہم اُن کے سامنے عقیدۂ صلیب پیش کریں۔ جس پر یہ لوگ بہت سختی کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں؟ پس میری رائے میں سمجھ بوجھ اور تبلیغی چال دونوں کا تقاضا یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہم سر دست صلیب کے پیغام کو پس پشت ڈال دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی کفارہ اور تثلیث کے عقاید کو بھی اور بجائے یسوع کی موت کے اُسکی زندگی کے کارنامے مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ پس ہمیں چاہئے۔ کہ اس معاملہ میں حکومت سوڈان کی طرح حزم و احتیاط سے کام لیں۔ اور اپنی تبلیغ میں سے صلیب کا ذکر بالکل اُڑا دیں۔ تاکہ ہمارے مسلمان بھائیوں کے جذبات مجروح نہ ہوں"۔

لیکن اس کے باوجود یہی پادری اُن لغو عقاید کی تبلیغ کا بھی حامی ہے۔ جن کی دھجیاں المنار میں اُڑا دی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات ڈاکٹر زیمر کے لئے یہ ہے۔ کہ پادری لوگ کفارہ کا عقیدہ مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اسی لئے اس نے ایک باب بعنوان "صلیب کی دشواری"

لکھا ہے جس کے مطالعہ سے اس کی ذہنی گلفت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس باب میں پہلے تو اس نے وہ اعتراضات درج کئے ہیں۔ جو مسلمانوں کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد قرآن مجید کے انکار وفات مسیح پر صلیب کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے اسلامی اعتراضات کو دفع کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ گویا اندھا اندھوں کو رستہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر میں ڈاکٹر ڈینی کی تصنیف "وفات مسیح" سے یہ اقتباس ضم کیا ہے۔ "جو لوگ واقعہ صلیب کے خلاف ہیں ہم حسب ضرورت ان کی سابقہ احتیاط کو مدنظر رکھ کر اس مسئلہ کو پیش کر سکتے ہیں نیز اُن کے سامنے بھی جو مُردہ ضمیر رکھتے ہیں۔ یا جن کو ابھی بہت کچھ یسوع کے متعلق معلوم کرنا باقی ہے لیکن اگر ہم کسی ایسی بات سے شروع نہیں کرتے۔ جو واقعی طور پر صلیب اور کفارہ وابستہ نہیں ہے۔ جو انجام کار ہمیں اس حقیقت کی طرف نہیں لی جاتی۔ جو ہمیں خدا کے برّہ کے قدموں میں نہیں پہنچاتی جس نے دُنیا بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ تو ہم نے ابھی تک انجیل کا پیغام نہیں پہنچایا" +

پیغمبر اعظم کی تعلیمات اور موجودہ زمانہ کے نوجوانوں سے اُن کی اپیل

برگیڈیر جنرل آر، ڈی، بلیسکینی سی، ایم جی - ڈی - ایس - او

جنگ عظیم کے قابل غور و فکر اثرات میں سے ایک یہ ہے۔ کہ لوگوں میں بجائے خود تحقیق کا میلان پیدا ہو گیا ہے۔ مذہبی عقاید میں خاص کر یہ بات نمایاں ہے۔ اور سوویٹ روس میں اس میلان کی زندہ تصویر نظر آتی ہے۔ جہاں اب ایک نیا مذہب برسر عروج ہے، جس کا نام اشتراکیت ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ دہریت بھی جلوہ نما ہے +

اس بڑی قوم کے نوجوان سراپا مادیت کی فضا میں پرورش پا رہے ہیں؛ یہ لوگ اس جد و جہد کی زندگی کے علاوہ اور کسی زندگی کے قایل نہیں۔ مذہب کے حقوق کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، جو کہ دراصل ہمیں زندگی کے اشرف اور اعلےٰ جذبات سے وابستہ کرتا ہے پُرانے عقاید پر بیدردی کے ساتھ حملہ ہو رہا ہے۔ اور ان ذہنی اثر کا نتیجہ دوسرے ممالک میں بھی محسوس ہو رہا ہے۔ جہاں پادریوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے دعوے پر دلائل لائیں +

آجکل نوجوانوں کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ عقاید نہ صرف سائنس عقل اور انصاف پر مبنی ہوں بلکہ کامیابی

سے مؤید ہوں۔ اور لوگ ان کی طرف بکثرت مائل ہوں +

ابھی تک تو صرف مسیحیت ہی ان کے اعتراضات کا نشانہ بنی ہے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب اسلام پر بھی حملہ ہوگا۔ ذیل کی سطور محض اسباب کی تحقیق کے لئے سپرد قلم کی جاتی ہیں کہ جب اسلام پر یہ حملہ وارد ہوگا۔ تو یہ مذہب کس طرح عہدہ برآمد ہوگا؟

سب سے پہلے ہمیں جاننا چاہئے کہ موجودہ نسل گزشتہ زمانہ کے متکلمین کے قرار دادہ عقائد اور خیالات سے بالکل مرعوب نہیں ہے۔ وہ تو ہر مذہب کے بانی کی صاف تعلیمات کو مدنظر رکھنا چاہتی ہے۔ اور اُن پر زمانہ وسطی میں جو معانی وارد کئے گئے ہیں۔ اُن کو یکسر نظر انداز کرنا چاہتی ہے یعنی خالص تعلیمات پر زور ہے۔ اور انہی کو مدار تحقیق بنایا جائیگا۔ اور صرف یہی دیکھنا مدنظر نہیں کہ وہ عقل اور حکمت سے کہاں تک مطابق ہیں۔ بلکہ وہ موجودہ مسائل میں کہاں تک ہماری رہنمائی کر سکتی ہیں؟ اور اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ وہ ان صداقتوں کی مثیل ہیں۔ جو گزشتہ زمانوں میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی ہیں مختلف صورتوں میں انسانیت کی ترقی کیلئے تو پھر اُن کے الہام ربانی ہونے کا دعوے وقیع تر ہو جائیگا۔ لیکن ضرور ہے۔ کہ ان میں سادگی پائی جائے۔ مثل مشہور ہے۔ کہ کار آمد باتیں جو موثر ہوتی ہیں۔ عموماً اس قدر مختصر ہوتی ہیں۔ کہ لفافہ کی پشت پر لکھی جا سکتی ہیں اور ہمیں شک نہیں۔ کہ اسی مقولہ میں ایک بڑی صداقت مضمر ہے +

تحقیق کرنے کے ذرائع ہمارے پاس دو ہیں۔ علم دو طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اولاً خارجی تحقیقات یعنی مغربی تہذیب کے سائنٹیفک اصولوں سے۔ ثانیاً باطنی غور و فکر سے یعنی دماغی استعدادوں کو استعمال کرنے سے یہ مشرقی طریق ہے۔ اور مغرب کے خود پسند لوگوں نے اس طریق کی اہمیت پر ابھی تک توجہ نہیں کی ہے +

مثال کے طور پر اہرام مصری کو لے لیجئے۔ یہ عمارتیں اس زمانہ میں بنائی گئی تھیں جبکہ پتھروں کو بلندی پر چڑھانے کی کوئی مشین ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ ان اہرام کی ساخت ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور مختلف پتھر باہم اس طرح وصل کر دیئے گئے ہیں۔ کہ اگر آپ کوشش کریں۔ تو بھی کاغذ کا پرزہ ان کے درمیان نہیں رکھ سکتے۔ بلا شک پتھروں کو اسقدر بلندی پر لیجانے کیلئے نہایت اعلےٰ قسم کی مشین درکار ہوگی۔ کیونکہ بغیر اس کے ان پتھروں کے کونے رگڑ کھا کر خراب ہو جاتے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ ہمیں آج تک اس مشین کا علم نہیں۔ جس کی بدولت ان پتھروں کو اس قدر بلندی تک لیجایا گیا؟

پروفیسر کرافورڈ آنجہانی کی تحقیقات سے اس امر پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ کہ بغیر جسمانی طاقت کے بھی

قوتِ ثقل پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ بغیر کسی مشین کے محض اس طاقت کی بدولت جو انسان میں مخفی ہے۔ بڑے بڑے بوجھ اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ پس یہ امر قرینِ قیاس ہے۔ کہ جن لوگوں نے اہرام مصری بنائے انہوں نے باطنی تحقیقات میں بڑی ترقی کر لی ہوگی۔ اور ان کے بعد یہ علم یا تو ضائع ہو گیا یا غلط استعمال کی وجہ سے ذہنِ انسانی سے اُتر گیا +

شق ثانی بالکل قرینِ قیاس ہے۔ جو علم باطنی تحقیقات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا غلط استعمال کیا جانا بھی بہت ممکن ہے۔ موجودہ زمانۂ ارتقاء میں بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ جو انسانی مخفی قوتوں کو ترقی دے سکتے ہیں۔ مشرقی تجربہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس طاقت کو ترقی دینے کیلئے مسلسل جد و جہد کی ضرورت ہے۔ مصر میں جن چند لوگوں نے اس صنعت میں اعلیٰ ترقی حاصل کی تھی۔ انھوں نے ایک مدت تک لگا تار محنت کی تھی۔ طریقِ عمل یہ تھا۔ کہ دماغ کی قوتِ فکر کو تحریک دی جاتی تھی۔ اور پھر جس قدر ترقی حاصل ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ مبتدی کو حکم دیا جاتا تھا۔ کہ وہ کسی چیز مثلاً مگرمچھ کی شکل کے انسان کا تصور کرے۔ جاہل گاؤں والوں کو بتایا جاتا تھا۔ کہ یہ ہستی تمہارا دیوتا ہے۔ اور اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہارے ساتھ مگرمچھ کا سا سلوک کریگی۔ شروع میں مبتدی کو اس معاملہ میں کچھ روشنی میں دی جاتی تھی۔ اور کچھ جسمانی ورزشیں بتائی جاتی تھیں جو جوگ سے ملتی جلتی تھیں۔ جس کے بعد اُسے باطنی غور کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ اسکی باطنی قوتیں چمک جاتی تھیں۔ بعض اوقات یہ قوتیں بہت ترقی پا جاتی تھیں۔ اور مندروں کی جماعت کے لئے استعمال کیجاتی تھیں۔ اور ان کو قائم رکھا جاتا تھا +

پجاریوں کی مقدس جماعت کے نقطۂ خیال سے یہ ایک بہت عمدہ تجویز تھی۔ لیکن ارتقائے انسانی کیلئے مضر تھی۔ پجاری رفتہ رفتہ روحانیت میں کم ہوتے گئے۔ اور مخصوص لوگ مغرور اور عامۃ الناس جہالت کے دریا میں غرق ہوتے گئے۔ پس یہ نظام آپ اپنی بربادی کا باعث ہو گیا۔ روحانی دنیا سے تعلق کم ہوتا گیا۔ اور انسانی ارتقاء مادی سائنس کے ماتحت آ گیا۔ بیشک کچھ عرصہ کیلئے یہ امر ضروری تھا۔ لیکن قبل اسکے کہ نسلِ انسانی اعلیٰ درجہ کے طبقات سے ملاپ پیدا کر سکے۔ ہماری فطرت کے دونوں پہلوؤں کو جن کو باطنی اور خارجی کہہ سکتے ہیں۔ پورے طور سے برسرِ کار آ جانا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں بہت سے ہادیانِ بانی پیدا ہوئے جنہوں نے انسان کو مادیت کی دلدل سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ اور عالمِ روحانی سے وابستہ کرنے کی تدبیریں بتائیں۔ حضرت محمد صلعم اور حضرت مسیح دونوں نے مادی ترقیات کے نقائص اور انکی کمزوریوں کو ظاہر کیا۔

لیکن پادریوں اور پنڈتوں کے ہاتھوں دونوں کی تعلیمات مکدر ہو گئیں ۔ پادری لوگ عموماً اپنی طاقت لوگوں میں خوف الٰہی پیدا کر کے قائم رکھتے ہیں ۔ وہ لوگوں کو ایک ناراض خدا کا تصور دلاتے ہیں اور دوزخ کے عذاب کی تصویر نہایت خوفناک رنگوں میں طیار کرتے ہیں ۔ الغرض بعثت رسول عربی کے وقت انسانی ترقی بالکل رک گئی تھی +

آپ کی کامیابی کی عظمت کا صحیح تصور کرنے کیلئے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ابتدائی انسان کو حیوان کو صرف یہ فوقیت حاصل ہے کہ اسمیں غور و فکر کی قوت پائی جاتی ہے ۔ اگرچہ اسمیں بھی حیوانی جذبات موجود ہیں لیکن ان کو تسکین دینے کی کوشش میں وہ اپنے اعضاء کو قوت ارادی کے ماتحت لا سکتا ہے وہ فکر کر سکتا ہے لیکن اس کے خیالات اپنی ذات میں مرکوز ہوتے ہیں ۔ برخلاف اسکے ایک مہذب انسان صرف بھی توجہ رکھتا ہے ۔ بلکہ مجرد فکر بھی جسکے بغیر کوئی سائنٹفک تحقیقات نہیں کی جا سکتی +

چونکہ ارتقاء کا اصول نظر انداز کر دیا گیا تھا ۔ اسلئے نبی کریم صلعم کا پہلا کام یہی تھا ۔ کہ اس اصول کو دوبارہ قائم فرمائیں ۔ مذہبی پیشواؤں کا طریق یہ تھا ۔ کہ معدودے چند آدمیوں کو تعلیم دی جائے ۔ اور عامۃ الناس جہالت میں رہیں ۔ آپ نے برخلاف اسکے یہ کوشش فرمائی ۔ کہ عام لوگوں میں بیداری پیدا ہو ۔ اور وسیع پیمانہ پر ترقی کا کام جاری ہو سکے ۔ بظاہر آپ کی تجویز نہایت سادہ معلوم ہوتی تھی لیکن غور کرنے سے اسکی عظمت عیاں ہو سکتی ہے ۔ عامۃ الناس کو مجرد فکر کا عادی بنانا تھا ۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا ۔ وہ خود غرضی کے ماتحت ۔ خدائے فطرت کو معبود بنایا گیا تھا ۔ اور انھیں خوش رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی +

آپ نے ان سب باتوں کو یکسر بالائے طاق رکھدیا اور یہ تعلیم دی ۔ کہ الٰہی قوت ہر جگہ موجود ہے کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ لوگ خود بخود مجرد فکر کے عادی ہو گئے ۔ اور یہ بات انکے ذہن نشین ہو گئی ۔ کہ وہ طاقت مہربان اور رحیم ہے +

اس طرح لوگوں کے دلوں سے خوف کا انتزاع ہو گیا ۔ اور اس خیال سے جب یوم جزا و سزا قائم ہوگا تو وہ طاقت غالب آئیگی ۔ لوگوں کے اندر اعتماد کی روح پیدا ہو گئی ۔ دوسرے لفظوں میں لوگ بیخوف ہو کر مجرد فکر میں مشغول ہو گئے تخیل کی یہ بلندی مؤذن کی بانگ سے ذہن نشین ہو گئی ۔ اور تہذیب و تمدن کی راہیں کھل گئیں ۔

موجودہ سائنس نے خیال کی قوت کو دریافت کیا ہے ۔ اور شریعت کے ساتھ اس گم شدہ حقیقت کو

دوبارہ دریافت کیا ہے۔ کہ حقیقی عالم وہ ہے۔ جہاں خیال کو دوام حاصل ہے اور وہاں خیالات ہی اشیاء ہیں۔ جب اس علم کی روشنی میں ہم یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ گذشتہ تیرہ سو سال سے لکھو کہا انسانوں نے یہ صداقت لوگوں کے ذہن نشین کر دی ہے۔ تو ہمارے دلوں میں اس بڑے پیغمبر کیلئے شکرگزاری کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے وہ عظیم الشان روحانی قوت کا خزانہ قائم کر دیا ہے۔ جو آیندہ خطرناک زمانہ میں انسانوں کے کام آسکتا ہے +

ہمارا جذبہ شکرگزاری صرف زمانہ ماضی ہی سے وابستہ نہیں ہے۔ اگرچہ یہ کامیابی بھی عظیم الشان رہی ہے۔ آپ کے پیغام کا اہم ترین حصہ ہماری موجودہ اور آیندہ ضرورتوں سے متعلق ہے۔ موجودہ متمدن دنیا کو دیکھتے ہوئے یہ بات ظاہر ہے۔ کہ روحانی عوالم کی تحقیقات، جسکے ضمن میں مشکلات بھی لاحق ہیں۔ عنقریب شروع ہونیوالی ہے۔ ایتھر سالمات، برق پاروں، ٹیلی پیتھی اور ٹیلی کائینس کے مظاہر کی تحقیقات بہت جلد ہمارے نازک ترین سائنٹیفک آلات کی دسترس سے باہر ہو جائینگی۔ اس امر پر دلائل موجود ہیں۔ کہ انسان میں بہت سی مخفی اور غیر معلوم قوتیں موجود ہیں، جن کی بدولت آیندہ تحقیقات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جائیگا جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے لفظوں میں، لوگوں کا رجحان اب دوبارہ باطنی ذرائع سے علم حاصل کرنے کی طرف ہو گیا ہے۔ اس راہ میں خطرات بھی ہیں۔ انمیں سے ادنے درجہ کا خطرہ یہ ہے۔ کہ ہم بنی نوع آدم کے دلی خیالات سے بغیر اُن کی مرضی کے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ طاقتیں **ریڈیو، سینما، ٹیلی وژن** وغیرہ کی طرح بین الاقوامی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آجائیں، تو شخصی آزادی کا خاتمہ ہو جائیگا اور ایک نہایت ہی ادنٰے درجہ کی غلامی کا دور دورہ ہو جائیگا +

اس نازک موقعہ پر ہم کو اس عظیم الشان پیغمبر کا آخری خطبہ یاد آتا ہے۔ آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور لوگ آپ کے الفاظ تمام مجمع میں پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔ اور لوگوں پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ شاید یہ آپ کی آخری تقریر ہے۔ اسی لئے انھوں نے غیر معمولی توجہ سے آپ کے پیغام کو سُنا کہ سب لوگ آپسمیں بھائی بھائی ہیں۔ اور بھائی کی عزت اسی قدر محبوب ہونی چاہیئے جسقدر اپنی ذاتی عزت۔ اس سے بڑھ کر اخوت کی طاقت کے صحیح استعمال کی مثال شاید ہی دنیا میں کسی نے پیش کی ہو۔ ہر مومن کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزین ہو گئی۔ کہ میں ایک باعزت ہستی ہوں۔ اور مجھے ایک معزز انسان کی طرح برتاؤ کرنا چاہیئے پس جو لوگ ایک ہمہ گیر آسمانی

قوت پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ کبھی دوسروں کے ذاتی معاملات کی ٹوہ میں رہنا پسند نہیں کرسکتے خواہ باطنی قوتوں کی نشوونما سے انھیں استعداد ہی کیوں نہ حاصل ہو گئی ہو +

آخر میں آپؐ نے حکم دیا کہ کسی مومن کو حق نہیں کہ اپنے بھائی سے اسکی مرضی کے خلاف یا چیز طلب کرے۔ گویا آپ نے موجودہ "اشتہار بازی" کے طریقوں کی جنکی بدولت دکاندار مختلف پیرایوں میں لوگوں کو اپنی استطاعت سے بڑھ کر خرچ کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں سخت مذمت فرمائی ہے +

"بنی نوع آدم دو حصوں میں تقسیم ہوتے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو دوسروں کے اندر خوف پیدا کرکے اُن پر حکمران ہونا چاہتا ہے۔ دوسرا وہ جو باہمی اعتماد اور ترقی کا حامی ہے۔ اور ایک عظیم الشان جنگ اصولی عنقریب پیدا ہونے والی ہے۔ اور قبل اس کے کہ فطرت کی قوتیں زیر نگین آئیں۔ اسی تنازع کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ گویا یوم جزا نزدیک آگیا ہے۔ قرآن مجید کی افتتاحی آیات فیصلہ کا بار بار اعلان کر رہی ہیں۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ دنیا بھر کے مسلمان جو ایک مرکزی حیثیت کے مالک ہیں، اس امر کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کہ بنی نوع آدم کی ترقی میں اب کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہونی چاہیئے +

اسلام اور مسیحیت میں ذاتی جائداد

مسیحی مذہب جیسا کہ وہ نظر آتا ہے، امرا کی جیبوں میں راہ نہیں پا سکتا۔ ان کو اختیار کُلّی حاصل ہے کہ اپنی دولت کو جس طرح چاہیں صرف کریں۔ وہ اپنی دولت کو جہانتک جی چاہے بڑھا سکتے ہیں۔ حتّٰی کہ غریبوں کا گلا گھونٹ کر رکھ دیں۔ اور موجودہ مادی تہذیب میں یہی ہو رہا ہے اگرچہ **ٹیکس وفات** اور **ٹیکس بالائی** اس مشکل کو حل کرنے کے لئے نافذ کئے جا چکے ہیں۔ لیکن اُن کے مؤثر ہونے کے باوجود اگر ایسا ہو۔ تو یہ بات یقینی ہے کہ ان کا نفاذ مسیحیت کا شرمندۂ احسان نہیں ہے۔ بلکہ یہ انسانی غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ اور ارباب دولت ان باتوں کا مقابلہ اپنی دولت کا بیمہ کرا کر کرتے ہیں +

سوال یہ ہے۔ کہ دولت کے اس طرح معدودے چند آدمیوں کے ہاتھ میں جمع ہو جانے سے تمدن میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا ازالہ کس طرح کیا جائے ؟

مسیحیت اس مشکل کا کوئی حل پیش نہیں کر سکتی سینٹ پال کے پادری صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ کہ حضرت یسوع نے اس بارہ میں کوئی اصول بیان نہیں کیا۔ کیونکہ وہ موجودہ صنعتی تمدن کے حالات میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوتے (دیکھو لونگ سٹینڈرڈ ۱۹۔ اپریل ۱۹۳۱ء) لیکن یہی وہ بات ہے۔ جو ایک مسلمان کی نگاہ میں، کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ اور وہ اسے حضرت یسوع کی تعلیمات میں ایک بڑا نقص تصور کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ کہ صنعتی تمدن جدید میں ساری دشواریاں اسی لئے لاحق ہوئی ہیں۔ کہ مسیحی مذہب ان معاملات کے متعلق بالکل خاموش ہے جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہے۔ اسلام مسیحیت کے انہی نقائص کو دور کرنے کے لئے آیا ہے۔ کیا اچھا ہو اگر ہمارے مسیحی دوست اس زاویۂ نگاہ سے اسلام کا مطالعہ کریں +

پادری مذکور کو اسی مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہے۔ جو اُن کے اس فقرہ سے ظاہر ہے۔ کہ چونکہ ہم مسیحی ہیں۔ لہٰذا ہم یہ جاننے کے خواہشمند ہیں۔ کہ انجیل اور کلیسیاء اس مسئلہ پر کیا روشنی ڈالتی ہیں ؟ اسکے بعد وہ اپنی رائے یوں تحریر کرتے ہیں +

یسوع فلسطین شمالی کی ایک جفاکش قوم سے تھا۔ اور اس کا زاویۂ نگاہ **ورڈسورتھ** کی مانند تھا۔ وہ پہاڑوں اور بچوں کو عزیز رکھتا تھا۔ سادگی سے رہتا تھا۔ اور یہ خیال کرتا تھا۔ کہ حصول اور خرچ سے ہماری قوتوں میں کمی واقع ہوتی ہے۔ وہ کسی لالچی آدمی کو چور نہیں قرار دیتا۔ لیکن اُسے بیوقوف ضرور کہتا ہے۔ اس نے عموماً دولتمندوں کو مذہب سے بیگانہ پایا۔ کیونکہ الکامعیانقدز اصُولی طور پر غلط تھا۔ لیکن وہ ریاکار دُنیا پرست اور سنگدل لوگوں کے بہت خلاف تھا۔ اور اس قسم کے لوگ ہر طبقہ میں پائے جاتے ہیں +

تعلیم عامہ کے دوران میں وہ مختصر مقولے بیان کرتا تھا۔ جیسا کہ عموماً ناصحین کو کرنا پڑتا ہے مثلاً وہ ہم سے کہتا ہے۔ کہ ہم مارنے والے کے سامنے اپنا دوسرا رخسار بھی کر دیں۔ لیکن جب اسکے ساتھ یہ سلوک ہُوا۔ تو اُس نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ مدافعت کی۔ اُونٹ اور سُوئی کا قصہ ضرور مبالغہ آمیز ہے۔ جب لوگوں نے اُس سے دولت کے نظم و نسق کی درخواست کی۔ تو اس نے کہدیا کہ یہ میرا کام نہیں "خبردار لالچ نہ کرنا" +

وہ سمجھتا تھا۔ کہ ایک جفاکشی کی زندگی یقیناً بہترین زندگی ہے لیکن اس کے مزاج میں انقلاب پسندی بالکل نہ تھی۔ وہ زندگی کے غیر ضروری لوازم کو ناپسند کرتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں ہماری توجہ کو اصل مقصود سے ہٹا دیتی ہیں۔ ہم مختصر طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ انجیل ایک انقلابی آئیڈیلزم ہے۔ جو دُنیاوی دولت کو مٹانا چاہتی ہے۔ لیکن وہ قلب انسانی میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے خارجی حالات سے تعلق نہیں رکھتی۔ قدامت پسند اُسے اسلئے پسند نہیں کرتے۔ کہ اسمیں انقلابیت پائی جاتی ہے اور انقلابی اسلئے پسند نہیں کرتے۔ کہ اسمیں آئیڈیلزم بھی موجود ہے۔ باہمی جنگ میں دونوں پہلو غیر مسیحی ہیں۔ کیونکہ دونوں کا معیار منزلت یکساں ہے۔ اور اس کو یسُوع نے "بیوقوفانہ" قرار دیا ہے۔ اسکے خیالات اقتصادی تنازعات سے جُدا گانہ شاہراہ پر تھے +

کیتھولک کلیسیا کی تعلیم ذاتی جائداد کی نسبت کیا ہے؟ اس سوال کو عُلماء نے بہت کُچھ موضوع بحث بنایا ہے۔ پھر سوال "قانون فطرت" پر آکر قرار گیر ہُوا۔ یہ تو روائتی تخئیل تھا۔ اور روائتی فقہا بھی اس مسئلہ میں متفق اللسان نہیں تھے بعض کا خیال یہ تھا۔ کہ ذاتی جائداد مطابق فطرت نہیں ہے اشتراکیت کا اصول مناسب ہے +

کیتھولک حل اس مسئلہ کا یہ ہے۔ کہ اگرچہ ہبوط آدم سے پہلے ذاتی جائداد کا وجود نہ تھا اور اگرچہ جنت میں یہ بات نادار ہوگی لیکن انسان کی پست حالت کے موافق ایک اضافی قانون فطرت ضرور ہے۔ اور یہ قانون جو آج ہر کس و ناکس کے لئے معین ہے ذاتی جائداد کو جائز قرار دیتا ہے +

جو لوگ آسانی زندگی بسر کرنا چاہیں اُن کے لئے دُنیا ترک کرنا اور خانقاہ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ اسلئے آج کے دن تک کوئی کیتھولک شخص اشتراکی نہیں ہوا۔ اس فیصلہ سے صرف چند لوگوں نے اختلاف رائے کیا +

جن میں سے اناببیٹسٹ فرقہ زیادہ مشہور ہے۔ انکے اصُولوں کی انگلستانی عقاید مذہبی میں تردید کی گئی ہے۔ جہانتک یہ لکھا ہے "مسیحی کی جائداد مشترکہ چیز نہیں"۔

کلیسیاء نے صدقہ کو پسند کیا ہے۔ اور بے ایمانی سے دولت جمع کرنے کو مذموم قرار دیا ہے۔ کیونکہ ملکیت کے متعلق اس کا رجحان بالکل قدامت پسندانہ رہا ہے۔ مسیحی اصُول یا عمل میں اس خیال کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ تمام دولت حکومت کی ملک ہے۔ اور یہ بات ہے غلط +

پادری صاحب مذکور کے خیالات پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے۔ کہ اُنھوں نے اپنے بیان کو بالکل مبہم اور مجمل رکھا ہے۔ کیا دُنیا کے مسائل کا حل محض فلسفیانہ اصُول اسای اور مواعیظ کی بدولت ہوسکتا ہے؟ کسی مذہبی نظام کی خوبی تو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ وہ کسی مسئلہ کے مالۂ وما علیہ پر اس وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالے۔ کہ عامۃُ النّاس کے حقوق محفوظ ہوسکیں۔ اور اسلام کو اس رنگ میں مسیحیت پر ایک خاص فوقیت حاصل ہے +

اسلام نے دنیا کی عظیم الشان دولت کو ضبط و نظم کے اندر رکھنے کیلئے کیا اصُول وضع کیا ہے؟ تاکہ وہ ذخیرہ محض چند افراد کے ہاتھوں میں محدُود نہ ہوجائے۔ مسیحیت کے برخلاف اسلام نے قوانین مُعین فرمائے ہیں جس پر انسانی تمدّن کو صحیح طور پر قائم رکھنے کیلئے ایک عمارت تعمیر ہوسکتی ہے اسلئے اسلام نے ہمیں "ذاتی دولت" کا صحیح مفہوم بھی بتا دیا ہے +

بیشک اسلام ذاتی دولت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن وہ دوسرے مذاہب سے اس بات میں ممتاز ہے کہ اس نے ہر اُس شخص پر جو اپنی اعلےٰ قابلیت کی بناء پر دوسروں سے زیادہ دولت کماتا ہے یہ بات

فرض قرار دی ہے۔ کہ وہ اپنی دولت کا ایک حصّہ ان لوگوں کے فائدہ کیلئے وقف کردے، جن کو حالات سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔

"اے مسلمانو! اپنے اقرباء، حاجتمندوں اور مسافروں کو اُن کے حقوق دو (سُورت ۳۰ آیت ۳۸) یہ حق جو خالص اسلامی فریضہ ہے زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ اور کل دولت پر ۲½ فیصدی کے حساب سے ادا کیا جاتا ہے، جو سال بھر تک کسی شخص کے قبضہ میں رہے۔ اس ٹیکس کو مساکین اور غرباء پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی نظام کی بدولت انسانوں میں ہمدردی کے جذبات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور جب مفلس لوگ، اپنے دولتمند محسنوں کے لئے جذباتِ شکر، اپنے دلوں میں محسُوس کرتے ہیں۔ تو اس احساس کی بناء پر تمدّن اُستوار بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے +

علاوہ بریں اسلام نے قانون انتقال دولت علیٰ خلفِ اکبر سُود خواری جس کی بدولت ایک شخص کو بغیر مشقت دولت حاصل ہوتی ہے۔ اجارہ اور ٹھیکہ داری اخذ نفع کثیر اور سٹہ بازی وغیرہ ان سب باتوں کو ناجائز قرار دیا ہے +

اسلامی ممالک میں ذاتی جائداد تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس طرح خاندان کے ہر فرد کو اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے ایک مستقل سرمایہ حاصل ہو جاتا ہے۔ عیسائی ممالک میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ علاوہ بریں ہمارے لئے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ اب حالات سے متاثر ہو کر مسیحی ممالک بھی قانونِ انتقال دولت علےٰ خلفِ اکبر کو خیر باد کہ رہے ہیں۔ گویا اسلام کے تمدنی نصب العین کے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں +

اسلام کے متعلّق ایک انگریز کی رائے

مسٹر سینٹ جان فلبی آئی سی ایس اہل عرب کے متعلّق بہت مستند معلومات رکھتے ہیں حال ہی میں اُن کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر انگریزی جراید میں شائع ہوئی ہے۔ ڈیلی ھیرلڈ بابت ۸ ستمبر ۱۹۳۰ء میں انہوں نے ذیل کا بیان شائع کیا ہے :-

ئیں آج سے کئی سال پہلے قبول اسلام کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اور یہ تبدیلی میرے اندر وہاب
کا مطالعہ کرنے سے پیدا ہوئی تھی، جو سلطان ابن سعود ایدہ اللہ کی وجہ سے برسراق
آگئی ہے۔ مجھے اس امر کا یقین ہے۔ کہ انگلستان کی موجودہ عظمت کرامویل کے پیوریٹن
کے زمانہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ اُن کی بناء پر انگلستان میں مضبوط اخلاقی بنیادیں قائم ہوئیں جن
آیندہ چلکر ذہنی اور روحانی عمارت تعمیر کی گئی۔ اسی طرح میں خیال کرتا ہوں کہ موجودہ وہابی
کی بنیاد پر عرب کی آیندہ سیاسی عظمت کا قصر مبنی ہو گا +

علاوہ بریں میں اسلامی نظام اخلاق کو حقیقی جمہوری برادری کا باعث خیال کرتا ہوں اور
برکت ہے۔ کہ اسلام میں ناجائز ولادت کا مذکور نہیں۔ اور عربوں کی اخلاقی حالت کا معیار
بلند ہے۔ اور یقیناً یورپ کے ضابطہ اخلاق سے جو مسیحیت پر مبنی ہے بہت ارفع اور اعلیٰ ہے۔ میرے
اعلان اسلام میں جو تاخیر واقع ہوئی اس کا سبب چند سیاسی امور تھے جو اب میری راہ میں حائل نہیں

ترقی عرب:۔ کُل مسلم دنیا اس بات سے خوش ہوگی۔ کہ عرب کا ملک سلطان ابن سعود کی دانشمندانہ
نگرانی میں اتحاد کی طرف گامزن نظر آتا ہے۔ اور صوبہ عسیر پر ان کا اقتدار قائم ہو جا
مقصد کی تکمیل میں ایک بڑی حد تک معاون ہے۔ علاوہ بریں حجازی حکومت اختراعات
جدیدہ سے بھی فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ لاسلکی کا سلسلہ بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کا مقصد تعلیمی اطلا
کا شائع کرنا نہیں ہے۔ لیکن اس اقدام سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آیندہ بھی مفید اصلا
عمل میں آئینگی۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ سلطان موصوف کی حکومت ان اختراعات سے مکہ معظمہ کو مرکز
حیثیت دینے میں کس حد تک کوشش کرتی ہے۔ اور اس دن کا انتظار بیجا نہیں ہے۔ جب
مکہ معظمہ سے اذان کی آواز بذریعہ لاسلکی چار دانگ عالم میں منتشر کی جایا کریگی اللہ
سلطان موصوف اور اُن کے وزراء کو نیک توفیق عطا کرے تاکہ
وہ ایک متحدہ عرب حکومت قائم کرسکیں +

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

موضوع بالا پر حضرت خواجہ صاحب موصوف نے قرآن کریم پر ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع فرمادی ہے جسمیں آپ قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرینگے جس سے ظاہر ہوگا کہ اسلام ہی اسوقت ایسا زندہ جاوید مذہب دنیا کے لیے ہے جو دنیا کو مصائب حاضرہ سے بچا سکتا ہے محترم مکرم حضرت خواجہ صاحب ممدوح نے گزشتہ سترہ سالوں میں مغربی رجحان طبع کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے ہمیں امید کامل ہے کہ یہ کتاب اہل مغرب کے دلمیں کھُب جائیگی۔ اور اس سے اسلام کے متعلق اہل مغرب کے قلوب میں ایک والہانہ تقاضا پیدا ہوجائیگی۔ اور اُنکے دل محبت اسلام سے معمور ہوجائینگے۔ یہ کتاب اُنکے دلمیں مطالعہ قرآن کی ایک حقیقی و سچی تڑپ پیدا کردیگی جس سے انشاءاللہ حسب دلخواہ شاندار نتائج مرتب ہونگے ہمیں یقین کامل ہے کہ کتاب مذکورہ کے مضامین جو بالاقساط فی الحال رسالہ اسلامک ریویو میں شائع ہورہے ہیں اور جسکا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع ہورہا ہے۔ اہل مغرب و دیگر متلاشیان مذہب حقہ کو قائل کردینگے کہ اسلام ہی دنیا میں ایک سچا مذہب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کتاب مذکورہ کی یورپ میں کثرت سے مفت اشاعت ہو۔

اپنے نتائج تبلیغ میں دو بے نظیر کتابیں

جن شاندار نتائج نے مصنف کو تمدن اسلام کے لکھنے پر مائل کیا یعنی

ینابیع المسیحیت و نبوۃ کا ظہور اتم

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی مسلم مشن ووکنگ

یہ وہ دو کتابیں ہیں جنہیں سے اگر اول الذکر کتاب نے عیسائی مذہب کا کامل انہدام کیا تو دوسری کتاب نے مغربی قلوب میں اس انہدام کے بعد تعمیر اسلام شروع کی۔ اگر ینابیع المسیحیت نے یہ ثابت کردیا کہ مروجہ عیسائیت کا ایک بھی ایسا عقیدہ نہیں مثلاً ابنیت، الوہیت و کفارہ مسیح اُن کی ایک بھی ایسی رقم نہیں

مثلاً عشائے ربانی و دیگر اجزائے سکرامنٹ ایسا ہی انکا ایک ہی تہوار مثلاً کرسمس۔ ایسٹر گڈ فرائڈے وغیرہ جو سب کے سب مسیح سے صدیوں پہلے مروجہ مذہب کفریات میں ہو بہو موجود تھے حتیٰ کہ جناب مسیح کے بیس ایک نام جو کلیسیا نے تجویز کیے ہوئے ہیں اور ایسا ہی وہ کلمات جو انجیل نویسوں نے جناب مسیح کی طرف منسوب کیے ہیں وہ سب کے سب قبل از مسیح کنواری زادہ دیوتاؤں کے نام تھے۔ اور وہ الفاظ بھی اُن ہی کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ گویا مروجہ عیسائیت مذہب کفریات کا ایک کامل چربہ ہے یہ بدیہہ ہے کہ یہ واقعات جن کو مستند طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور جو آج سات برس تک لاجواب ہیں۔ وہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے بیزار کرنیکے لیے کافی تھے چنانچہ مغرب میں یہ امر شروع ہو گیا سلسلہ میں انہدامی کتاب کے بعد فاضل مصنف نے ضروری سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمد عربی کو پیش کیا جائے چنانچہ آپنے انگریزی میں ایک کتاب آئیڈیل پرافٹ لکھی جسنے آنحضرت صلعم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت دلکش پیرایہ میں پیش کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی ان دو کتابوں نے جو نتائج پیدا کیے وہ شاید ہی کسی اور کتاب سے مرتب ہوئے ہوں۔ دو صد سے اوپر نفوس ان کتابوں کو پڑھکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سوال ان ہی دو کتابوں نے مصنف کو تعلیم قرآن پر ایک لکھنے کیلئے مجبور کیا جو اب تمدن اسلام کی شکل میں پیش ہوتی ہے۔ یہ تینوں کتابیں اس قابل ہیں کہ کوئی مسلم گھر ان سے خالی نہ ہو۔ انکے مطالب تو خود بخود اپنی علو شان ظاہر کرتے ہیں لیکن کتابیں اپنی زبان کے لحاظ سے بھی انگریزی و اردو کا ایک بہترین لٹریچر ہے پھر پیرایہ بیان کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ کتاب شروع کرکے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا یہ اشتہاری الفاظ نہیں۔ اسکا ثبوت اسی کتاب تمدن اسلام سے مل سکتا ہے۔ لکھائی چھپائی۔ تقطیع۔ کاغذ۔ حجم سب کے سب صحافت کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ پھر ان سب باتوں کے باوجود ان کتابوں اشاعت عامہ کی خاطر قیمت میں بہت رعایت کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

ینابیع المسیحیت	نبوت کا ظہور اتم	تمدن اسلام حصہ اول
[illegible]	[illegible]	[illegible]

ذیل کے پتہ سے یہ سب کتابیں مل سکتی ہیں

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

بابت ماہ اپریل ۱۹۳۱ء

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے سالانہ

قیمت پانچ روپیہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

التماس، درخواستہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۳۱ء

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

فہرست مضامین

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء مطابق ذیقعد سنہ ۱۳۴۹ھ | نمبر ۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء نمبر ۴

آج ۲۸ تاریخ تک بھی ولایت سے تازہ تصویریں نہیں آئی۔ اگر ایک ہفتہ میں آگئی۔ تو حسب معمول دیجائیگی۔ ورنہ ہمیں قابل معافی سمجھا جائے +

اشاعت قرآن

گذشتہ پچاس سال سے بین طور پر مسلم قوم رو بہ انحطاط تھا۔ آج ہم پستی کے ادنے سے ادنے مقام پر جا کھڑے ہوئے۔ بالمقابل جنہیں ہم بزدل زرپرست اور اپنا محتاج سمجھتے تھے۔ وہ میدانِ ترقی میں دن بدن تیزی سے ساتھ قدم اٹھا رہے ہیں۔ بہت سی کوششیں اصلاح کی ہوئیں۔ لیکن ناکامی نظر آئی۔ مگر جس امر کو ہم سب اصلاح و فلاح کی حقیقی راہ سمجھتے ہیں۔ اُسی کی طرف ہم متوجہ نہیں ہیں۔ ہم سب کا ایمان کہ قرآن ہی ہر فلاح و بہبودی کا موجب ہوسکتا ہے۔ دُنیا کی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ اور متمدن سے متمدن اقوام کے رہنما اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس نے پیدا ہو کر دُنیا میں انقلاب عظیم پیدا کیا۔ یہی ایک کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ جس نے ہر قسم کے بہبودی و فلاح کے رستے بتائے۔ حالی سے لیکر آج تک مختلف حکماء مختلف ریفارمر یہی رونا روتے گئے۔ سب نے ہماری موجودہ پستی کا باعث ہماری عدم توجہ قرآن ہی بتلائی۔ میں اپنی بیماری میں بار بار اس مضمون کو سوچتا

رہا۔ اور میرے نزدیک میرا کہنا تحصیل حاصل ہوگا۔ اگر میں اس بات پر زور دوں
کہ یہی عدم توجہ ہماری تباہی کا موجب ہے۔ ہاں میں یہ ضرور کہتا ہوں۔ کہ ہم سب کچھ
ہی کہتے ہیں لیکن ہم توجہ نہیں کرتے۔ ہمیں اگر ذرا بھی خیال ان مصائب سے نکلنے
کا ہوتا۔ تو ہم دیوانہ وار قرآن کی طرف توجہ کرتے۔ ہم رات دن ان راہوں کی تلاش میں
لگ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے۔ جو قرآن ہمیں تعلیم کرتا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ کہ
ایک طرف تو قرآن پر ہم اس قدر مضبوط ایمان رکھتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے اعمال
اس امر کی تغلیط کرتے ہیں۔ گو یہ نظارہ یاس افزا ہے۔ مگر میں اسی خیال کا ہوں کہ تاقید حیات
مسلم بھائیوں کو قرآن کی طرف ہی متوجہ کروں۔ میں نے گذشتہ پندرہ بیس سال میں موجودہ
متمدن قوموں کے اُتار و چڑھاؤ کے اسباب پر غور کیا۔ تمدن کی تاریخیں دیکھیں مغربی علماء
کے اقوال پڑھے۔ مجھے تو ہر بات میں یا قرآن کا تتبع نظر آیا۔ یا میں نے قرآن کو اصل پایا
جب سے میں نے کئی سالوں کی بیماری کے بعد اپنے میں صحت کے آثار دیکھے میں نے
یہ حتمی وعدہ کر لیا۔ کہ قرآن کے نصائح کو مسلم بھائیوں کے سامنے پیش کروں۔
اسلامک ریویو میں میں نے قرآن پاک پر سلسلہ مضامین شروع کر دیا ہے۔ اور منتظمان رسالہ
اشاعت اسلام نے بھی پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ کہ ان مضامین کا ترجمہ اس رسالے کے ذریعہ
شائع کرتے رہیں میں تو اسے اپنا فرض اور وظیفۂ زندگی قرار دیتا ہوں میں وہ کرتا
ہوں۔ جس کے لئے میرا ایمان مجھے مجبور کرتا ہے۔ میرا دل مجھے یہی کہتا ہے۔ کہ اگر میں قبر
سے واپس لایا گیا۔ حالانکہ تین دفعہ میں کالمیت ہو گیا۔ اور کل طبی مشیر میری طرف سے
مایوس ہو گئے۔ تو میں صرف خدمت قرآن کیلئے اس فضل الٰہی کا مورد ہوا ہوں۔ میں
نہیں کہتا۔ کہ میں کسی بہترین تفسیر کے لکھنے کیلئے طیار ہوا ہوں۔ خدا کے افضال کے
کے مورد صدہا لوگ ہیں۔ میں وہ روتا روتا ہوں جو قوم کی حالت دیکھ کر مجھے رلا رہا ہے
میرے نزدیک ہماری مصیبت کا علاج یہی ہے۔ کہ ہم قرآن پر عمل کریں + قرآنی اخلاق سے
مزین ہوں تو ممکن نہیں۔ کہ ہم کسی سے پیچھے رہ جائیں۔ ہم ہی مذہبی دلدل سے نکل کر
قرآنی حقائق کو ہم اپنا مذہب بنا لیں تو ہم سب کے سرتاج ہونگے +

میرے کاروبار مصلحتاً تاجرانہ نہیں ہیں نے چلتی وکالت کو چھوڑا۔ اور میں اس فن کا
ایک ماہر تریں انسان تھا۔ میں نے تمدن حال کے مطالبات کو سامنے رکھ کر درویشانہ زندگی
اختیار کرلی۔ اور قلم سے خدمت قوم شروع کی۔ لیکن اس کا حقیقی قائل تو ہی ہوگا۔ اگر
میری باتیں غیر محصور مسلمانوں تک بغرض عمل پہنچ جائیں۔ خدا کا احسان ہے کہ اسلامک ریویو
تصرف اہل مغرب کو اسلام کی طرف لا رہا ہے۔ بلکہ مسلم تعلیم یافتوں کی ایک بڑی تعداد خود
اسلامک ریویو کے ذریعہ اپنے ایمان اسلام میں پختہ ہو چکی ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ
اسلامک ریویو کو تمام طور پر مغربی لائبریریوں میں بھیجا جائے۔ اسکی قیمت بھی اس کام کیلئے کم کر دی گئی
ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلم احباب بکثرت سے ایک ایک کاپی اپنی طرف سے مغربی لائبریریوں
میں بھجوادیں۔ آج تک بھی یہ طریق بہت مفید ثابت ہوا۔ ایک پانچ روپے خرچ کرکے ہم
گھر بیٹھے سینکڑوں نفوس میں تبلیغ اسلام کا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی بات
یہ ہے کہ ہم خود تعلقات قرآن سے واقف ہونے کے محتاج ہیں۔ اس لئے از بس
ضروری ہے۔ کہ ہم اسلامک ریویو یا رسالہ اشاعت اسلام
کو خود پڑھیں اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی طرف متوجہ کریں۔ یہ میری دردمندانہ
خواہش ہے۔ اور یہ اشتہار آپ کی خدمت میں میں اسلئے بھیجتا ہوں۔ کہ آپ بالضرور
محض قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ریویو یا رسالہ اشاعت اسلام کے
خریدار بن جائیں۔ اسمیں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں محض پڑھنے والوں کے فائدہ کو
سامنے رکھ کر میں نے یہ سطور لکھیں ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے۔ لیکن اس کے رحم کا راستہ
یہی ہے کہ ہم اسکی باتوں کو سنیں۔ اور اس پر عمل کریں +

خواجہ کمال الدین

فٹ نوٹ:۔ اسلامک ریویو کا سالانہ چندہ ساڑھے سات روپے ہے لیکن جو صاحب ایسے لائبریریوں میں بھجوانا
چاہیں ان سے صرف پانچ روپے سالانہ لیں گے۔ دفتر کیطرف سے تعین پوسٹل سیلپ کی جائیگی کہ ہم نے انکی طرف سے رسالہ کو بھیجدیا ہے +
اشاعت اسلام کی قیمت ساڑھے تین روپے سالانہ ہے محض توسیع اشاعت کے لئے اسکی قیمت اب کم کر دی گئی ہے جو ساڑھے چار روپے
سالانہ تھی۔ ہندوستان کا کوئی علمی دینی اور مذہبی رسالہ آج تک ایسا نہ پایا گیا ہو جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے اسقدر کم قیمت کا ہو سرپرستان
ہر دو رسالک کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں ان رسالوں کی اشاعت فرمائیں + مینیجر

قرآنی تفسیری نوٹ

از حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

اس عنوان کا ایک سلسلۂ مضامین اسلامک ریویو میں نکلنے کیلئے حضرت خواجہ صاحب نے لکھنا شروع کیا ہے۔ جس کی پہلی قسط اس ماہ ولایت کو بھیجی گئی ہے۔ جو شاید اسلامک ریویو کے جولائی نمبر میں شائع ہو۔ ہم اس کا ترجمہ بمع چند زائد باتوں کے اسی ماہ سے شروع کرتے ہیں + مینیجر

قرآن کریم کی آخری سات سورتیں نہ صرف قرآنی مشن کو تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔ بلکہ ایک طرف پیشینگوئی کے رنگ میں بہترین کامیابی کے اصول بتلا کر اس کامیابی کو پورا کر دکھاتی ہیں۔ بلکہ خاتمے پر قرآن کی بہترین تعلیم کو پیش کر کے ہمیں ان خطرات سے بھی آگاہ کر دیتی ہیں۔ جن کی روک تھام نہ صرف ہمارے اختیار و قدرت سے ہی باہر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ باتیں نامعلوم طریق پر ہماری ترقی میں مانع ہو جاتی ہیں۔ قرآنی سورتوں کا یہ سلسلہ سورۂ الکوثر سے شروع ہو کر سورۂ والناس تک جاتا ہے۔ یہ سورتیں سورۂ النصر کے سوا بالعموم بعثت نبوی کے ابتدائی وقت میں نازل ہوئیں۔ اگر سورۂ الکوثر نے آنحضرت کی کمال کامیابی کی پیشینگوئی کی تو سورہ النصر نے جو آخری الہام قرآن تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پیشنگوئی پر مہر صداقت لگا دی۔ سورۂ الکوثر نے یہ بیان کیا۔ کہ اے محمد (صلعم) ہمنے تجھے کثرت سے خیر و برکت عطا کر دی ہے۔ یہ الہام اس وقت ہوا۔ جب مشکلات اور مصیبت کا نہ صرف سامنا ہی تھا۔ بلکہ خیر و برکت کا وہم تک بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس سورہ شریف کے بعد ہی سورۂ الکافرون آتی ہے۔ جسمیں کفار کو اعلان ہوتا ہے۔ کہ اگر تم اپنے مذہب پر قائم ہو تو میں اپنے مذہب پر۔ عنقریب لکم دینکم ولی دین کا نظارہ دیکھ لینگے یعنی تمہیں تمہارے مذہب کے نتائج مل جائینگے۔ اور مجھے میرے عقاید کے نتائج ملجائینگے۔ یہ ایک دوسری پیشینگوئی تھی۔ جب مصائب نے آپ کا گھیرا کیا ہوا تھا منا وہ مقام ہے۔ جہاں ہم ایام حج میں میدان عرفات کو جاتے ہوئے قیام کرتے ہیں۔ اور پھر دوسرے دن وہاں سے واپس آ کر شکریہ میں قربانیاں کرتے ہیں۔ یہی وہ مقام تھا۔ جہاں ابتدائی ایام میں آنحضرت صلعم کا لطیفہ

مسکینی کا شکار بننا پڑا۔ اور عمائدِ عرب نے آپ کے ساتھ کامل مقاطعہ کیا۔ آخر ایک دن آگیا جب نصرت و فتحمندی کے ساتھ آپ حجۃ الوداع کیلئے گھر سے نکلے۔ حج سے فارغ ہو کر آپ میدان منا میں پہنچے آپ ایک اُونچے مقام پر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے اردگرد ایک لاکھ چھیالیس ہزار اصحاب کی پُرشوق جماعت تھی۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے۔ جن کو بیس بائیس برس پہلے کہا گیا تھا۔ کہ اسلام ایک دن ہر رنگ میں کفر پر غالب آجائیگا۔ اس اعلانِ ربانی کے اکثر مخاطبین حلقہ بگوش اسلام ہو کر اس میدان میں موجود تھے۔ اس نصرت کو دیکھ کر اور خداوند کے عدوں کو پُورا ہوتے پا کر آنحضرت صلعم چشم پُرآب ہو گئے۔ اور آپ نے آخری خُطبہ فرمایا۔ انہی ایام میں سُورہ النصر نازل ہوئی۔ اور اس نصرت کی تکمیل کی خوشخبری دی۔ جس کا وعدہ برسوں پہلے ہو چکا تھا۔ پیشگوئی (لکم دینکم ولی دین) میں جہاں آپ کی کامیابی کا ذکر تھا۔ وہاں دشمن کے معدوم ہو جانے کا بھی تذکرہ تھا۔ چنانچہ سُورۃ النصر کے بعد سُورۃ لھب آتی ہے جسمیں کُفر کے خاتمے کا بیان ہے۔ سُورۃ لھب کے بعد سورۃ اخلاص آتی ہے جسمیں قرآنی تعلیم کا نچوڑ آجاتا ہے۔ اس میں اُس توحید باری کا ذکر ہے۔ جو اسلام اور کفر میں حقیقی بناءِ تنازعہ تھی۔ جو آخرکار اس زبردست رنگ میں آقائم ہوئی۔ کہ نہ صرف عرب ہی نجاست شرک سے پاک ہو گیا۔ بلکہ عرب کُل دُنیا کو اس اصلاح کے نیچے لے آیا۔ سورۃ اخلاص کے بعد سُورۃ الفلق اور سُورۃ الناس قرآنی ترتیب میں آتی ہیں۔ اُن کی جامعیت کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ ان میں ان دقتوں کا ذکر ہے۔ جو نامعلوم طریق پر پیدا ہو کر ہمیں تباہی کو پہنچاتی ہیں۔ ان امور کا ذکر قرآن کریم نے بالتشریح مختلف مقام پر کیا ہے۔ لیکن خاتمہ پر اگر سورۃ اخلاص میں اس اصول کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ کہ جسمیں کامیابی و فلاح کا راز مضمر ہے تو آخری دو سُورتوں میں ان امُور کا ذکر ہے جو کامیابی کی بیخ کنی کر دیتی ہیں۔ اب ہم ان سات سورتوں کی مناسب تشریح بہ رعایت اختصار کرتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے سورہ الکوثر پر لکھتے ہیں:۔

الکوثر

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

(ہمنے تجھے کثرت سے خیر و برکت عطا کی ہے۔ پس تُو صلات اور قربانی کا پابند ہو جا۔ تیرے دشمن کا نام و نشان تک نہ رہیگا)

انسان کے سخت سے سخت دشمن وہ ہوتے ہیں۔ جو اُس کی کامیابی یا اُسکی صحیح منشاء کے پُورا ہونے میں سدِ راہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔ اور اس کے راستے میں سے تمام مخالفتیں دُور ہو جائیں۔ تو وہ حقیقی فلاح کو پا لیتا ہے۔ یہ سُورہ شریف صرف ایام مصائب میں آنحضرت صلعم کے اطمینان کیلئے ہی نہیں آئی۔ بلکہ کُل انسانوں کیلئے

حصول کامیابی کی ایک بہترین ہدایت اپنے ساتھ لائی۔ ہماری موجودہ مشکلات بھی ایک پہاڑ کی طرح ہمارے سامنے آموجود ہوئی ہیں۔ ایک طرف مصائب بڑھتی جاتی ہیں دوسری طرف دشمن اپنی مخالفت میں بڑھتا جاتا ہے۔ ہمیں بھی سورۃ الکوثر کامیابی کی خوشخبری دے سکتی ہے۔ اگر ہم اسکے دوسرے ارشادات پر عمل کریں وہ احکام یہ ہیں۔ (۱) صلوٰت (۲) قربانی۔ اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ نماز و قربانی سے مرادان احکام کی رسمی بجا آوری نہیں۔ نہ صرف خود قرآن ان امور کو کسی اور رنگ میں پیش کرتا ہے بلکہ ہمارے طریق عمل پر خود ہمارے نوجوان خندہ زن ہیں کہ مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور قربانیاں بھی آئے دن دیتے ہیں لیکن خیر و برکت کی کثرت (کوثر) کے مالک غیر مسلم ہی نظر آتے ہیں۔ حق الامر یہ ہے۔ کہ ہم صرف الفاظ پرستی کرتے ہیں۔ اور حقیقت سے نا آشنا ہو چکے ہیں +

قرآن نے واضح طور پر ہمیں نماز و قربانی کی حقیقت سے اطلاع دی ہے۔ قرآن نے کھلے سے کھلے لفظوں فرمایا۔ اقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر و لذکر اللہ اکبر ط (نماز کو قائم کرو تحقیق نماز بدیوں سے اور فواحش سے روکتی ہے۔ اور خدا کا ذکر بڑی بات ہے) (سورۂ عنکبوت آیت ۴۵) ایسا ہی قربانی کے متعلق فرمادیا ہے۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم (یعنی قربانیوں کا گوشت یا خون خدا کو نہیں پہنچتا۔ اس کے ہاں تقوی (بدیوں سے بچنا) قبول ہوتا ہے (سورہ حج آیت ۳۷) یہ مقدس الفاظ صاف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ رسمی نماز و قربانی اگرچہ احکام الٰہیہ میں ہیں لیکن ان کے مقاصد وہ نہیں جو ہم نے سمجھ رکھے ہیں۔ نماز وہ نماز ہی نہیں جو ہمیں بدیوں اور مکروہوں سے بچنے کی ترغیب نہ دے۔ اس پانچوقتہ نماز کی تو غرض بالفاظ قرآن ہمیں یہی یاد دلاتا ہے۔ کہ ہمیں سیئات اور غلط کاریوں سے بچ کر خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرتے ہیں۔ اور خدا کے اخلاق وہ ہیں جن کے پیدا ہونے پر ~~بھیت~~ فلاح و تہذیب حاصل ہو جاتی ہے کامیابی اسی قوم میں آجاتی ہے۔ اور وہی لوگ خیر و برکت کو پالیتے ہیں جن کے سامنے دو چیزیں ہوں۔ اولاً وہ ان باتوں سے بچیں جو موجب تباہی ہوتی ہیں۔ ان ہی کا نام قرآن نے منکر و فحشاء رکھا ثانیاً وہ ان امور کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جو اخلاق ستودہ ہوں وہ وہ کام کرتے ہیں جو حقیقی نفع کا باعث ہوتے ہیں وہ نفع دولت کے رنگ میں ہو یا کسی اور بہتر چیز کا نام ہو +

یاد رکھنا چاہئے۔ کہ قرآن نے اسی کا نام بدی یا گناہ رکھا ہے۔ جو خیر و برکت کو روکے اور قرآن نے اسی کا نام نیکی رکھا ہے۔ جو انسان کو خیر و برکت کا مالک کرے۔ یہی دو باتیں نمازیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ نماز خدا کی کامل تصویر ہمارے سامنے لے آتی ہے جس کا وجود پاک ہر قسم کی بدی اور نقص سے منزہ اور ہر قسم کی خوبی کا مالک ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے۔ کہ ہم ایسے خدا کو اپنا متبوع بنائیں۔ یعنی اس کی صفت ہی اپنے اندر پیدا کریں +

اب قربانی کا سوال رہ جاتا ہے۔ بدی تو بالبداہت قابل اجتناب ہوتی ہے۔ وہ تو ہم نے چھوڑنی ہی ہے لیکن بعض وقت اچھی چیزیں بھی مقاصد عالیہ کے راہ میں آجاتی ہیں وہ بذات خود بری نہیں ہوتیں لیکن ہمارے

البتہ نصب العینوں کی روک ہو جاتی ہیں ۔ وہ ہمیں چھوڑنی ہی پڑتی ہیں ۔ ان چیزوں کے چھوڑنے کا نام ہی قربانی ہے ۔ قومی مفاد ذاتی مفاد کی قربانی چاہتے ہیں ۔ ذاتی مفاد کا حصول یا اُن کی حفاظت بذاتِ خود ایک اچھی چیز ہے ۔ وہ بجائے خود خیر و برکت کا موجب ہے ۔ لیکن اگر ہم اسکی عزت کریں ۔ تو قوم کو نقصان پہنچتا ہے ۔ قوم کا فائدہ اسی میں ہے ۔ کہ ہم ذاتی مفاد کی پرواہ نہ کریں ۔ ان کے چھوڑنے کا نام قربانی ہے اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے ۔ لن تنالوا البر حتّٰی تنفقوا مما تحبّون ۔ (تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے ۔ جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو نہ چھوڑ دو) کئی اور موقعوں پر فرمایا ۔ کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں ۔ مثلاً اموال ۔ عیال ۔ اطفال ۔ روپیہ پیسہ ۔ مکانات فتنہ ہو جاتے ہیں ۔ یہ چیزیں بذات خود بُری نہیں اور نہ حرام ہیں ۔ یہ وہ اسبابِ زینت ہیں ۔ جن کے حصول کیلئے خود قرآن ہمیں رغبت دلاتا ہے ۔ مگر جس وقت قومی اور دینی مفاد کے روک کا یہ موجب ہو جاتے اس وقت ان کو چھوڑنا ہی لازم ہے ۔ ان آیات میں لفظ **فتنہ** نادانوں کی ٹھوکر کا موجب ہُوا ہے ۔ فتنہ کے معنے آزمائش کے ہیں ۔ آزمائش کا مقام اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی بہتر چیز کے حصول کیلئے ہم محبوب یا جائز چیز کو چھوڑ دیں ۔ ورنہ ناجائز چیز کو چھوڑنا کوئی موجب آزمائش نہیں ۔ اس سے تو قطعی اجتناب ہی لازم ہے ۔ الغرض اس سورہ پاک میں کامیابی اور خیر و برکت کے بہترین اصول ہمیں بتلاتے ہیں ۔ وہ تین ہیں ۔ **اول** ہم غلط اور ناجائز راہوں سے الگ ہو جائیں ۔ **دوم** ہم بہترین اخلاق اور اصلاح و فلاح کے اصولوں پر مستعد ہوں ۔ **سوم** ۔ اگر ہمارے مکسوبات یا محبوب چیزیں مہماتِ عالیہ کی راہ میں آجائیں تو ان سے کنارہ کریں +

جہاں میں ایک طرف دنیا کے فضلاء اور مدبرین سے دریافت کرتا ہوں کہ ان تین امور کے سوا کوئی اور امر بھی انہیں نظر آتا ہے ۔ جو وہ خیر و برکت کے حصول کیلئے تجویز کرسکیں ۔ وہاں میں مسلم بھائیوں سے دریافت کرتا ہوں ۔ کہ وہ اپنا احتساب کریں کہ آیا ان میں سے کونسی چیز انمیں ہے ۔ آیا وہ ممنوعات کو چھوڑ چکے ہیں ۔ آیا اُن میں اخلاق حسنہ ہیں ۔ آیا ان میں قربانی کی روح ہے ۔ جب یہ تینوں چیزیں مفقود ہیں ۔ تو پھر وہ کیوں فکر نہیں کرتے ۔ اقرار باللسان کوئی چیز نہیں بالمقابل متمدن قومیں چھوڑ خود برادرانِ وطن کو دیکھ لیں ۔ آیا وہ ان راہوں کو نہیں چھوڑتے جاتے جو تہذیب و تمدن کی مانع ہیں ۔ آیا وہ اُن باتوں کو حاصل نہیں کرتے جو اُس کی ممد ہیں ۔ اور قربانی کی روح تو اسی زرپرست اور عبد الاغراض قوم میں بحد کمال نمایاں ہو چکی ہے ۔ تو کیوں وہ ہندوستان کے مالک نہ سمجھے جائیں ۔ کیوں گورنمنٹ تک ہم سے لاپرواہ ہو کر اُن کی کاسہ لیسی نہ کرے ۔

ہم اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں ۔ تو **فصل لربک وانحر** پر عمل کریں +

طریق تعلیم حقائق قرآنیہ

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

قرآن کریم کو نہ صرف بحیثیتِ کتاب خصائص مذکورہ بالا حاصل ہیں۔ بلکہ اس نے اپنی تعلیم و تشریح میں جو رنگ اختیار کیا ہے۔ وہ بھی کُل الہامی کتابوں کے بالمقابل اسی کا ہی حصہ ہے۔ اور ان امر میں سے جو نہایت ہی عظیم الشان بات مجھے نظر آتی ہے وہ اس کا باریک امُور کو مبرہن کر دیتا ہے۔ یعنی جو بات بیان کرتا ہے۔ اسکو دلائل سے روشن کر دیتا ہے۔ کسی بات کو تحکم کے طریق پر یا بر بناء معجزہ قرآن نے نہیں منوایا۔ یہ نہیں کہا کہ یہ خدا کے الفاظ ہیں۔ اس لئے اسے قبول کر لو۔ یا یہ رُوح القدس سے بھرپور لوگوں کی تعلیمات ہیں جیسے کہ کلیسوی الٰہیات تعلیم کرتی ہے۔ اسلئے یہ امُور قابل تسلیم ہیں دیگر مذاہب نے بانی مذہب کے معجزات بطور دلیل پیش کر کے اسکے کلام کو منجانب اللہ ٹھیرایا۔ معجزات کی کوئی حقیقت ہو جیسے آئندہ بحث کی جائیگی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد معجزات داستانِ پیشین ہو جاتی ہے۔ بعض کل کے معجزہ آج کے واقعات عادیہ بن جاتے ہیں۔ پھر ایک واقعہ کے ہونے پر شبہ ہو جاتا ہے۔ الغرض آئندہ کی نسلوں میں معجزات کوئی وجہ ثبوت نہیں کر سکتے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے معجزات کو بطور انعام تو بیان کیا۔ لیکن اپنی تعلیم کی صداقت کا حصر ان پر نہیں رکھا۔ بلکہ ہر امُور کے ثبوت میں دلائل بینہ پیش کئے۔ بعض صداقتیں کل مذاہب میں مشترک ہیں مثلاً ہستی باریتعالیٰ۔ حیاتِ بعد الموت وجود الہام اوامر و نواہی۔ یُوں تو ہر مذہب نے ان امُور کی تلقین کی۔ مگر ان امُور کو منطق یا دلائل عقلیہ سے تسلیم نہیں کرایا۔ مگر اسی امر کو سامنے رکھ کر قرآن کریم نے اپنے متعلق فرمایا تبیاناً لکلّ شیءٍ (یعنی یہ کتاب ہر ایک چیز کی بہ دلائل بین تشریح کر دیتی ہے) پھر ایک اور جگہ فرمایا لیھلک من ھلک بینۃ ویحییٰ من حیّ بینۃ۔ یعنی جس بات کو منوایا گیا ہے۔ وہ دلائل سے ہی منوایا گیا ہے۔ اور جس کی تردید کی گئی ہے۔ وہ بھی دلائل سے ہی کی گئی ہے۔ تبلیغ و دعوتِ حق

کیلئے جہاں حکم دیا۔ وہاں بھی یہ نہیں کہا۔ کہ تم معجزات کو بطور وجہ ثبوت پیش کرو۔ بلکہ فرمایا۔ ادعوا الی سبیل ربک بالحکمۃ یعنے دین حق کی طرف دعوت دینے میں حکیمانہ انداز سے کام لو۔ چنانچہ جہاں یہ حکم ہی۔ کہ دین کے پھیلانے میں کبھی سختی نہ کرو اسکی وجہ بھی یہی فرمائی۔ کہ مذہب کی صداقتوں کو بدلائل بیان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اسمیں سختی کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (دین میں سختی نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہدایت کے راستہ کو کج روی سے بدلائل متمیز کر دیا گیا ہے) +

قرآن کریم نے اپنے حقائق کے ثبوت میں تین طریق پر دلائل کو پیش کیا ہے

۱) جو عام مسائل ہوں انھیں عام فہم دلائل سے مبرہن کیا ہے۔ گو عام فہم باتیں بھی ہیں لیکن وہ بھی حقائق سے خالی ہیں +

۲) بعض مسائل کے حل کرنے میں اُن صفات الٰہیہ میں سے کسی ایک صفت کا نام لے دینا۔ کہ جن کی تصدیق کائنات کر رہی ہو۔ گویا خُدا کی وہ صفت ہی یہ چاہتی ہی۔ کہ ان امور کو بطور صداقت تسلیم کر لیا جائے۔ مثلاً مذاہب مختلفہ کے ان ایسے عقائد کی تردید میں صرف اسماء الٰہیہ گن دیئے ہیں جو قرآن کے تعلیم کردہ عقاید سے مختلف ہیں۔ اسماء الٰہیہ کے باب میں میں نے اس امر کی مفصل تشریح کر دی ہے۔ جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں +

(۳) جو باتیں قریب الفہم نہوں۔ اور اپنے اندر نظری رنگ رکھتی ہوں۔ اُن کی تشریح میں صحیفۂ قُدرت کے بعض مظاہر کو بطور شہادت پیش کیا ہے + مثلاً نہایت ہی عام فہم طریق پر ابنیتِ مسیح کی تردید میں حسب ذیل دلائل دیئے ہیں +

اِنَّ مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون۔ یعنی تم مسیح کو کیوں خُدا بنا رہے ہو۔ اُسی قسم کا ایک شخص آدم ہی۔ اور ایسے ہی ہر آدمی ہی۔ یہ سب کے سب پیدائش میں مسیح سے ملتے جلتے ہیں۔ سارے ہی مٹی سے پیدا ہوئے۔ بر وقت پیدائش سب میں روح خداوندی ڈالی گئی۔ پھر مسیح

میں کونسی خصوصیت ہے۔ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ جناب مسیح بن باپ تھے

۔تو جناب آدم تو عقیدہ بائبل کے ماتحت بھی بن باپ اور بن ماں تھے۔ چنانچہ لوقا نے جہاں جناب مسیح کا نسب نامہ دیا ہے وہاں اسی لئے آدم کو خدا کا بیٹا کہا ہے۔ جناب آدم کے علاوہ پولوس نے اپنے خط بنام عبرانیوں میں ایک اور بزرگ کا ذکر کیا ہے۔ جسے ملک صدق سلیم کہتے ہیں ۔اُس کے ماں باپ بھی بقول پولوس نہ تھے۔ بلکہ پولوس تو کہتا ہے۔ کہ نہ اُس کا آغاز ہے نہ انتہا۔ اور اس لئے جناب پولوس نے جناب مسیح کو انسانوں کی اُس جماعت میں رکھا ہے۔ جس کا ایک فرد ملک صدق تھا۔ لہذا کسی کا بن باپ ہونا تو کسی کو خدا نہیں بناتا جب اور بن باپ بھی موجود ہوں +

رہا جناب مسیح کا روح اللہ کہلانا تو اُسکی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے یا اس کے فرشتہ نے خدا کی روح بطن مریم میں پھونکدی۔ یہاں میں قرآن کریم کی وہ آیات لکھ دیتا ہوں جنمیں ایک جگہ تو مسیح کی پیدائش کا ذکر ہے دوسری جگہ آدم یا ابن آدم کی پیدائش کا ذکر ہے۔ قرآن کریم نے تینوں جگہ ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس طرح نفخ رُوح جناب عیسیٰ میں ہوا۔ اسی طرح جناب آدم یا ہر نبی بشر میں ہوا۔ پیدائش جناب مسیح کے متعلق قرآن کہتا ہے۔ میں نے مشترک الفاظ کو جلی قلم میں لکھدیا ہے +

ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا سورۃ التحریم آیت ۱۲) یعنے مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کو بچایا سو اسمیں ہم نے اپنی رُوح کو پھونکا۔ پھر فرمایا۔ والتی احصنت فرجها فنفخنا فیها من روحنا وجعلنها وابنها اٰیة للعٰلمین یعنی وہ بی بی جس نے اپنے آپ کو با عصمت رکھا۔ تو ہم نے اسمیں اپنی رُوح پھونکی اور اُسکے بیٹے کو دُنیا کیلئے نشان بنا دیا (سُورۃ الانبیا آیت ۹۱) +

اب جناب آدم کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے نفخ رُوح کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال کئے۔ فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین (الحجر آیت ۲۹

یعنے جب ہم نے جسمانی طور پر اُسے (آدم کو) مکمل کیا۔ تو پھر اسمیں اپنی رُوح پھونکدی جس پر فرشتے اُس کے آگے جُھک گئے +

پھر اسی آیت کو سُورۂ ص آیت ۷۲ میں آدم کے مُتعلق دُہرایا ہے آدم کے بعد جہاں پیدائش انسان کا ذکر کیا ہے۔ وہاں بھی یہی الفاظ فرمائے ہیں ثم سوٰاہ ونفخ فیہ من روحہٖ (سُورہ سجدہ آیت ۹)

الغرض جناب عیسیٰ۔ جناب آدم اور ایسا ہی ہر بنی آدم کے متعلق فرمایا۔ کہ ہمنے اپنی رُوح ان میں پھُونکی۔ مسیح کیا یہ سب رُوحُ اللہ ہیں۔ ہاں مسیح نے مرتے دم تک اُسی رُوح کو قائم رکھا۔ ہم اپنی غلط کاریوں سے اُس کے جوہروں کو دبا دیتے ہیں +

کلمۃُ اللہ جس آیت بالا میں مسیح کو آدم سے تشبیہ دی۔ اس کو الفاظ ذیل پر ختم کیا۔ خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون یعنے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ اُسے کہا ہو جاؤ وہ ہوگیا۔ انہی الفاظ کو ہر چیز کے پیدا کرنے کے مُتعلق فرمایا۔ واذا اراد شیئًا انما یقول لہٗ[1] کن فیکون۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اُسے کہتا ہے ہوجا تو ہو جاتی ہے (سورۂ بقرہ)

الغرض جو چیز بھی مخلوق ہوتی ہے۔ وہ ایک ارادۂ الٰہی کے ماتحت ہوتی ہے جو کلمہ کی شکل اختیار کرلیتا[1] ہے۔ اسی طرح ہر ایک چیز کلمہ ربّ ہوتی ہے۔ آدم بھی ایک کلمۂ ربّ تھا۔ اور چونکہ آدمؑ اور عیسیٰؑ پیدائش میں یکساں ہیں۔ اس لئے جناب عیسیٰ بھی اسی طرح ایک کلمہ ہیں۔ لہٰذا خُدا تعالیٰ کا جناب مریمؑ کو کہنا کہ ہم تمہیں اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں۔ تو اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں۔ کہ اُسے ایک بچہ کے دینے کی بشارت دیگئی۔ جو کلمۂ ربّ ہونے کی حیثیت میں خُدا کی دوسری مخلوقات کی طرح ہے لیکن چونکہ عیسائیوں نے اس لفظ کو بہت اہمیت دی

[1] اس قضاءِ الٰہی اور اس کے ظہور کی حقیقت سے تو اللہ ہی واقف ہے لیکن ہمارے سمجھانے کیلئے ارادہ اور پھر کلمہ کا ذکر کیا گیا +

بلکہ اسی سے اس کی الوہیت ثابت کی۔ تو قرآن شریف نے سورہ کہف میں اس امر
کی تردید ضمناً آیت نمبر ۱۰۹ میں فرمادی۔ اور کہا۔ کہ اگر سمندر کلمات ربّ کے
لکھنے کے لئے سیاہی ہوتا۔ تو پیشتر ازیں کہ وہ کلمات ختم ہوتے سمندر ختم ہوجاتا۔
الغرض جو کچھ اس زمین و آسمان میں مخلوق الٰہی ہے۔ وہ سب ربّ کے کلمے ہیں پھر
اگر جناب مسیح کو کلمہ کہدیا تو کونسی خصوصیت ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ ہر کلمہ تشکیل
ارادہ بولنے والے کے سینے میں ہوتا ہے۔ نشاء عالم سے پہلے جب خدا تعالےٰ نے
ایسا ارادہ کیا ہوگا تو وہ استعارہ کے رنگ میں وہی ارادہ جس نے بعد میں کلمہ
کی شکل اختیار کرنی تھی خدا کے اندر ہوگا۔ اسلئے اگر بعض یونانی حکماء یا اُنکے
متبعین مثلاً حکیم فیلو وغیرہ نے نشاء عالم پر بحث کرتے ہوئے یہ کہدیا کہ سب سے
پہلے کلمہ تھا۔ کلمہ ہی خدا کے اندر تھا۔ وہ کلمہ ہی کُل مخلوقات کی بنیاد تھی۔ تو
یہ تو ایک حقیقت تھی۔ ہاں مصنّفانِ انجیلِ یوحنّا نے اس فلسفۂ یونانی کو۔ جو
تصنیفِ انجیلِ مذکورہ کے وقت سکندریہ میں دائر و سائر تھا آغاز انجیل میں
بالفاظہٖ رکھ کر یہ قرار دیا۔ کہ اس سے مُراد مسیح ہے۔ یہ محض خوش فہمی تھی حسب بیانِ
بالا کلمہ تو نشاء عالم سے پہلے بالضرور خدا کے وجود میں تھا۔ اور وہ کائنات کی
بنیاد تھا لیکن اس سے یہ کہاں نکلتا ہے۔ کہ وہ مسیح تھا۔ اس سے مُراد تو صرف ارادہ الٰہی
ہے۔ جو پیدائش مخلوق کی ابتداء میں تھا۔ اسی طرح ہم مسلم بھی کہہ سکتے ہیں۔
جیسے کہ بعض نے کہا ہے۔ کہ وہ نور محمدی ہی تھا +

معجزاتِ مسیح

اسی طرح معجزاتِ مسیح کی تردید میں جیسے الوہیت مسیح کی بنیاد
ٹھیرائی ہے ذیل کی ایک نہایت ہی عام فہم دلیل دیدی ہے
ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یعنی مسیح ایک
رسول تھا۔ اور اُن سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ جو سب کے سب انسان تھے۔ اور
خدا نہ تھے۔ چنانچہ جنابِ مسیح کا ایک بھی معجزہ ایسا نظر نہیں آتا۔ جو ان سابقہ
رسولوں سے صادر نہ ہوا ہو۔ اگر جناب مسیح نے نابینا کو بصارت بخشی تو جناب

یوسفؑ کے کرتے نے جنابِ یعقوبؑ کو آنکھیں دے دیں۔ اگر جنابِ مسیحؑ نے پانی پر حکومت کی۔ تو جنابِ موسیٰؑ کے عصاء نے دریائے نیل پر حکومت کی۔ اور حضرت یشوعؑ کے ڈنڈے نے دریائے یردن کا رُخ پھیر دیا۔ اگر جنابِ مسیحؑ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے ہزاروں کو سیر کر دیا۔ تو جنابِ ایلیاؑ نے ایک عورت کے گھر میں جاکر ایک تیل کی ٹھلیا کو اس قدر برکت دیدی۔ کہ ایک سال تک اسمیں سے تیل ختم نہ ہُوا ایسا ہی اُنھوں نے اور کئی جگہوں پر بھی برکت بخشی۔ یعنے تھوڑی چیز کو زیادہ کر دیا۔ اگر جنابِ مسیحؑ نے بیماروں کو اچھا کیا۔ تو ان جیسے اور یہودی ربیوں نے بھی یہودہ کے ایک تالاب کے پانی سے بہتیرے مریضوں کو اچھا کر دیا۔ اگر جنابِ مسیحؑ نے تین مردے زندہ کئے جن میں سے دو کا معاملہ خود بروے بیان انجیل مخدوش ہے تو حضرت ایلیا نے وادئ استخوان میں جاکر ہزاروں مُردے زندہ کر دیئے اب جو بھی ایلیا والے واقعہ کی تشریح کی جائے۔ وہ ہی جنابِ مسیحؑ کے معجزہ کی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر جنابِ مسیحؑ بالفرض جسم کے ساتھ آسمان پر گئے تو حضرت ایلیا جس شان و شوکت سے آسمان کو گئے۔ اس کے مقابل تو رفع عیسیٰؑ کی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی۔ آسمان سے آتشین رتھ آتی ہے۔ اُسے فرشتے کھینچتے ہیں۔ اسمیں جنابِ ایلیا کو بجسدِ عنصری بٹھایا جاتا ہے۔ اور وہ آسمان میں جاکر بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر واپس نہیں آتے +

یہاں میں نے صرف توریت کے بیان کردہ معجزات کے متعلق لکھا ہے۔ اور ارادتاً دوسری کُتب کے بیان کردہ معجزات کا ذکر نہیں کیا۔ جنابِ بُدھ کے معجزات کوئی کم حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں ایک معجزہ آپ کا دریائے گنگا پر چلنا ہے۔ اب مقام غور ہے۔ کہ اگر معجزات کی بناء پر ہی مسیحؑ کو خدا بنانا تھا۔ تو پھر تو اُن کا کوئی بھی ایسا معجزہ نہیں جو دوسروں نے نہ کیا ہو۔ تو کیوں وہ خُدا نہ بنائے جائیں۔ اور اگر توریت کے بیان کو صحیح مان لیا جائے۔ تو جنابِ ایلیاؑ کے معجزات کے مقابل جنابِ مسیحؑ کے معجزات کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہتی۔ لہٰذا اُلوہیت مسیح کے ابطال میں

قرآن شریف نے فرمایا۔ کہ مسیح ایک رسول تھا۔ اُن سے پہلے رسول گذر گئے۔ رہا اُن کی پیدائش پر یہودیوں کا حملہ۔ سو یاد رہے۔ کہ اسی بات پر کہا۔ کہ ان کی ماں صدیقہ تھی یعنی اُن عیوب سے پاک تھی۔ اور وہ دونوں کھایا پیا کرتے تھے یعنی انسان تھے۔

اس آیت کا آخری حصہ کہ جناب مسیحؑ اور اُن کی والدہ کھانے کے محتاج تھے اُنکی اُلوہیت کے بُطلان میں ایک کافی دلیل ہے۔ انسان کا کھانا پینا اُس پر ایسے حوائجِ بشریہ لاحق کر دیتا ہے۔ کہ جو شانِ اُلوہیت کے بالکل منافی ہوں۔ یہی احتیاج بشری جناب مسیح کو انجیر کے درخت کے پاس لے گئی۔ وہ بھوک سے کچھ اس قسم کے تنگ تھے۔ کہ انھیں یہ بھی خیال نہ رہا۔ کہ وہ وقت انجیر کے پھل لانے کا نہ تھا۔ پھر آپ کا پھل نہ پاکر درخت انجیر پر لعنت بھیجنا ایک اور انسانی کمزوری کا ظہور تھا۔ ہم جب کوئی فعل اضطرار اً کرتے ہیں۔ اور ہماری راہ میں کوئی بیجان چیز بھی حائل ہو جائے تو اس بیجان چیز کو بھی بحالتِ غصہ میں موردِ زجر و توبیخ ٹھیرا دیتے ہیں مثلاً کسی مکان میں ہم داخل ہونا چاہیں۔ اور اُس کا دروازہ ہم سے نہ کھل سکے تو ہم دروازہ کو ہی گالیاں دینے ہیں کبھی اس کو ٹھکراتے ہیں۔ حالانکہ اس دروازہ کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ یہی حالت جناب مسیح کی ہے۔ انجیر بچاری کا کیا قصور تھا۔ جو اُس نے پھل نہ دیا۔ وہ تو اُسکے پھل کا وقت نہ تھا۔ ہاں عیسائی دوستوں کا اس موقعہ پر یہ کہنا۔ کہ اس لعنت کے بعد وہ درخت انجیر ہمیشہ کیلئے بے پھل ہو گیا۔ اور اس طرح الوہیت مسیح ظاہر ہوئی۔ تو اس سے الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ آج مغرب میں علم توجہ کا عام چرچا ہے۔ توجہ کے مشاق اپنی توجہ کے زور سے چلتی ہوئی گھڑی کو ٹھیرا دیتے ہیں۔ اس فن کے مشاق آنکھ بھر کر بھی ارادتاً کسی کو نہیں دیکھتے۔ کہ کہیں دوسروں کو انکی چشم کی زد سے نقصان نہ پہنچے۔ تو پھر جس کی توجہ کامل ہو چکی ہو۔ اگر بالفرض غصہ میں اسکی توجہ ہی کام کر جائے جس سے کسی درخت کے ثمر آور جوہر ہی مر جائیں تو کونسی تعجب کی بات ہے۔

الغرض اس انجیر کے واقعہ میں جو جو کچھ جناب مسیح کی سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے

وہ سب اسی یاکلان الطعام کی گویا ایک تفسیر ہے۔ جناب مسیح نے بھی اپنی روزانہ دعاؤں
میں یہ کہہ کر ہمیں آج کے دن کی روٹی دے اپنی احتیاج کو ظاہر کر دیا۔ خدا تعالیٰ تو ان
احتیاجوں سے پاک ہے +

تیسرا طریق استدلال میں نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ وہ اپنے بیان کردہ حقائق
کی تشریح میں نظارہائے قدرت کو بطور شہادت پیش کیا کرتا ہے۔ یہ بات بھی کسی اور کتاب میں
نہیں پائی جاتی۔ یہاں میں بعض موٹے موٹے حقائق کا ذکر کر دیتا ہوں۔ جن کا اثر خاص کر
ہمارے تمدن اور ہمارے اعمال پر پڑتا ہے۔ ان میں سے خاص کر سورہ فاتحہ کے بیان کردہ
اسماء الٰہیہ ہیں۔ جن میں سے اسم **رب** انسان کی خاص توجہ کو چاہتا ہے۔ تعلیم قرآن
کے مطابق رب وہ ہستی ہے۔ جو ہر ایک چیز کے بنانے سے پہلے اس کا ایک نقشہ اور
شکل اپنے سامنے رکھ لیتی ہے۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو ایک ترکیب مناسب میں لے آتی
ہے۔ جس سے اس چیز نے شکل خاص کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ ایسا ہی رب ان قوانین و
ضوابط کو بھی تجویز کر لیتا ہے۔ جن کے ماتحت اس چیز نے چل کر تکمیل حاصل کرنی ہوتی
ہے۔ اگر ایمان بر رب کا لانا ضروریاتِ نجات میں سے ہے۔ تو اس سے مراد یہی ہے۔ کہ
ہم ان قوانین کو اپنے سامنے رکھیں۔ اور ان پر عمل کریں جن کے ماتحت خدا تعالےٰ
ہماری ربوبیت کرتا ہے۔ بقولِ قرآن شریف وہ ہی انسان کامیاب ہوگا۔ جو اُن
کی عزت کریگا۔ اور وہ ہی ناکام ہو کر جہنم میں جائیگا جو ان قوانینِ ربی کا عملاً انکار کریگا[۱]
اس کفرِ ربوبیت کی طرف قرآن نے جہاں کہیں اشارہ کیا ہے۔ اس سے قوانین ربوبیت
کا عملی انکار کیا ہے۔ الغرض اس امر کی تشریح میں کہ ربوبیت کے ماتحت قوانین پہلے ہی
بنے ہوئے ہیں۔ ان پر چل کر ہر ایک چیز جس عالم میں ہو اپنی آخری منزلِ بلوغت
پر پہنچ کر اس عالم کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور یہی اس کا کمال ہے۔ قرآن شریف نے ایک جگہ
عالم نباتات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی کسی چیز کا عالم نباتات میں سے پیدا ہونا

۱؎ قد افلح من تزکّٰی۔ و ذکر اسم ربہٖ فصلّٰی۔ یعنی کامیاب وہی ہوتا ہے جس کے اندرونہ اعلیٰ جوہر ظاہر ہو جاتے
ہیں۔ اور اس کا طریق یہ ہے کہ وہ رب کو یاد رکھے یعنی ان قوانین کو سامنے رکھے جو اس کی ربوبیت کے متعلق ہیں (سورۃ اعلیٰ)

اس کا بڑھنا پھل پھول لانا پھر اپنی موت طبعی کو دیکھنا سب کا سب قوانین کے ماتحت ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ الذی خلق فسوّی ہ والذی قدر فھدیٰ ہ والذی اخرج المرعیٰ ہ فجعلہ غثاءً احویٰ (سورۃ اعلیٰ آیت ۲تا۵) یعنی ربّ اعلےٰ چیزوں کی شکل تجویز کرتا ہے۔ پھر اُن کی تکمیل کرتا ہے پھر اُنکے متعلق اندازے اور قوانین رکھ دیتا ہے جن پر چل کر وہ آخری منزلِ تکمیل پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہ وہی ہے۔ جو ہری بھری نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ پھر اُنھیں خشک کر کے سیاہ کوڑی کے رنگ کی کر دیتا ہے۔ جس طرح ایک سبزی پیدائش سے لے کر اپنے خاتمہ تک ربّ کے قوانین پر ہی چلتی ہے۔ اور ان پر چلنے سے **مقام اعلےٰ** تک پہنچتی ہے یہی حالت انسان کی ہے ✝

صفتِ ربّ کے بعد جس بات کو انسان نے ترقّی منازل کیلئے اپنے سامنے رکھنا ہے۔ وہ تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ ربّ کائنات ذاتِ واحد ہے یعنی انسان نے ایک ربِّ واحد سے اپنی ہدایت کیلئے قوانین لینے ہیں۔ دوسرا اس نے انسان کی ہر غرض کو پورا کرنے کے لئے محض اپنے فضل سے ہر ایک چیز پہلے ہی سے پیدا کر دی ہے یہی رحمانیت کے معنی ہیں۔ تیسرا اگر انسان اُن پیدا کردہ چیزوں کو صحیح طور سے استعمال میں لائے۔ تو اس کے ہر فعل کے ثمرات کئی گنا ہونگے۔ کیونکہ شانِ رحیمیّت کا یہی تقاضا ہے۔ ان تین صفاتِ ضروریہ کی تشریح میں قرآن کریم ذیل کے الفاظ میں کائنات کے ایک منظر کو بطور شہادت پیش کرتا ہے :-

والھکم اللہ واحدٌ لا الٰہ الا ھو الرّحمٰن الرحیم ہ ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلافِ الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع النّاس وما انزل اللہ من السماء من ماءٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا

من كل دابة وتصريف الريح والسحاب المسخر بين السماء والارض لآيات لقوم يعقلون[۵] (سورة البقرة آیت ۱۶۵) +

ان آیات میں جن امور کا ذکر کیا ہے۔ اُن کو انسان کی آسائش و پرورش سے تعلق ہے۔ زمین میں سے اجناس کا پیدا ہونا سمندر میں کشتیوں کا نفع انسانی کیلئے چلنا زمین پر مختلف جانوروں کا ہونا ان سب کا تعلق اختلافِ لیل و نہار سے ہے۔ دن رات کے چھوٹا بڑا ہونا : دُنیا کے مختلف حصص ہیں زمین کے سامنے آفتاب مختلف اوقات پر آ جاتا ہے جس سے کہیں سردی اور کہیں گرمی ہوتی ہے۔ سُورج جب زیادہ دیر سمندر کے مقابل رہتا ہے۔ تو اُس کے بخارات اُوپر جا کر بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی سردی گرمی کے اختلاف سے ہوائیں چلتی ہیں۔ جو ان بادلوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لئے جاتے ہیں۔ پھر یہ بادل بارش بن کر زمین کے اندرون کے مواد کی امتزاج سے مختلف اجناس کو پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہواؤں کا چلنا جہاز رانی کے ممد ہو کر سمندر کی پیداوار کو انسان کے استعمال میں لے آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ زمین پر جانوروں کا ہونا اُنہی حالات کے ماتحت ہوتا ہے۔ جن پر انسان کی پیدائش کا حصر ہے۔ الغرض یہ سارے کا سارا نظام دن رات کی کمی بیشی پر مبنی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ اس کُل نظام کے قائم رکھنے میں قوانین مختلفہ کام کرتے ہیں جس قانون نے اختلافِ لیل و نہار پیدا کیا ہے۔ وہ اُس قانون سے الگ ہے۔ جس کے ماتحت ہوائیں چلتی ہیں۔ پھر وہ قانون اس قانون سے الگ ہے جس کے ماتحت

---

[۵] ترجمہ۔ اور (لوگو) تمہارا معبود (تو وہی) خدائے احد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ بڑا رحم کرنیوالا مہربان ہے بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدے کی چیزیں (یعنی مال تجارت) سمندر میں لیکر چلتے ہیں اور مینہ میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا پھر اسکے ذریعہ سے زمین کو اسکے مرے (یعنی افتادہ ہوئے) پیچھے پھر زندہ (یعنی شاداب) کر دیا۔ اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے رُوئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے (ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر) پھیرنے میں اور بادلوں میں جو (خدا کے حکم سے) آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ غرض ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہتری نشانیاں (موجود ہیں) +

سمندروں میں سے پانی اُٹھ کر بادل بنتے ہیں۔ جو مختلف مقامات پر جا برستے ہیں پھر وہ کوئی اور قوانین ہیں۔ جو بارشی پانی کے امتزاج سے زمین کے مواد کو اجناس کی شکل دے دیتے ہیں۔ اب یہ حکومت ایک طرف تو زمین پر ہے دوسری طرف آسمانوں پر ہے۔ تیسری طرف ہواؤں پر ہے۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انسان کو فائدہ ہو۔ یہ نتیجۂ واحد (یعنے بما ینفع النّاس) اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ ان قوانین کا واضع اور حکمران ایک ہاتھ ہے۔ ورنہ نظامِ عالم میں فساد ہو جاتا۔ ایسے ہی انسان کا مفاد دو اور چیزیں چاہتا تھا۔ ایک یہ کہ یہ ساری کی ساری چیزیں جن کا پیدا کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ اور جن کا وجود بھی اُن کے عمل سے باہر تھا۔ وہ پہلے سے موجود ہوں۔ اس فیض رحمانیت کی طرف بھی آیاتِ بالا اشارہ کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان چیزوں سے فائدہ تب ہی مُرتب ہوتا ہے۔ کہ انسان حتّے الوسع اپنے ہاتھ ہلائے جس سے نہ صرف اُس کی محنت ہی ضائع ہو۔ بلکہ اس کے نتائج گوناگوں ہوں۔ چُنانچہ آیاتِ بالا میں بما ینفع النّاس کہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی کا نام فیض رحیمیّت ہے۔ الغرض یہ آیات شہادت دیتی ہیں۔ کہ جس معبُود کی ہم نے پرستش کرنی ہے۔ وہ واحد رحمان اور رحیم ہے +

خُدا کی چوتھی صفت یعنی مالک یوم الدین کی تشریح میں تو کئی ایک مناظر قُدرت شہادت دیتے ہیں۔ جن کی طرف قرآن نے وقتاً فوقتاً اشارہ کیا ہے۔ مگر میں یہاں ایک بات کا ذکر کرتا ہوں۔ جس کا تعلق خاص کر ہماری ترقّی و تہذیب سے ہے۔ انسان کے اندر ترقّی کرنے کے بھی جوہر ہیں۔ اور تنزّل کی طرف جانے کے بھی میلان ہیں۔ اگر انسان صحیح طریق پر چلا تو مقام اعلےٰ پر پہنچ گیا۔ اور اگر اس نے غلط راہ اختیار کی تو ذلیل ہو گیا۔ گویا اُس کی عزت و ذلت اسکے اعمال کے نتائج پر منحصر ہے۔ اور یہی نتائج جو در اصل خدا کی طرف سے مرتب ہوتے ہیں۔ اِس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہمارے افعال کی جزا سزا کا بھی کوئی مالک ہے۔ دنیا کے ادنےٰ حاکموں کا وجود بھی

اسی جزا سزا کے مُرتّب کرنے کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر وہ تو احکم الحاکمین ہے، وہ کیوں جزا سزا نہ دے۔ گویا اُس کی ذات کے متعلق صفت مٰلك یوم الدین کو تسلیم کرلینا ہی ہمیں مقام اعلےٰ پر پہنچاتا ہے۔ اس حقیقت کے ظاہر کرنے کیلئے سورۃ التین میں ذیل کی آیات فرمائیں :۔

وَالتِّيْنِ[1] وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (پ ۳۰)

اس صفت الٰہیہ کی تشریح میں قرآن کریم نے تین بزرگوں کے اعمال کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ ایک تو وہ ہیں جنہیں انجیر یا زیتون کی پہاڑی سے تعلق ہے یعنی جناب مسیحؑ جس خطۂ کوہ کے لئے مشہور ہیں۔ وہ زیتون و انجیر کی ہی پہاڑی ہے۔ دوسرا جناب موسٰیؑ ہیں۔ جن پر پہلی وحی کوہِ سینا میں نازل ہوئی۔ تیسرے جناب خاتم النبیین ہیں۔ جو بلد امین (مکہ معظمہ) میں پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں کی زندگیاں ظاہر کرتی ہیں۔ کہ وہ اور اُن کے متبع (اپنے اعمال) کے باعث انسانیت کے اعلےٰ مقام پر پہنچے بالمقابل اُن کے مخالفین اپنے ہی اعمال کے باعث ذلیل ہوئے۔ گویا یہ تین مقامات جزاء و سزا کے ثبوت میں ایک اعلےٰ درجہ کی شہادت ہیں۔ قرآن کریم کا ان تین مقامات کی قسم کھانا بعض جہلاء سے صدور جہالت کا باعث ہُوا۔ وہ ہنستے ہیں۔ کہ قرآن قسمیں کیوں کھاتا ہے نادان یہ نہیں سمجھتے کہ قسم تو ایک شہادت ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض وقت خدا کے نام پر قسم کھاتے

---

[1] ترجمہ۔ انجیر (میوے) اور زیتون (درخت) اور طور سینین (پہاڑ) اور اس شہر (مکہ) کی قسم جسمیں (ہر طرح کا) امن ہے کہ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا پھر ہم اس کو (بوڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لاتے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کئے (اُن کو تنزل پیری سے تنگدل نہ ہونا چاہیئے) اُن کیلئے (آخرت میں) بے انتہا۔ تو (اے پیغمبر) کون ہے جو (ان سب باتوں کے معلوم کئے) پیچھے (روز جزا کے بارے میں تم کو جھوٹا سمجھے کیا خدا سب حاکموں سے بڑا حاکم (اور قدرت والا) نہیں ہے (تو منکرین قیامت اس سے کیوں نہیں ڈرتے +

کی بجائے ہم کو دیا کرتے ہیں۔ کہ خدا گواہ ہے قسم کو شہادت ہے۔ قرآن کریم نے بڑے بڑے حقائق عالیہ کی تشریح کے لئے صرف دو چار الفاظ میں کائنات کی بعض چیزوں کو قسم (شہادت) کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان کا ذکر موقع بموقع آئیگا +

اسلام کا بڑھتا ہوا سیلاب

ظلمتکدۂ مغرب میں نورِ اسلام کی ضیا باریاں

دین اسلام کی حیرت انگیز اشاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے "سنڈے پوسٹ" کا نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ برطانی دنیا میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ان انگریزوں کا جو برضا و رغبت آئے دن حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں... اوسط ہر روز ایک کا ہے +

اخبار مذکور نے اسلام کی اس حیرت انگیز اشاعت کی روک تھام کیلئے ایک طویل مقدمہ میں مسیحی مبلغین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اس کا تدارک کریں۔ اور اپنی جدوجہد سے برطانی دنیا کو حلقہ بگوش اسلام ہونے سے روکیں +

ایک جماعت ایسی بھی موجود ہے جو نومسلموں کو بہکاتی ہے اور آمادہ کرتی ہے کہ دینِ اسلام کو ترک کر دیں۔ لیکن اس کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ مسلمان باوجودیکہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرتے لیکن باوجود اس کے جوق جوق لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں +

نومسلم انگریزوں کی تعداد

جزائر برطانیہ میں تقریباً ایک ہزار نومسلم ہونگے جن میں دو بہت زیادہ مشہور ہیں ایک لارڈ ہیڈلے اور دوسرے سر آرچیبالڈ ہملٹن موخر الذکر رشتہ کے لحاظ سے جیمس ثانی شاہ اسکاٹ لینڈ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں +

"ووکنگ" میں ایک مسجد ہے جہاں نومسلم انگریز اپنے مشرقی بھائیوں کے ساتھ جو لندن میں مقیم ہیں نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ اور امام نماز کے جو "شیخ المسجد" کہا جاتا ہے خطبے اور تقریریں سنتے ہیں +

"مسجد ووکنگ" کے پیش نماز کا نام آجاتے نذیر احمد ہے۔ یہی قاضی کا کام بھی کرتے ہیں۔ یہ نہایت شریف اور تعلیمیافتہ انسان ہیں۔ ایکبار نکاح خوانی کے وقت میں بھی موجود تھا۔ انھوں نے اسلامی طرز پر اُن کے نام رکھے اور عقد کردیا۔ اور بعدہٗ چند نصائح بھی کیئے۔ وہ باتیں بتائیں جو میاں بیوی کیلئے نہایت مفید تھیں۔ نکاح کے بعد وہ مُوثر انداز میں شوہر سے مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ ایک خادمہ کی طرح سے اپنی رفیقۂ حیات کو مارنا نہیں جب تم کھاؤ تو اُس کو کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اُس کو بھی پہناؤ۔ اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہ کرو۔ اُس سے زیادہ دیر کے لئے جُدا مت ہو +

اس کے بعد اُنھوں نے دُلہن کی طرف رُخ پھیرا اور چند نصیحت آمیز باتیں کہیں آپ نے کہا تُمہارا فرض ہے۔ کہ نیک بی بی بنو۔ جب تُمہارا شوہر آئے تو اُس کو خوش کرو جب تُم سے کوئی بات کہے تو اُسے کان لگا کر سُنو۔ اور سرِ اطاعت خم کردو۔ شوہر کی عدم موجودگی میں ہر چیز کی حفاظت کرو۔ ان تمام باتوں سے فارغ ہونے کے بعد صندُوق سے دو "وثیقے" نکالے جس پر میاں اور بی بی ہر دو نے دستخط کردیئے شیخ موصُوف نے ایک شوہر کو اور ایک بی بی کو دے کر رُخصت کیا +

لارڈ ہیڈلے کا بیان

"الجامعۃ الاسلامیہ کا نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ لارڈ ہیڈلے نے مجھ سے ایک ملاقات کے دوران میں بیان کیا کہ میں ایک مُدت سے مُسلمان ہو چکا تھا لیکن اس اعلان کا وقت جب آگیا۔ میں نے اعلان کردیا۔ لارڈ مذکور کا اسلامی نام عبدالرحمن فارُوق ہے۔ اُنھوں نے لندن کی مشہور و معروف درسگاہ کیمبرج میں تعلیم پائی ہے۔ قبول اسلام کے بعد اُنھوں نے مشرقی دُنیا کی خُوب سیاحت کی ہے۔ اور پوری طرح سے مشہور ہیں +

تھوڑے دن ہوئے وہ حج بھی کر آئے ہیں۔ طواف کعبہ کی خبر سے بعض حلقوں میں شک پیدا ہوگیا تھا۔ کہ وہ ممالک حجاز میں کسی سیاسی مُہم کو سرانجام دینے کیلئے لئے گئے ہیں۔ لارڈ ہیڈلے نے بیان کیا۔ کہ میں پہلا برطانی نومسلم ہوں جس نے

خانہ کعبہ کی زیارت کی۔ مجھ سے پیشتر اور لوگ بھی گئے ہیں لیکن لباس تبدیل کر۔ اور میں نے علانیہ اس فضیلت کو حاصل کیا ہے +

اسلام میں رنگ و نسل اور قومیت کوئی چیز نہیں۔ اسلئے مساجد میں چینی، روسی، زنگی، ہندی اور انگریز تمام لوگ ایک صف میں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور خدا کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں +

اکثر لوگ اس وجہ سے اسلام لائے ہیں۔ کہ اس مذہب میں ایسا انسانی جذبہ موجود ہے۔ جس کی کوئی مذہب مثال نہیں پیش کرسکتا +

سر ہملٹن نے اپنے اسلام لانے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ میرے نزدیک صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو ہمہ گیر ہوسکتا ہے۔ مسیحی ہفتہ میں صرف ایکبار گرجا میں جاکر عبادت الٰہی کرتے ہیں لیکن مسلمان دن میں پانچ بار اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ سر ہملٹن جلد خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے تشریف لے جائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہؤا ہے۔ کہ عنقریب اسکاٹ لینڈ میں ایک مسجد بننے والی ہے" +

مقتبس از اخبار مدینہ بجنور ۱۳ مارچ ۱۹۳۱ء

اقتباس بالا ہمارے لئے ایک بہترین سبق ہے۔ نامہ نگار نے سنڈے پوسٹ میں اگرچہ اپنے خیالات کا اظہار ۱۹۳۱ء میں کیا ہے لیکن جس شادی کا یہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ کیونکہ خواجہ نذیر احمد صاحب اسوقت وہاں کے نائب امام تھے۔ نامہ نگار پر تو ہمارے طریق نکاح نے ایک عمدہ اثر کیا۔ لیکن اسلام کی تو بیسیوں باتیں ہیں۔ جو اپنی سادگی۔ خوبصورتی معقولیت اور عملی مفید ہونے کے باعث مغربی دلوں میں گھر کرتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں وہاں کے پادریوں نے ہماری بڑھتی طاقت کو دیکھ کر شور مچایا۔ ووکنگ کے طوفان کے عنوان سے مضامین نکلے۔ مقامی پادری ریورنڈ جولی نے بہت شور و غل کیا لیکن جب نائب امام موصوف نے انھیں مباحثہ کیلئے بُلایا۔ اور مباحثہ کے

شرائط بھی احسن سے احسن تجویز کیں۔ حتّٰے کہ اخراجات مباحثہ کو بھی جو بذریعۂ تحریر
بالمشافہ ہو کر چھپ جانا تھا۔ اپنے ذمّہ لے لیا۔ تو آخر ریورنڈ جولی نے ہر بات سے
انکار کر دیا۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے بعد پھر مقامی شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ باقی ہر جگہ شورش
موجود ہے۔ لیکن تہذیب اور عقل کے ساتھ ہر قسم کی مخالفت ہوتی ہے۔ اسلام کی
روک تھام تو عیسائی مذہب کیا کر سکتا ہے۔ البتّہ دقت یہ ہے۔ کہ ہماری طرف
سے اشاعت کا پورا سامان نہیں ہوتا۔ وہ ہر ایک روک تھام کر سکتے ہیں۔
لیکن تحریر کا ان کے پاس کوئی علاج نہیں۔ کیونکہ اسلام کو جس حکیمانہ انداز
سے خداوند کریم نے پیش کیا ہے۔ اور جس کتاب حکیم کی تعلیم کو پیش کرنا ہی ہمارے
کُل لٹریچر کا مقصد اعلےٰ ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ عیسائی مذہب عقل و
منطق سے خالی ہے۔ اور جو کچھ اسمیں ہے۔ وہ اصنامی مذہب کی دوسری شکل ہے
آج آٹھ سال گذرے جب مسلم مشن ووکنگ کے بانی نے اپنی کتاب ینابیع المسیحیت
انگریزی میں اس امر کو پیش کیا۔ اس کتاب پر ریویو بھی ہوئے۔ لیکن اس بات کا
کوئی جواب نہ دے سکا۔ کہ عیسائی مذہب کُل کا کُل اصنامی مذہب کا سرقہ تھا
کنواری کا کسی خدا کے بیٹے کو جننا۔ اس کا نسلِ انسانی کے بچانے کے لئے
قربان ہونا۔ اس کی یاد میں بپتسمہ یا عشائے ربانی کا ہونا۔ یہ کُل کی کُل باتیں
اصنامی مذہب سے آئی ہیں۔ حتّٰے کہ تاریخیں اور تہوار بھی قبل مسیح کفار کی رسمیں اور
تہوار ہیں۔ پچیس دسمبر کی رات کو ہی بیسیوں خدازادے حمل باطلہ سے پیدا ہوئے۔ یہ خدازادے
سب کے سب جمعہ کی سہ پہر کو مصلوب ہوئے۔ پھر ایسٹر سنڈے یا بعد کی اتوار کو قبر
سے اُٹھے۔ آسمان پر گئے۔ حتّٰے کہ ان کے بعض معجزات بھی وہی ہیں۔ اور انکے
بعض کلمات بھی وہی ہیں۔ جو مصنّفاتِ انجیل جناب مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
الغرض کُل کا کُل مسیحی دین۔ مذہب کفار کا ایک عکس ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے تو
اس کتاب کو سنہ ۱۹۲۳ء میں مکہ شریف میں بیٹھ کر لکھ دیا۔ لیکن تصنیف کے وقت
اُنھیں کیا علم تھا۔ کہ یہ کتاب کلیسوی تعمیر کو جڑ سے ہلا دیگی۔ آج لوگ مسلمان ہوں یا نہ

جس نے اس کتاب کو پڑھا۔ یا اس کے مضامین سے اور زنگوں میں آگاہ ہوئے۔ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ عیسائی نہیں رہا +

الغرض اس کتاب نے پورا انہدامی کام کیا۔ جس پر مصنف کتاب کو کسی تعمیری کتاب کے لکھنے کا فکر ہوا۔ چنانچہ آپ نے آئی ڈیل پرافٹ کو انگریزی (نبوت کا ظہور اتم یعنی نبیٔ کامل (اردو)) میں لکھا۔ یہ کتاب تبلیغ اسلام میں ایک نسخہ کیمیا ثابت ہوئی۔ سینکڑوں نفوس صرف ان دو کتابوں کو پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت خواجہ صاحب کی بیماری نے ان کو سلسلہ تصنیف سے روک دیا۔ لیکن خدا کا احسان ہے کہ اب وہ کسی قدر کام کے قابل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک نئی کتاب بزبان انگریزی اسلام اینڈ سولیزیشن (تمدن اسلام) مطبع میں بھیج دی ہے۔ جو قریباً ایک ماہ تک شائع ہو جائیگی +

خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے۔ کہ آج دشمن کی قلم نے ہماری صداقت کی شہادت دی۔ ہم نے مشن کی اہمیت کے متعلق جب کبھی لکھا۔ وہ بروئے راستی ہی لکھا۔ امور دینی میں کسی قسم کا پردہ یا غلو کرنا ایک امر مکروہ ہے۔ ہمارے لئے کس قدر خوشی کا مقام ہے۔ کہ سنڈے پوسٹ کا نامہ نگار نقطاً لفظاً وہی باتیں اپنے تجربہ و مشاہدہ سے کہ رہا ہے۔ جو ہم نے ان صفحات میں لکھیں۔ اسکی تحریر سے ذیل کے امور ثابت ہوتے ہیں +

اول۔ اسلام مغرب میں راسخ ہوتا جاتا ہے +

دوم۔ ہمارے مخالف سوئے نہیں۔ وہ برابر کوشش میں لگے ہوئے ہیں +

سوم۔ سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد اگرچہ یہ کوشش بڑے زور شور سے ہو رہی ہے۔ لیکن انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ کیونکہ اسلام کی ترقی میں فرق نہیں آیا

چہارم۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ وہاں ووکنگ میں ایک امام صاحب ہیں۔ اور انکی

امداد میں ایک مشنری ہوتا ہی۔ پہلے عبدالخالق خاں صاحب تھے۔ اب اُن کی جگہ چودھری آفتاب الدین صاحب بی۔ اے بانئے شیلانگ آسام مسلم مشن بھیجے گئے۔ اتنے بڑے مُلک میں دو مبلغین کی آواز کیا کام کر سکتی ہی۔ لیکن کام حسب دلخواہ ہو رہا ہی۔ اسکی وجہ اشاعت لٹریچر ہے۔ گذشتہ پانچ چھ سال میں جسقدر نئے مسلمان ہُوئے۔ انھوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ اسلامک ریویو یا مذکورہ بالا دو کتابیں بتائی ہیں۔ بلکہ بعض نے تو ایسا لکھا۔ کہ اگر ان کتابوں کو چاروں طرف پھیلا دیا جائے۔ تو بہت جلد انگلستان مسلمان ہو جائے گا۔ اور یہ ایک آسان سے آسان اور ارزاں سے ارزاں طریق تبلیغ اسلام ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ہم بار بار مُسلم بھائیوں کو اس طرف مُتوجہ کرتے ہیں۔ ہزاروں لائبریریاں یوُرپ میں موجُود ہیں۔ زبان انگریزی ایک دُنیا کی زبان ہی۔ امریکہ میں ہر جگہ انگریزی زبان ہے۔ اور گھر گھر کُتب خانے ہے اگر اسلامک ریویُو کو ہر جگہ پہنچا یا جائے۔ تو ایک سال میں وہ کام ہو گا۔ جو بیس مشنری نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم نے اسلامک ریویُو کی قیمت بھی کم کر دی ہے۔ ایک پانچ روپے سے کسی لائبریری کے نام ایک سال کیلئے اسلامک ریویو جا سکتا ہے۔ جس کو سینکڑوں نفوس پڑھینگے۔ اور انمیں اکثر مائل بہ اسلام ہو جائینگے۔ اس بات کو یقین کر لیا جائے۔ کہ موجودہ ترقیٔ عُلوم نے جہاں عیسائیت کی بیخ کنی کر دی ہی۔ وہاں اسلام کی بُنیاد کو مضبُوط کر دیا۔ اور خدا کا احسان ہے کہ ہماری طرف سے جو اسلام پیش ہوتا۔ تو مطابقت علم و منطق کو سامنے رکھ کر پیش ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اپنا نامُ بُرہان" رکھا۔ یعنی قرآن جو کچھ بیان کرتا ہے، دلائل سے پیش کرتا ہے۔ یہ امر کسی مذہبی کتاب میں نہیں۔ یہی طریق قرآنی ہماری تصنیف میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام دن بدن مقبُول ہو رہا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب نے کئی موقع پر" انگلستان میں تبلیغ اسلام کی سیاسی اہمیت" پر جو کچھ لکھا ہی۔ وہ ازحد قابلِ غور ہے۔ وہ کوئی نظری بحثیں نہیں۔

وہ حقائق ہیں۔ ہماری سیاسی مشکلات کا حل جیسا کہ حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ آج اشاعت مسلم لٹریچر سے وابستہ ہے +

خلاصہ اس عرضداشت کا یہ ہے۔ کہ اقتباس مذکورہ بالا کو بتوجہ پڑھا جائے۔ اس کے نتائج پر غور کیا جائے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک تھوڑی سی محنت اور خرچ کے ساتھ اسلام کا وہ شاندار مستقبل ہمارے سامنے آجاتا ہے جس کا رنگ ایام ماضی میں تھا + خواجہ عبدالغنی

اسلام اور کلیسیاء

اسلام اور عیسائیت دُنیا کے دو عظیم الشان مذاہب ہیں۔ ان کے اساسی اعتقادات ایک دوسرے سے ایسے مُتبائن و مُتخالف نہیں ہیں۔ جیسا کہ عام طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام اور عیسائیت دونو ایک معبود کے پرستار ہیں۔ عہد نامۂ عتیق میں جن مرسلینِ ربّانی کے اسمائے حقّہ مرقوم ہیں دونو کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ دونوں ہی مسیح علیہ السلام کی عظمت و رسالت کے قائل ہیں۔ تفاوت صرف یہ ہے۔ کہ مسلمان مسیح کی ادعائی الوہیت کے قائل نہیں ہیں۔ ان مذاہب کی یہ حد فاصل نظریۂ تثلیث پر مبنی ہے۔ یہ عقیدہ بدیں لحاظ زیادہ تر باعث انگیز ہے۔ کہ یہ ایک اطالوی لفظ پرسونا (Persona) کی گمراہ کُن تعبیر کا رہینِ منت ہے۔ اطالوی میں اس کا مفہوم حجاب ہے۔ گویا پرسن (Person) ایک حجاب ہے۔ جسمیں رُوح اپنے آپ کو محجوب کر لیتا ہے۔ اور اس مستعار لباس کی صورت میں اپنے جلوے بکھیر تا ہے۔ اس تصوّر کی علت موجبہ یہ ہے۔ کہ معبودِ حقیقی اپنے آپ کو ان تین حجابات یا اشکال یا حیثیات کے ذریعہ

ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہرگز نہ تھا۔ کہ تین علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں یا اور یہ تین شخصیتیں تین ہونے کے باوجود ایک ہیں۔ یہی وہ چیز یا جسے التثلیث فی التوحید (ایک میں تین) اور التوحید فی التثلیث (تین میں ایک) کے مرادف تصور کیا جاتا ہے۔ اگر اسے نظر انداز کردیا جائے۔ تو تین ہیئات مختلفہ میں رُوح کی جلوہ نمائی بالکل ایک قابلِ ادراک شے ہے۔ خلاف عقل نہیں ہے۔۔۔ اور کسی مسلم کو اس سے اعراض کا موقع نہیں مل سکتا۔ معبود کی ان تین ہیئات کو بعض صوفیوں نے بھی وجود۔ اصل ہستی۔ صورت۔ نمود اول۔ وسط۔ آخر۔ نور ازل۔ ضیاءُ عسلیم۔ علم۔ معلوم۔ حقیقی۔ اضافی۔ لازمی وغیرہ اصطلاحات میں ظاہر کیا ہے +

قدیم عرب میں عیسائیوں کا مرعجمد مُرتد فرقہ نسطوری آباد تھا۔ بعض کے نزدیک یہ فرقہ آغاز اسلام کے وقت بھی موجود تھا۔ تاہم تین ہجری کے بعد فلسطین۔ شام اور متصل ممالک میں حروب صلیبیہ کے تاثرات کے ماتحت جب مشرق اور مغرب کا سنگم ہُوا۔ تو مذہب نئے مستنیر طریق پر خیالات اور تہذیب کا امتزاج ہُوا۔ نصرانی مجاہدین یا خدام یروشلم نے اس امتزاج سے بہت کچھ معلومات حاصل کیں۔ اور وہ ان معلومات کو اپنے ہمراہ یورپ میں لے گئے۔ ان دو مذاہب کے اس سنگھم نے دونو میں میل ملاپ کی راہیں پیدا ہُوئیں۔ یہ راہیں ان اثرات کی ممنون ہیں۔ جن کو مشترکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم و تربیت نے کشادہ کیا۔ یہ درسگاہیں اُندلس میں تھیں اسمیں کچھ حصہ یہودی علوم کا بھی ہے۔ آج بھی ہسپانیہ کی بولی میں متعدد الفاظ ایسے ملتے ہیں۔ جو عربی کی اولاد ہیں۔ مشرق قریب میں ہم اسلام اور عیسائیت کے معتقدات کی حدود سی متصل دروزی۔ لبنانی۔ فلسطینی وغیرہ فرقے دیکھتے ہیں۔ جو رباسنہلسئے قائمہ (بفر) کا کام دے رہے ہیں +

اسلام کے اثرات صقلیہ (سلی) پڈمانٹ اور پرووینس میں نمایاں ہیں جن کے

متعدد مقامات کے نام عربی ہیں۔ اور جو اس زمانہ سے بیشتر کی یاد دلاتے ہیں۔ جب عربوں کو چارلس مارٹل نے شکست دی۔ یہ شکست یورپ میں علم و تہذیب کی ہزیمت تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ازمنۂ تاریک (ڈارک ایجز) کا دور شروع ہوا۔ اس وقت علم و معرفت کو پاپاؤں نے اپنا تختۂ مشق بنایا۔ ان کی تحقیق۔ ان کا فتویٰ یا ان کا حکم یہ تھا۔ کہ تمام ذہنی علوم اور تخیلی حقائق شیطانی کارستانیاں یا خطوات شیاطین ہیں۔

زاں بعد فرانسسکن۔ ڈومینیشن اور جیوزٹ کے نام سے مختلف مجالس یا ادر۔ یا انجمن ہائے اخوت مذہب قیام پذیر ہوئیں۔ انھیں ایک لحاظ سے مرتد تصور کیا گیا۔ اور انکی مخالفت کی گئی لیکن رومہ کی سیاست و خدیعت (مکر) نے انھیں اپنے میں جذب کرلیا۔ کیونکہ یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ انھیں بحیثیت ایک مضبوط تبلیغی طاقت کے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تقدس مآب فرانسس (اسیسی) ایک زبردست غزل نگار۔ بذلہ سنج شاعر تھا کہا جاتا تھا۔ کہ اس کا کھتاری کی مخفی الاسرار قوموں سے قریبی تعلق ہے۔ اور آخر الذکر کا اثر نیم مشرقی نوعیت کا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے۔ کہ ہسپانیہ کے صوفی ریمنڈ لل نے جو کارلینس اگر پاسا مر کا دوست تھا اسلامی ممالک میں سیاحتیں کیں۔ اس کا مدعا لوگوں کو مسیحی بنانا تھا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ اپنے ارادوں میں بدیہی طور پر ناکامیاب رہا لیکن ادارہ پوپ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ اور اسے اپنی اغراض کیلئے استعمال کیا۔ اگنا ٹیس لایولا نے جس نے جیوزٹ آرڈر (مسلک) کی بنیاد ڈالی مراکش میں سفر کیا۔ بہت سا وقت وہاں گذارا۔ اور اسلامی طرز پر عیسائی درویشوں کے زوایا کی بنیاد قائم کی۔ ان تمام مجالس متصوفین کی پوپ کی طرف سے شروع میں مخالفت کی گئی لیکن آخر کار محسوس کرلیا گیا۔ کہ ان کے ذریعہ سے بہت بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ بنا بریں ان کو اپنے مراسم خصوصی کی بجا آوری کی ہدایت کی گئی۔ انھیں ایک حد تک شخصی آزادی دیگئی۔ اور رومہ کی متصرفانہ سیادت کے ماتحت ان کا انفرادی اور امتیازی وجود قائم رکھا گیا۔

جہاں تک ایشیا کا تعلق ہے۔ چیلی خاں ایک وسیع سلطنت کا حکمران تھا۔ اُسکے دربار میں عیسائی ریاستوں کے سفراء رہتے تھے۔ اور اس کے مابین نصرانی تاجداروں کے ہاں اس کی نیابت کرتے تھے۔ پیکن میں اُسقف اعظم (لاٹ پادری) کی نشست بھی تھی۔ لیکن اس موت کے بعد عام انتشار پیدا ہو گیا۔ سلطنت کے پرپرزے ڈھیلے پڑ گئے +

بیسویں صدی کے آغاز سے مُبارک انقلابات نمود پذیر ہیں۔ دنیا کے اوپر ہماری نگاہ میں وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ عام انسانوں میں رواداری کا جذبہ بیش از پیش استوار ہو گیا ہے۔ آمد و رفت کے وسائل کی کثرت نے زمان و مکان کی قیود و حدود کو مرتفع کر دیا ہے۔ مشرق اور مغرب میں رُجحانِ ارتباط پیدا ہو گیا ہے۔ مذاہب میں بھی مخلصانہ جذبہ اتحاد مذاہب نشو و نما حاصل کر رہا ہے۔ یہ تمام آثار مستقبل کیلئے امید افزا ہیں۔ مختلف مذاہب و عقائد کے پرستار محسوس کر رہے ہیں۔ کہ اختلاف باہمی بہت کم اور مشترکہ امور بہت زیادہ ہیں۔ مزید بر آں یہ کہ سارے جہان کو ایک خاندان تصور کرنے کا تخیل قوت پذیر ہے +

اِسلام فرقہ بندیوں کی بندھنوں سے پاک ہے۔ اسلام مختلف اقوام اور مختلف تہذیبوں کو مژدہ خاص سنانے کیلئے اپنے دامن میں بہت سے اساسی اصول رکھتا ہے۔ اس کے برعکس عیسائیت فرقہ داریوں میں الجھی ہوئی ہے عیسائیوں میں کثرت سے فرقے ہیں۔ اس وقت ارباب علم و دانش کی تحقیق اور آزاد خیال کلیسیاء کی آزاد خیالی ان کانٹوں کو دور کرنے میں بڑی سُرعت اور تیز گامی کا ثبوت دے رہی ہے جنہیں ازمنۂ وسطیٰ کے ہاتھوں نے کثرت سے بکھیرا۔ تحریک تصوّف ان مساعی حسنہ کو چار چاند لگا رہی ہے۔ یہ تحریک فراستِ مشرق کو جہان مغرب میں پیش کر رہی ہے۔ اور مغربی تہذیب کی پہنائیوں سے ایشیا کو آگاہ کر رہی ہے۔ ہم جس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ اتحاد۔ اشتراک اور مواصلت طلبی کی قوتیں مصروف کار نظر آتی ہیں۔ یہ مناظر مذہب۔ علم۔ معاشرت اور سیاسی مسائل

میں عام طور پر نمودار ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں۔ کہ یہ خوشگوار انقلاب اپنی تخلیق کے لئے سامان آمد و رفت کی سہولتوں کا رہین منت ہے۔ وہ ایام جبکہ پہاڑیوں کی سربفلک چوٹیاں دو قوموں کو ایک دوسری سے الگ کرتی تھیں۔ اب نہیں رہے۔ وقت ہے کہ اسلام بلیغ کوشش سے کام لے کر عیسوی تخیلات سے بطریق احسن ملنے کی راہ نکالے۔ عیسائیوں کی انتہا پسندی۔ اور عقاید پرستی فنا پذیر ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اس غایت عظمےٰ اور مقصد کبریٰ کو محسوس کریں۔ جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے محمدؐ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے۔ اور آپ نے اسلام اور توحید کا علم بلند کیا۔ اسلام کا مشن کیا تھا؟ اسلام کا مشن یہ ہے۔ کہ دنیا میں عالمگیر اخوت قائم ہو جائے۔ ذات۔ رنگ اور ملک کے تمام امتیازات ہمیشہ کیلئے کافور ہو جائیں۔ اور دنیا مادیت کے بحر میں غرق ہونے سے بچ جائے۔ اور ساری کائنات اس راز سرمدی سے آشنا ہو جائے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (قرآن)

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اسلام اور روحانیات حاضرہ کے نکات مماثلہ

ایک فاضل عیسائی کا عالمانہ محاکمہ

اسلام کے باب میں اکثر نصرانیوں کی جہالت اندوہناک ہے عیسائی اس حقیقت عظمےٰ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ جس مذہب کے پرستار کل دنیا کی آبادی کے ⅕ حصہ پر مشتمل ہیں۔ ضروری ہے۔ کہ اسمیں بہت سی خوبیاں ہوں۔ اور لازمی ہے۔ کہ اسکی عمارت محکم بنیادوں پر قائم و استوار ہو۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا۔ کہ جس ملت کے شیدائی کروڑوں ہوں۔ اُس کی بنیادیں صداقت پر مبنی نہ ہوں۔ میں اس صداقت کو بلا تامل تسلیم کرتا ہوں۔ کہ حضرت محمد (صلے اللہ وسلم) ایک روحانی انسان تھے۔ آپؐ کی روحانیت

بہت بڑے مقام پر پہنچی ہوئی تھی ۔ آپ خدا کے رسُول تھے ۔ اور آپ ملہم ربانی تھے
قرآن شریف کی آیات کے علاوہ میں نے اپنے اس مضمون میں جو امور بطور استشہاد پیش
کئے ہیں ۔ ان کیلئے میں بہت حد تک مولانا محمد علی ایم ۔ اے ایل ایل ۔ بی کی تحریرات
کا رہین منت ہوں ۔ مولانا محمد علی ممدوح اس وقت دنیا میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ایک اعلےٰ درجے کے قابل و فاضل حلقہ بگوش ہیں ۔ بنابریں مذہب
اسلام کے خصوص میں جو کچھ آپ بیان کرتے ہیں ۔ لازمی ہے کہ اسے ثقہ ۔ اور مستند
یقین کیا جائے ۔ قرآن کا مادہ لفظ قرا (تلاوت کرنا پڑھنا) سے ہے ۔ قرآن
کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے اسمیں تدبر و تفکر کی بیحد ضرورت ہے اور اس پر
بحیثیت مجموعی غور کرنا لازمی ہے ۔ اسلئے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر و توضیح
کرتا ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ میں جس قدر زیادہ تدبر سے کام لیا جائے ۔ اسکے معارف
زیادہ مبرہن اور نمایاں دکھائی دیتے ہیں ۔ اکثر ایسی لغویات جنہیں عیسائی قرآن کی
طرف منسوب کرتے ہیں ۔ قرآن کا دامن اُن کے لوث سے قطعاً پاک ہے ۔ نہ تو
انھیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ۔ اور نہ ان کا کوئی اثر قرآن میں
معلوم ہوتا ہے ۔ یہ افترا بعد میں وضع کئے گئے ۔ اور حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)
کے پاک دین کو بھی مسخ کرنے کی ایسی ہی سعی کی گئی ہے ۔ جیسی کہ حضرت مسیح کے
ارشادات کو محرف و مُبدّل کرنے کے لئے کی گئی ۔ بطور مثال ایک شخص عیسائیوں
کے عذاب ہائے دوزخ کی ہولناکیوں کے بیانات اور جنت کے لذائذ کی
کیفیات کے مُطالعہ سے متذکرہ دعوے کی صحت کے ثبوت فراہم کرسکتا ہے
متذکرہ ہولناکیاں اور ہوستاکیاں اس قدر وحشت انگیز اور بلاخیز ہیں ۔ کہ
ان سے زیادہ لغو محض ایجادات انسانی ذہن قوت متخیلہ کی انتہائی پرواز
کا مُرقع معلوم ہوتی ہیں +

قرآن کی حفاظت

چونکہ قرآن کا ہر حصہ حفظ کر لیا جاتا تھا ۔ اور جو بھی کوئی آیت اُترتی تھی ۔ اُسے

سپرد قلم بھی کر لیا جاتا تھا۔ اسلئے وثوق سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ نہ قرآن کی کوئی آیت حافظوں سے محو ہو سکتی ہے۔ اور نہ ضائع ہو سکتی ہے۔ قرآن آج بھی اسی زبان میں ہے جس زبان میں ۱۳ سو برس ہوئے وہ نازل ہوا۔ اپنی زبان کو تا ایں دم محفوظ رکھنا بھی قرآن کا ایک اعجاز خصوصی ہے۔ اس سے زیادہ غور طلب واقعیت یہ ہے۔ کہ جب ازمنۂ تاریک میں عیسائیت اپنے بانی کے بلند نصب العین سے بتدریج نیچے گر رہی تھی اس وقت سرزمین اندلس میں ۷۳۲ عیسوی تک جب کہ عربوں کو جنگ طورس میں چارلس مارٹل نے شکست دی۔ تہذیب۔ اور علم کے خضر راہ عرب ہی تھے۔

ایک موقع پر حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عیسائیوں کو یوں مخاطب کر کے فرمایا:۔

میں تمہارے اختلافات مٹانے اور تم میں انصاف کرنے آیا ہوں۔ جس خدا کے تم پرستار ہو۔ اسی خدا کے پرستار ہم بھی ہیں ہمیں اپنے اعمال کا بدلہ ملیگا اور تمہیں اپنے رضا کے نتائج دیکھنے ہونگے۔ ایسے ہی ایک اور موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو ہم پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی تھی۔ ہمارا رب بھی اللہ ہے۔ اور تمہارا رب بھی اللہ ہے (قرآن)

مقصد حیات

اب میں اصل مقصود کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق موت ہماری شخصیّت اور ہمارے شعور نفس کا خاتمہ نہیں کرتی۔ بلکہ زندگی کے اعلےٰ منازل کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ حضرت محمدؐ فرماتے ہیں:

کیا تم نے تخم حیات پر غور کیا ہے۔ کیا جہان کے پیدا کرنے والے تم ہو یا اس کے خالق ہم ہیں۔ ہم نے موت کا حکم اس لئے صادر فرمایا ہے۔ تاکہ ہم تمہاری اس موجودہ ہیئت کو تبدیل کر دیں۔ اور تمھیں وہ کچھ بتائیں جسے تم نہیں جانتے (قرآن)

یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ کہ اس کرّہ ارضی میں انسان کی زندگی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہے۔ اور یہ کہ اس کا مقصد زندگی بلند تر حیات کا حصول ہے جہنّم اور جنّت

جن کا ذکر حضرت محمدؐ نے فرمایا ہے۔ مصیبت یا راحت کے ایسے مقامات نہیں ہیں۔ جہاں انسان کو مرنے کے بعد جانا ہوگا۔ بلکہ وہ کائنات کی اس طرف انہی حقائق حیات کے کاشف و مظہر ہیں۔ جو حقائق یہاں نمود آرا ہیں۔ حضرت محمدؐ نے اس اصلیت کی چہرہ کشائی کی ہے۔ کہ ایک نئی دُنیا بھی ہے۔ جس کے سامنے اس جہان کی ترقیات کوئی حیثیت نہیں رکھتیں"۔ جو شخص آیندہ زندگی میں ترقی کا طالب ہوگا۔ اسے اس کی کوششوں کا پُورا پُورا بدلہ دیا جائیگا (قرآن) +

حضرت محمدؐ نے بالکل واضح کر دیا ہے۔ کہ نیکی اور بدی کے اثرات اچھے اور بُرے کاموں کے نتائج جیسے اس دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ ویسے ہی ان کا تعلق دوسرے جہان سے بھی ہے۔ اور یہ کہ ان کا اظہار اُس وقت ہوگا۔ جبکہ دست اجل اس مادی ڈھانچے کی تمام حدُود و قیُود کو دُور کر دیگا +

یہ تصریحات ظاہر کرتی ہیں۔ کہ قرآن کے زاویۂ نگاہ سے موت ایک نئی اور بلند تر حیات کا دروازہ کشادہ کرتی ہے۔ ایسا ہونا کسی اتفاق یا یُونہی کسی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا وجُود علّت و معلُول مؤثر اور موثرات کے دائم البقا قانُون کا رہین منت ہے۔ کیا یہ تصوّرات کیا یہ توضیحات سائنس کے انتہائی اکتشافات کے حامل اور آئینہ بردار ہیں۔ کیا یہ ایک عجیب و غریب حقیقت نہیں ہے۔ کہ جن حقائق کو گذشتہ صدی نے الم نشرح کیا حضرت محمد صاحب تیرہ سو سال کی بات ہے۔ ان صداقتوں کو عالم آشکارا کر چکے ہیں +

قرآن کہتا ہے۔ جو شخص دانۂ خشخاش کے برابر نیک عمل کریگا۔ اسے اس کا نتیجہ دکھا دیا جائیگا۔ اور جو دانہ خشخاش کے مثل بُرائی کریگا۔ اسے وہ بُرائی دکھا دی جائیگی۔ اور یہ کہ ہر ایک بُرے فعل کا بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہ اُس کا کرنے والا مسلم ہو یا نامسلمان" اس کے ساتھ ہی حضرت محمدؐ نے اس حقیقت کو بھی مُنکشف فرمایا ہے۔ کہ

اللہ تعالےٰ کے بے پایاں فیض کرم کے تصدق میں ایک نیکی کا ثواب دس گُنا ملتا ہے، بلکہ سات سو گنا ملتا ہے۔ بدی سو اگر اس کا مرتکب توبہ کرے۔ اور آیندہ اپنی بد حرکت سے

باز آجائے تو محو کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اُسے بدی کے مثل سزا دی جاتی ہے" + اس سے صاف عیاں ہے۔ کہ انسان اپنی بُرائیوں کی وجہ سے خود اپنے آپ کو سزا دیتا ہے اور دوسروں کو بھی اس جہان میں اپنی بُرائی کے باعث مبتلائے آلام کرتا ہے۔ کیا دیگر پیامات والہامات ربانی میں بالکل یہی امور نہیں بیان کئے گئے؟ حضرت محمد صلعم نے واضح کر دیا ہے۔ کہ بدی اور نیکی کے نتائج کا قانون اب ہمہ گیر شان رکھتا ہے۔ اور ہر ایک کے اعمال کو کراماً کاتبین (دیانتدار رپورٹر) قلمبند کرتے رہتے ہیں۔ اور اُن کی نگاہوں سے انسان کا کوئی فعل اور عمل نہیں رہ سکتا (قرآن) +

بہشت اور دوزخ

اب رہا سوال حیات اُخروی کا۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ جنت اور دوزخ کے متعلق حضرت محمد صلعم نے کیا ارشاد فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ حیات بعد الممات دو صورتیں اختیار کرتی ہے۔ جن اشخاص کے اعمال نیک کا پلہ بدیوں سے بھاری ہے۔ اس کا مقام فردوس ہے۔ اور جس کی بدیاں نیکیوں سے زیادہ ہوگئیں۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لفظ جنت کا مترادف لفظ فردوس ہے۔ جس کا مطلب ایک باغ یا بُستان ہے۔ لیکن لفظ جنت کو عام طور پر صادقین کا مقام کہا جاتا ہے۔ یا یہ کہ جنت ایک ایسی جگہ ہے جہیں انہار جاری ہیں۔ انہار ایمان کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اور باغات سے مقصود ایسے اعمال ہیں۔ جو کسی شخص نے کئے ہوں یا کر رہا ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی نعمتوں میسرتوں اور برکتوں کو اس کرۂ ارضی کے کے ساکنان کے سمجھنے سے قطعاً قاصر ہیں۔ کیونکہ اُن کا تعلق اس جہان سے نہیں ہے۔ اسی راز کو ایک اطالوی ضرب المثل نے یوں منکشف کیا ہے:-

دل ان معلومات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ جن کا قبل ازیں حواسِ ظاہری میں تصور موجود نہ ہو"۔ کیا یہ وہی حقیقت نہیں۔ جسے مُقدس پال نے اپنے پہلے خط بنام قرنتیوں میں بدیں الفاظ بیان کیا ہے +

جو نعمتیں خُدا نے اہل جنت کے لئے طیار کر رکھی ہیں۔ جن سے اُنھیں محبت ہے ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی قلب میں گذری ہیں +

بخاری شریف میں حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) کے الفاظ بعینہٖ وہی ہیں۔ جن کا تذکرہ اُوپر کیا گیا ہے۔ مثلاً آپؐ کا ارشاد یہ ہے +
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ میں نے اپنے مومنین قانتین کے لئے ایسی نعمتیں طیّار کر رکھی ہیں۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی۔ نہ کسی کان نے سُنی۔ اور نہ کسی دل میں ان کا تصوّر گذرا ہے +
حُور۔ اثمار۔ عیُون۔ دُودھ۔ شہید۔ رفرف۔ سُرر (تخت) حریر۔ لؤلؤ و مرجان (جواہرات) وغیرہ جن نعمتوں کی تفصیل قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ اس خصوص میں صرف یہ اشارہ کافی ہے۔ کہ یہ نعمتیں ان مشرقی آثار و علائم تشکوہ و تجمل کی مظہر ہیں۔ جو ہم اس سفلی دُنیا کے رہنے والوں کو مرغوب ترین اور محبُوب ترین معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے ہی الہاماتِ یوحنّا میں بھی جن منزل من السّما بلد مقدس کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے بازار سونے اور دروازے موتیوں کے بیان کئے گئے ہیں جس کے پتھر ازبس قیمتی بنائے گئے ہیں۔ ان اشیاء کو بھی ان اشیاء کی مانند جو اسلامی جنّت کی زینت ہیں۔ اصطلاحی یا لفظی طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ ان الفاظ میں صرف ان شاندار چیزوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو مشرق و مغرب کے تخیّل کی انتہائی پرواز میں آسکتا ہے۔ مزید بر آں حضرت محمدؐ نے ہمیں اس راز سے آگاہ کیا ہے۔ کہ حیات اُخروی میں زمان اور مکان کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ یہ بیان عالمیان علوم مابعد الطبیعات کی تصریحات و تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ جب آنحضرت سے یہ پُوچھا گیا۔ کہ اگر جنّت آسمانوں کی تمام وسعت کو گھیرے ہُوئے ہے۔ تو دوزخ کہاں ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ”جب دن ہوتا ہے۔ تو اس وقت رات کہاں ہوتی ہے“۔ یہ جواب مُنکشف کرتا ہے۔ کہ حضرت محمدؐ صاحب کے نزدیک جنّت اور دوزخ محض ذہنی کیفیات ہیں واقعی مکانات نہیں ہیں۔ یہ بیان تمام دیگر بیانات ایزدی کے مرادف ہے حضرت محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جنّت اور دوزخ کے درمیان صرف ایک حجاب حائل ہے۔ جنّت اور دوزخ کا اسلام کے نزدیک کوئی مادی جسمی یا طبیعی وجود نہیں ہے۔ البتہ ازمنۂ وسطےٰ کے عیسائی احبار و رہبان فردوس و جہنم کو مادی وجود قرار دیتے ہیں

اور آج بھی تمام ارباب کلیسیا اُسے ایسا ہی تسلیم کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے تصور جہنم و جنت کو ڈونٹے نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔ بہ خلاف ازیں قرآن صاف اور بین الفاظ میں بتاتا ہے۔ کہ جنت اور دوزخ اس دُنیا میں شروع ہو جاتا ہے اس لئے کہ ہم قرآن میں پڑھتے ہیں " اے نبی کہ جو لوگ نیک اعمال کرتے ہیں آپ ان کو یہ خوشخبری سنا دیں۔ کہ انھیں ایسے باغات نصیب ہونگے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی ۔ جب اُنھیں جنت کا کوئی میوہ دیا جائیگا کہیں گے کہ اس سے تو وہ پہلے بھی لذت اندوز ہو چکے ہیں۔ اور انھیں ایسے ہی پھل پھر بھی دیئے جائینگے (قرآن) کئی ایک دیگر آیات میں بھی اس مضمون کا اعادہ کیا گیا ہے۔ یہ آیت بوضاحت تمام ظاہر کرتی ہے۔ کہ یہاں جس پھل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا وجود صرف نیک اعمال کا ایک نشان ہے۔ اور یہ اطمینان قلب کا آئینہ بردار ہے۔ جو نیک انسانوں کو اسلئے حاصل ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے باعث ان سے راضی ہے ایسے ہی حضرت محمدؐ صلعم بیان فرماتے ہیں۔ کہ جنتیوں کو سب سے زیادہ لُطف اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہونے سے ہو گا۔ کیا یہی حقائق نہیں جن سے ہمیں اہل رُوحانیات آگاہ کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ صلعم ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ ملائکہ کے قلوب میں نہ کسی کی طرف سے کوئی شکوہ ہے نہ رنج نہ حسد نہ بغض۔ بلکہ صرف محبت موجزن ہے۔ میرا یقین ہے۔ کہ حضرت محمدؐ صاحب کا عالم رُوحانیت سے گہرا تعلق تھا۔ وہاں سے آپؐ کو پیامات آتے تھے۔ ایسے ہی آپؐ فرماتے ہیں :-

وہاں نہ اُنھیں کوئی لغو شئے سُنائی دیگی۔ اور نہ گنہگارانہ گفتگو سُننے کی زحمت اُٹھانی پڑیگی۔ بلکہ وہاں صرف سلامتی اور امن جلوہ گر ہوگا" + (قرآن)

حضرت محمدؐ صلعم نے اس حقیقت پر خاص زور دیا ہے۔ کہ جنت محض آرام اور راحت کا مقام نہیں ہے۔ بلکہ کام کرنے اور تقدس و طہارت کی بلند ترین چوٹیوں پر گامزن ہونے کا مقام ہے آپؐ کے الفاظ میں جنت بام رُوحانیت کا ایک زینہ ہے +

جہنّم

ایسے ہی کنایات و مجازات آپ نے دوزخ کی حقیقت کو منکشف کرنے میں بھی استعمال فرمائے ہیں۔ دوزخ کے شعلے اور اس کی سزائیں ان ہولناک کہانیوں کی مانند جن سے ہمیں بچپن میں ڈرایا جاتا تھا۔ کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ محض نقصوں سے پاک صاف ہوتا اور روحانی ترقیاں ہیں۔ حضرت محمدؐ صاحب کا منشا ہرگز یہ نہ تھا۔ کہ آپ کی اُمت ان چیزوں کو حقیقی معنوں پر محمول کرے۔ دوزخ کا پس پُشت یہ خیال ہے۔ کہ جن لوگوں نے اس دُنیا میں ان مواقع کو ضائع کر دیا۔ جو انھیں حاصل ہوئے۔ اس اصول کے ماتحت کہ جو بیجو گے وہی کاٹو گے۔ روحانی مرض کے مداوا کی زحمت برداشت کرنی ہوگی۔ جس بیماری کا سبب ان کی اپنی بے التفاتی اور بد پرہیزی ہوگی۔ اسی بناء پر آپ نے ساکنان جنت اور اہل دوزخ کو امتیازی طور پر علیحدہ علیحدہ مقامات پر سکونت پذیر بتایا ہے۔ اور دوزخ کی زندگی کو عارضی اور جنتی زندگی کو دوامی قرار دیا ہے۔ قرآن نے ہمارے پادریوں کی طرح جہنمی زندگی کو ابدی نہیں ٹھیرایا محمدؐ نے عذاب دوزخ کو ایک معالجہ قرار دیا ہے۔ تاکہ رُوح لوث عصیان سے پاک صاف ہوکر خداوند کے حضور میں عاجزی کرنے کے قابل ہو جائے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ دوزخ عاصیوں کا رفیق ہے۔ کیونکہ اُنھیں عذاب کی بھٹی میں جھونک کر پاک صاف کیا جائے گا اسمیں ڈال کر اُن کے عیوب دُور کئے جائینگے۔ اور اس طرح اُنھیں عروجِ رُوحانی کے قابل بنایا جائیگا۔ بلا شک و شبہ ایک آیت میں دوزخ کو گنہگاروں کی ماں (اُمّہٗ ھاویہ) کہا گیا ہے۔ یہ ماں اور اس کے بچے کی مماثلت کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا گنہگار ایسا ہے کہ اس نے آغوش جہنم میں پرورش حاصل کی ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا ہے۔ کہ دوزخ ایک عارضی مقام ہے۔ اور عاصیوں کی تطہیر کے لئے بمنزلہ ایک شفاخانہ کے ہے۔ قرآن کی بعض آیات میں دوزخ کو خدا سے دُوری کے مرادف بتایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ روزِ قیامت کو انتہائی پشیمانی کا دن قرار دیا ہے

مختصر یہ کہ ہر ایک صورت میں آتش سوزاں یا نار سعیر کو بہ رنگ مجاز خاص تباہی یا بُرے اعمال کو مجسم کر جانے کے ہم معنی بیان کیا گیا ہے۔ دوزخ کو قرآن میں سات مختلف نام بتائے گئے ہیں۔ انھیں دوزخ کے سات جُدا گانہ طبقات خیال کیا گیا ہے۔ قرآن نے زیادہ کثرت سے لفظ "جہنّم" استعمال کیا ہے۔ جو جھنیا کے مرادف ہے آخر الذکر لفظ ہماری اناجیل کے ذیلی حواشی میں مرقوم ہے۔ جسے غلطی سے ہیڈیس یا اہل (دوزخ) کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ وادی ہنوم پر دلالت کرتا ہے جس میں ہمیشہ شہر یروشلم کا تمام کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا اور نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ یسوع مسیح نے جسے اس آیت میں بیان کیا ہے۔ کہ وہاں نہ کوئی کیڑا ہلاک ہوتا ہے۔ اور نہ آگ فرو ہوتی ہے۔ انجیل میں اس آیت نے ہمیشہ ہی ایک ہَول طاری کیا ہے۔ یہ امر بدیہی طور پر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس وقت حضرت محمدؐ نے یہ توضیح کی۔ کہ جہنّم کوئی واقعی عذاب گھر نہیں ہے۔ اس وقت مُتذکرہ خیال ضرور اُن کے دل میں موجزن تھا۔ اسلئے کہ ارواح کا کوئی نظام عصبی نہیں ہے۔ اور وہ بدنی درد و کرب محسوس کرنے کے ناقابل ہیں +

مجھے اُمید ہے۔ کہ جو اس مضمون کو غیر متعصبانہ دل و دماغ کی اعانت سے پڑھینگے۔ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچ جائینگے۔ کہ جنّت اور دوزخ کی جو تصویر قرآن نے کھینچی ہے وہ ہماری اناجیل کی پیش کردہ تصویر سے زیادہ معقول۔ زیادہ صاف اور بہتر ہے۔ اور یہ کہ قرآن کا بیان ان اطلاعات سے زیادہ مشابہ و مماثل ہے۔ جو ہمیں رُوحانی ذرائع سے عالم ارواح سے حاصل ہوتی ہیں۔ میں ایک عیسائی ہوں۔ مَیں مسلمان نہیں ہوں۔ لیکن حیات بعد الممات کا جو نقشہ حضرت محمدؐ نے پیش کیا ہے۔ وہ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کہ آیا واقعی خدا کے رسُول تھے۔ آپ کو خدا نے اس لئے مبعوث فرمایا۔ کہ آپ دُنیا کو صداقت کا سیدھا راستہ بتائیں۔ اور زندگی کا بہتر مفہوم واضح کریں۔ یسوع مسیح کی مانند آپ بھی اعلےٰ درجے کے رُوحانی اور عالم رُوحانیات کے اسرار کے کاشف تھے۔ آپ نے دوزخ جنّت کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے۔ وہ ماہران رُوحانیات کی تازہ ترین تحقیقات سے عین مطابق ہے۔ البتہ آپ کے بیان کردہ حقائق ان توہمات کے خلاف ہیں جنہیں تیسری صدی سے لیکر تا ایندم ہمارے احبار و رہبان سُناتے رہے ہیں +

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں عید الفطر

ہز ایکسیلنسی حضرت حافظ شیخ وہبہ صاحب سفیر و منسٹر عالیجناب ہز مجسٹی سلطان ابن سعود صاحب کی اقتدا میں نماز ادا کی گئی۔

شاہجہان مسجد ووکنگ میں اسلامی اخوت کا عملی نمونہ

عید الفطر کا اسلامی تہوار اس سال نہایت تزک و احتشام سے شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں مؤرخہ ۱۹ فروری ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء بروز جمعرات منایا گیا۔ عید سے ایک رات پیشتر ہوا سرد اور تیز تھی خفیف سی برف بھی پڑی۔ فروری سرد مہینہ پھر اس پر برف کے پڑنے نے طبعاً دلوں میں شکوک پیدا کر دیئے۔ کہ موسم کی ناملائمت کہیں تقریب عید کی خوشی میں حائل نہ ہو۔ اسلئے موسمی حالات کو سامنے رکھ کر ممکن احتیاط برتی گئی۔ خیمے اس قدر وسیع لگائے گئے کہ ان کے اندر جملہ متعلقات عید بحسن و خوبی انجام پا سکیں خیموں کے اندر کی فضا کو گرمانے کیلئے بجلی کی انگیٹھیوں کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن اگر عید کے روز موسم خوشگوار نہ ہوتا تو یہ سب اہتمام خاک میں ملجاتا خوش قسمتی سے عید کی صبح نہایت ہی خوشگوار نمودار ہوئی۔ نماز کی ادائیگی کے وقت تک تمازت آفتاب اس قدر تھی۔ کہ مجبوراً خیموں کے ایک طرف کے پردے اُٹھانے ہی پڑے۔

صبح دس بجے کے قریب مسجد میں دوستوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی اس تقریب سعید میں تین صد سے زیادہ نفوس شامل ہوئے کئی ایک پہلو سے یہ اجتماع عظیم اپنے رنگ میں عدیم النظیر تھا۔ یہ مہتم بالشان اجتماع تین بڑا عظموں کی نمایندگی کر رہا تھا اسلام کے جھنڈے تلے اس جگہ نہ صرف پیروانِ اسلام ہی تھے۔ بلکہ سکھ۔ ہندو

پارسی اور عیسائی تک بھی شامل ہوئے - جو اسلام سے ذرا بھی تعلق نہیں رکھتے اس طرح اس ملی و قومی اجتماع نے دنیا پر اسلام کا تمدنی و معاشرتی نقطہ نگاہ عملاً پیش کر دیا +

عالیجناب ہز میجسٹی سلطان ابن سعود ادام اللہ ملکہا کے نمایندہ سفیر و منسٹر عالیجناب ہز ایکسلنسی حضرت شیخ حافظ وہبہ بالقا مقیم لندن کی اقتدا میں نماز عید ادا کی گئی - آپ نے عید کا خطبہ قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلعم کی زبان عربی میں پڑھا +

جناب مولوی عبد المجید صاحب ایم - اے - بی - ٹی امام شاہجہان مسجد ووکنگ کی استدعا پر ہز ایکسیلنسی عالیجناب حافظ شیخ وہبہ صاحب نے عید کی نماز کی امامت قبول فرمائی - جناب مولوی عبد المجید صاحب موصوف نے امامت کے انتخاب میں روایات ووکنگ کو قائم کیا - اور معاملۂ امامتِ نماز میں کسی فرقی تمیز کو ملحوظ نہیں رکھا اور انھوں نے حقیقی اخوتِ اسلام کے قائم کرنے کے لئے ایک ایسے امر کی تجدید کی جس کے نہ ہونے سے مسلمان تباہ ہو رہے ہیں - پچھلے سال ہی ووکنگ مسجد میں نماز عید کا ایک حصہ مفتیٔ اعظم فلسطین نے ادا کیا - اور آج ہم حضرت حافظ شیخ وہبہ صاحب کی اقتدا میں کل فرقہائے اسلام کو شاہجہان مسجد ووکنگ میں نماز ادا کرتے ایک ہی صف میں دیکھ رہے ہیں جہاں اخوت اسلامی کا عملی نمونہ نظر آ رہا ہے - جماعت ہی درحقیقت اسلام میں ایک بندھن ہے - جو ہم میں روح اتحاد پیدا کر دیتی ہے - جو لوگ اسلام کو فرقی مصائب سے آزاد کرنا چاہتے ہیں - وہ پہلے مسلمانوں میں سے امامت کی تمیز دور کریں - تبلیغ اسلام کیلئے گھر سے باہر نکلنا اول اس امر کا متقاضی ہے - کہ ہم عملاً اس فرقی تمیز کو اپنے اندر سے نکال دیں - کیونکہ فرقی اسلام

غیر قوموں میں نہیں پھیل سکتا +

الغرض مختلف فرقہائے اسلام اور مختلف اقوام کے مسلمانوں نے عید کی نماز میں شامل ہو کر اسلام کی ایک عظیم الشان و نمایاں خصوصیت کو کہ "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں" اور اسلام میں فرقی اختلافات مانع اقتداء نماز نہیں ہو سکتے۔ دُنیا پر عملاً ثابت کر دیا +

ہز ایکسیلینسی کا شاہجہان مسجد ووکنگ میں عید کی نماز کی امامت کرانا۔ اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ کہ اسلام فرقہ بندی سے بالاتر ہے۔ امتداد زمانہ تشتت و افتراق نے خواہ کتنے ہی نام نہاد فرقے اسلام میں پیدا کر لئے۔ لیکن ہر ایک فرقہ محکم اصُول پر قائم ہے۔ اور محکمات میں ایکدوسرے سے بالکل متفق ہے۔ مذہب تمدن کی جان ہے۔ تمدن کے لئے مذہب آیا کرتا ہے۔ حقیقی تمدن کی بُنیاد اتفاق و اتحاد ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر اخوت ہے۔ اس راز کو حضرت نبی کریم صلعم نے خُوب سمجھا۔ اسی لئے آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو پانچ وقت مسجد میں جمع کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے امامت کے سوال کو سامنے رکھ کر اس تشتت و افتراق کو اپنے اندر پیدا کر لیا +

اسلام میں مذہب کی تلقین کرنیوالی پیشہ ور جماعت کا وجُود ہی نہیں رکھا گیا۔ مذہبی اقتداء ہر اس مسلم شخص کا حق سمجھا گیا ہے۔ جو اسلام کے حقائق و معارف سے واقف ہو۔ اس کے برخلاف دنیا کے دیگر مذاہب میں اہل دین ہونا ایک خاص فرقہ کا پیشہ قرار پا چکا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام اپنی اصلی شکل و صُورت میں۔ جیسا کہ ایک سیاست دان کے لئے برکت راحت و بھلائی کا موجب ہو سکتا ہے۔ ویسے ہی ایک بازاری آدمی کیلئے موزوں و مفید ہے۔ اسلام میں جو نام نہاد فرقے ہیں۔ اُن میں اس قدر تشتت و افتراق نہیں جو عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں موجود ہے

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - اور اسی اختلاف نے وہاں مختلف گرجاؤں اور کلیسیاؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جو اصولاً ایکدوسرے کے

تفیض واقع ہوئے ہیں مثال کے طور پر عیسائیت میں یہ امر وہم و قیاس سے بالاتر ہے کہ ایک کیتھولک عقاید کا پادری ایک نن کنفارمسٹ پادری کی جگہ اُن کی مذہبی رسومات کو ادا کرے۔ یا ایک پادری دوسرے کے ممبر پر سے خطبہ دے سکے لیکن اسلام میں اس کے برعکس اس قسم کی اجازت کوئی عجیب امر نہیں۔ ایک شیعہ بزرگ مسجد میں اگر امامت کراتا ہو۔ تو وہابی مسلم بھائی اسکی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک وہابی مسلم بھائی مسجد میں اگر امامتِ نماز کرا رہا ہو۔ تو ایک شیعہ مسلم بھائی اُس کی اقتدا میں نماز پڑھ لیتا ہے۔ اور اسی عملی عالمگیر اخوت کی وجہ سے اسلام غیر قوموں میں قابلِ امتیاز سمجھا جاتا ہے +

جُوں ہی کہ ہز ایکسیلنسی نے خطبہ عید ختم فرمایا۔ تو اس کا انگریزی ترجمہ سامعین میں مفت تقسیم کیا گیا۔ یہ زیادہ موزوں ہوتا۔ اگر اس کا انگریزی ترجمہ سامعین کو پڑھ کر سنایا جاتا لیکن قلت وقت اور موسم کی نا ملائمت کی وجہ سے اکثروں نے امام مسجد ووکنگ کو یہی مشورہ دیا۔ کہ اس کو مفت تقسیم کر دیا جائے +

خطبہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تھی۔ اس کے بعد اسلامی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا۔ پھر رُوح اسلام زیر بحث رہی۔ اور اس انقلاب کا ذکر کیا گیا۔ جو بعثت اسلام نے عربوں کی زندگی میں بپا کر دیا۔ پھر مسلمانوں کی توجہ اس محیر العقول سیاسی اور تمدنی تفوق کیطرف منعطف کرائی گئی۔ جس نے انسانوں کے درمیان تمام قسم کے امتیازات کو اٹھا کر تقوی اللہ کو موجب نجات قرار دیا۔ مسلمانوں کی تمام شان و شکوہ عظمت و جلال کی وجہ سے فقط مذہب اسلام کی انقیاد و فرمانبرداری ہے۔ اور اسکے موجودہ انحطاط و تنزل اور قومی فرسودگی اور زوال کی وجہ اُس صراط مستقیم سے انحراف ہے۔ جو اسلام نے تجویز کیا ہوا ہے پھر خطبہ کو خدا تعالیٰ کی تمجید و تحمید اور حضرت نبی کریم اور صحابہ کرام پر برکات کے نازل ہونے اور مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلنے کیلئے دُعا پر ختم کیا گیا +

خطبہ کے بعد دوست و احباب نے آپس میں معانقہ کیا۔ اور ایک دوسرے کو عید کا ہدیہ تبریک پیش کیا۔ کُل مہمانوں کی چاء سے تواضع کی گئی۔ دوستوں میں اکثر تو ۹ بجے شام تشریف لے گئے لیکن اُن میں سے بعض رات تک اس برادرانہ اجتماع کی خوشی میں شرکت کے لئے ٹھیرے رہے۔

ذیل کے احباب نے اس تقریب میں حصہ لیا۔ جناب ہز ہائنس شاہ ولی خان صاحب منسٹر افغانستان۔ ہز ایکسیلنسی ڈاکٹر حافظ عفیفی پاشا منسٹر مصر۔ ہز ایکسیلنسی ڈاکٹر اسکرکیلاس منسٹر فارس۔ میڈم نوری اسفندری۔ ایم ذوالفقار خان۔ افغان کونسلر۔ مسٹر سیڈورس پاشا۔ لیڈی بلومفیلڈ۔ اینڈ مسٹر بیل ہال۔ سردار اقبال علی شاہ صاحب مع اہلیہ۔ مسز بوکیفن ہملٹن۔ مسٹر عبداللہ یوسف علی صاحب۔ مسٹر حبیب اللہ لوگرو۔ پروفیسر ہارون لیون۔ ڈاکٹر زادہ۔ ڈاکٹر سلامہ۔ ڈاکٹر عبدالمجید۔ کپتان گورڈن کینسن پرتس۔ کے ایس محمد صادق اینڈ مسز کیلمن۔

خادم

خواجہ عبدالغنی سکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

گوشوارہ آمد و خرچ دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۳۱ء

تفصیل آمد	نمبر	رقم آمد ہندوستان و انگلستان — پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان — روپیہ	آنہ	پائی
آمد مشن وریویو وکتب	۱	۰	۲	۹۴۹۲	خرچ مشن وریویو وکتب در ہندوستان و انگلستان	۳	۱۱	۰۰	۱۰۶۵۲
آمد ریزرو فنڈ	۲	۰	۵	۱۷۴۶	خرچ رقم قرضہ جو کہ ریزرو فنڈ سے لی گئی	۴	۰	۶	۱۶۸۶
میزان	۰	۰	ـ	۱۱۲۳۸	میزان	۰	۱۱	۶	۱۲۳۳۸

دستخط فنانشل سکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

تمدن اسلام
مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب
ینابیع المسیحیت و مسیح کا ظہور اتم
مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی مسلم مشن ووکنگ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

بابت ماہ مئی ۱۹۳۱ء

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے (۳/۸) سالانہ

قیمت پانچ روپیہ سالانہ ممالک غیر کیلئے

التماس: زرخواستہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

۱۹۳۱ء

عزیز منزل — برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

فہرست مضامین

اشاعت اسلام

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء مطابق ذوالحجہ سنہ ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

اہل برطانیہ اور احساس مذہب

اہل برطانیہ کی زندگی کو مذہبی قالب میں ڈھالنے کے لئے مسلم مشن ووکنگ جو اہم ترین حصہ لے رہا ہے۔ اس سے فقط وہی احباب واقف ہو سکتے ہیں۔ جو اس مشن کی تبلیغی جدوجہد سے واقف ہیں + ہندوستان کے بعض حلقوں میں یہ غلط خیال جاگزین ہو چکا ہے۔ کہ یوروپین لوگ دنیا کمانے میں اس قدر دیوانہ وار منہمک ہیں۔ کہ وہ مذہبی امور کی طرف توجہ دینی پسند ہی نہیں کرتے لیکن ذیل میں ایک مثال پیش کر کے ناظرین کرام کو صورت حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے +

بلیک پول کے نزدیک ایک شخص رہتا ہے۔ جو کہ میرے نزدیک بہترین مسلمان ہے۔ گو وہ ابھی تک نومسلم انگریز ہے۔ اس نے ہمیں اپنا نام کبھی بھی نہیں بتلایا۔ لیکن مشن کو باقاعدہ چندہ ادا کرتا رہتا ہے۔ عیدین اور دیگر تقاریب پر مشن کی خصوصی اعانت بھی کرتا ہے۔ یاد رہے کہ اس دور میں کیا ایسی خاموش مالی قربانی اسکی محبت مذہب کا کافی ثبوت نہیں ؟

قبولیت اسلام

مسجد ووکنگ میں جس طرح قبولیت اسلام ہوا کرتی ہے۔ وہ بھی اپنے اندر ایک نمایاں خصوصیت رکھتی ہے۔ رسالہ اسلامک ریویو یا مشن ووکنگ کا دیگر اسلامی لٹریچر ان ہاتھوں میں پہنچتا رہتا ہے۔ جن کی عقل سلیم اور عیسوی عقاید پر ایمان میں کشمکش ہوتی رہتی ہے۔ اسلامی ادبیات میں انھیں رشد و ہدایت نظر آتی ہے۔ جس سے پھر وہ تعلیم اسلام پر غور و تدبر کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس طرح اسلام قبول کرنے کا

تہیہ کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات تو اس قسم کے لوگ ہمیں خط لکھتے ہیں۔ اور بسا اوقات سیدھے مسجد ووکنگ میں اخوت اسلامی میں شامل ہونے کیلئے تشریف لے آتے ہیں۔ اس قسم کے دو واقعات گذشتہ ہفتہ پیش آئے +

جناب مسٹر ٹامس برامرے ہمیر جو ایک انجینئر ہیں۔ ایک صبح بالکل غیر متوقع مسجد ووکنگ میں آ نکلے۔ اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد انھوں نے بخوشی مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ آپ ایک قابل اور تعلیم یافتہ بزرگ ہیں۔ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کے جملہ حالات کا علم ہے۔ آپ کو ہمارے اسلامی لٹریچر کے دیکھنے کا موقعہ افریقہ میں ملتا رہا ہے۔

مس نیلی لبر اڈلی نے جس کا اسلامی نام اب **امینہ** ہے اتوار کے روز ہم سے ملنے کا وعدہ کیا۔ وہ صرف ایک دفعہ ہی ہمارے اتوار کے لیکچر میں شامل ہوئیں اور اس کے بعد اعلان اسلام کی فارم پر خود ہی برضا و رغبت دستخط کر دیئے۔ انھوں نے ہمیں بعد ازاں بتلایا کہ وہ گھر سے ہی **اعلان اسلام** کرنے کیلئے مسجد میں آئی تھیں۔ عیسوی یورپ کی تمدنی اور معاشری حالات پر ان کے پاس بیش بہا خیالات کا مجموعہ ہے اور اس قسم کے مبحث پر انھوں نے اسلامک ریویو میں مضامین لکھنے کا وعدہ فرمایا ہے +

(آفتاب الدین احمد اسسٹنٹ امام شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان)

شاہجہان مسجد ووکنگ (انگلستان) کے ہفتہ واری لیکچر

مورخہ ۵ - اپریل ۱۹۳۱ء اتوار کے روز مسجد ووکنگ میں "اسلام ایک اتحادی کڑی ہے" کے موضوع پر ایک لیکچر ہوا۔ دوران لیکچر میں یہ ثابت کیا گیا۔ کہ اگر کوئی مذہب کبھی قومیت - رنگ و ملک کے ان امتیازات و حدود کو جو انسان کو انسان سے جدا کرتے ہیں کے اڑانے میں کامیاب ہوا ہے۔ تو وہ **اسلام** ہے۔ اور اس کامیابی کی وجہ یہ بیان کی گئی۔ کہ جہاں اور مذاہب اس سوال پر خاموش ہیں۔ وہاں اسلام کے اندر ایک مکمل و عملی ضابطہ موجود ہے۔ جب تک جمہور اسلام نے قرآن کی تعلیم پر عمل کیا انھیں قابل تعریف ترقی

حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ اسلام کی کامیابی کا سب سے مؤثر اور طاقتور عنصر نماز وں کو باجماعت پڑھنا ہے۔ اور ان سب میں وہ عالمگیر اجتماعِ عظیم سب سے اہم ہے۔ جو ہر سال بیت اللہ کے اندر۔ مکہ معظمہ کی مقدس سرزمین میں ہوتا ہے +

لیکچر کے اختتام پر اس امر پر بحث ہوئی۔ کہ فرقہ وارانہ تفوق۔ رنگ و قوم کے امتیازات تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ یہ تمام نسل انسانی کے مختلف پہلوؤں اور تعلقات پر اثر ڈالتا ہے۔ آخرش یہ متفقہ طور سے تسلیم کیا گیا۔ کہ اسلام نے ان تمام پہلوؤں کو لیا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے اسلام اپنے اندر علاج رکھتا ہے +

انگلستان میں معلمان روحانیت کی روزافزوں ترقی

۲۲ تاریخ کو مسجد ووکنگ میں "اسلام کی روحانی ترقی" پر لیکچر ہوا۔ اتوار کے ان اجتماعوں میں ہمیشہ اسلام کا ایک نیا پہلو پیش کیا جاتا ہے۔ موسم گرما کی آمد آمد سے سامعین کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اتوار کا ایک لیکچر نہایت ہی دلچسپ بحث پر ختم ہوا۔ جس کا موضوع یہ تھا۔ کہ آیا تہذیب حاضرہ کسی صورت میں بھی عیسوی تہذیب کہلانے کی مستحق ہے یا نہیں۔ بالآخر یہ طے ہوا۔ کہ عیسائیت کو مروجہ تہذیب کی ترقی سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ سروائیول لیگ Survival League کے زیر اہتمام

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ کا رائل تھیٹر لندن میں لیکچر

اتوار کے روز دیگر مذاہب کے نمایندگان کے ساتھ۔ لیگ کے سکرٹری صاحب نے جناب امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان کو بھی مدعو کیا۔ تاکہ وہ اسلامی نقطۂ خیال سے بعثت بعد الموت پر چند منٹ میں اظہار خیال فرمائیں۔ جناب امام صاحب موصوف نے اس عرصہ کے دوران میں واضح کیا۔ کہ جہاں تک اصول ہائے مذاہب کا تعلق ہے۔ معلمان روحانیت تقریباً ان نتائج پر پہنچ چکے ہیں۔ جو اسلام تعلیم کرتا ہے۔ ان کا اور ہمارا فرق صرف اتنا ہے۔ کہ ان کے نزدیک ارواح دنیا میں آتیں۔ اور لوگوں سے باتیں کرتی ہیں +

یہ امر بھی شاید مفید مطلب ہو کہ فرقہ روحیں خدا ایک واحد ہے۔ موت کے بعد انسان کی روحانی بعثت۔ انبیائے کرام اور بہت سے مسلم صوفیائے کرام کی روحانی رفعت پر ایمان رکھتا ہے۔ جناب مسیح پر مسلمانوں کی طرح کا ہی ان کا ایمان ہے مغرب میں یہ تحریک مادیت کا قلع قمع کرنے میں نہایت عجلت سے پھیل رہی ہے۔ اس جدید عقیدہ کے مرد میدان لندن کے مشہور و معروف اخبار نویس مسٹر حینیفہ و چولیفر جیسی بڑی شخصیتیں ہیں۔ ہمارے مسلم بھائیوں کو چاہئے کہ مسلم صوفیائے کرام حضرت محی الدین ابن عربی حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم کی متصوفانہ کتب کو جو روحانی تجلیات و تجربات سے بھری پڑی ہیں۔ اس جدید فرقہ کی رہنمائی رشد و ہدایت کے لئے انگریزی میں تراجم کر کے ان میں کثرت کے ساتھ شائع کریں۔ تاکہ وہ جلد تر اپنی روحانی تشنگی کا سامان اسلام کی روحانیت میں حاصل کر کے طمانیت قلب حاصل کر سکیں۔ کیا ہمارے مسلمان بھائی یورپ کے ان پیدا شدہ وقتی حالات سے فائدہ نہ اٹھائینگے +

مغرب میں اسلام کی بیداری

مسلم مشن ووکنگ کے اس ہفتہ کی ڈاک میں جو دلچسپ خطوط موصول ہوئے ان میں سے فقط دو کا میں ذیل میں ذکر کرونگا۔

ایک مراسلہ تو کونٹس زینب سیکرٹری آف سویڈن کا ہے۔ وہ کینیز (فرانس) سے لکھتی ہیں۔ کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے وطن میں اقامت پذیر ہوں۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ میرے ہاں کے لوگ گذشتہ سے کئی گنا زیادہ اسلام کے متعلق تفحص و استفسار کرتے ہیں جوں جوں یہ مذہب اپنی اصلی شکل و صورت میں پیش ہو رہا ہے۔ وہ زیادہ تر اسمیں دلچسپی لے رہے ہیں +

دوسرا خط حلیمہ مارگریٹ کوری کی طرف سے ہے۔ وہ لکھتی ہیں۔ چونکہ سابقہ اسلامی نماز گاہ لندن میرے گھر سے دور تھی۔ اسلئے باوجود میں اپنے دلی جذبہ و شوق

کے بھی جمعہ کی نمازوں میں شامل نہ ہو سکتی تھی۔ اب چونکہ میرے خاوند نے ایک ایسے موقعہ پر مکان لے لیا ہے۔ جو کہ اسٹیشن ہوس کے نزدیک تر ہے۔ اسلئے جدید اسلامی نمازگاہ میں پہنچنے میں مجھے بہت سہولت ہوگی۔ اُس نے لکھا ہے۔ کہ میں دلی محبت و شوق سے قرآن کریم کا مسلسل مطالعہ کر رہی ہوں۔ اس جگہ یہ امر بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ نومسلمہ مذکور نے دو برس سے سلام قبول کیا ہوا ہے +

اللہ تعالیٰ ان نومسلمین کے دلوں میں ایمان مضبوط کرے۔ اور ہمیں بھی خدمتِ اسلام کی توفیق بخشے +

امریکن کالج طہران (ایران) کے لائبریرین کا ایک خط مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۳۱ء

امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان

پیارے جناب!

حال ہی میں میں نے خواجہ کمال الدین صاحب کی بہت سی تصنیفات دیکھی ہیں۔ جو آپ نے شائع کی ہیں۔ مجھے تامل ہو کہ آیا آپ ہمارے کالج کی لائبریری کو اُن کتب کے مکمل سٹ کو تحفۃً پیش کرنا پسند بھی کرینگے یا نہیں۔ ہمارے کالج میں آٹھ صد نوجوان ایرانی طلباء ہیں جو مروجہ مذہبی سوالات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں جو اُمید کامل ہے کہ ان کتب کو دلی شوق سے پڑھینگے +

آپ کا مخلص دوست

ہیرک ۔ بی ۔ ینگ لائبریرین

مراسلہ بالا ناظرین کرام پر اس بڑھتی ہوئی مانگ کا پتہ دیتا ہے جو کل دنیا میں اسلامی ادبیات کے متعلق ہے۔ لیکن ان کتب کے بہم پہنچانے کے ذرائع ہمارے پاس بالکل محدود و قلیل ہیں۔ ہم نے بمشکل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی فقط ایک انگریزی تصنیف ینابیع المسیحیت کی ایک کاپی انھیں بھیجی ہے اور انھیں لکھا ہے کہ یا تو آپ باقی دوسری تصنیفات ہم سے خرید کریں یا اس وقت تک انتظار کریں۔ کہ جب تک ہمارے فنڈ میں مفت تقسیم کی اجازت دے سکیں۔ مسلمان بھائیوں کے لئے قابل غور ہے +

---

۲۹ کی اتوار کو کیمبرج اور اوکسفورڈ یونیورسٹی کے بہت سے طلباء مسجد ووکنگ کو دیکھنے کیلئے تشریف لے آئے۔ جنہوں نے ظہر و عصر مسجد میں ہی ادا کی۔ اور اتوار کے لیکچر میں بھی شامل ہوئے۔ اس اتوار کے لیکچر کا موضوع مسئلہ فطری گناہ تھا +

تفسیری نوٹ

الم نشرح

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ

کیا ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ نہیں کھولا۔ اور تجھ سے تیرا بوجھ اُتار دیا جس نے تیری پیٹھ

ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○

توڑ رکھی تھی اور ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لئے بلند کیا تو تنگی کے ساتھ آسانی ہے ہاں تنگی کے ساتھ آسانی ہے

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ○

سو جب تو فارغ ہو تو کام میں لگ جا اور اپنے رب کی طرف مائل رہ +

اس دار الابتلا میں وہی شخص راحت کی زندگی بسر کر سکتا ہے جس کو خدا تعالےٰ وسعت قلب عطا فرمائے ٭

گو ہم کیسی ہی نعمتوں میں کیوں نہ پلے ہوں اور نواحی حالات نے ہمیں روزگار

کی تلاش سے بچا بھی لیا ہوا اور نہیں اس کی طرف سے ہر قسم کی فارغ البالی نصیب ہو تو بھی تفکرات زمانہ سے ہم محفوظ نہیں رہ سکتے۔ دوسروں کی دشمنی، حسد، بغض، خاندانی مصائب دنیوی تعلقات کی نزاکت واہمیت وغیرہ وغیرہ یہ اس قسم کے بوجھ ہیں جس کے باعث انسان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے ؎

یوں تو اس سورۃ کے مقدس الفاظ کے مخاطب حضرت نبی کریم صلعم ہی ہیں۔ اور یہ اس وقت کا الہام ہے جبکہ کمر شکن واقعات اپنی ہیبت ناک شکل میں ظاہر نہ ہوئے تھے بلکہ بعد میں آنے والے تھے لیکن چونکہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو وہ وسعت قلب عطا کی تھی جس سے ہر آئندہ مشکل کا آپ نے خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور اور ہر خطرناک سے خطرناک سدراہ کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا اس لئے جو امر مستقبل میں تھا اور خدا کے نزدیک امر شدنی اور قطعی بات تھی اُسے بزنگ ماضی فرما دیا ؎

اگرچہ یہ الفاظ آنحضرت صلعم ہی کو مخاطب کرتے ہیں لیکن اس سورۃ شریفہ میں آنحضرت صلعم کے متعلق ایک اور نعمت کا ذکر بھی کیا گیا ہے جس کی طلب امر اول کے علاوہ ہر ایک انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ پھر نہ صرف آنحضرت صلعم کو بزنگ خوشخبری اُن نعمتوں سے فیض یاب ہونے کی اطلاع ہی دی بلکہ اس سورۃ شریفہ میں وہ راستہ بھی بتا دیا جس پر چلنے سے ایک انسان کو مذکورہ بالا نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں ؎

کون نہیں چاہتا کہ اس کی کمر دُنیا کے بوجھوں سے ہلکی ہو جائے۔ اور کون نہیں چاہتا کہ دُنیا میں اس کا نام بلند ہو اور لوگ اُسے اچھے الفاظ میں یاد کریں

انسان کا حلقہ ملاقات خواہ کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو، اس کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے ہمچشم اس کا ذکر تعریفی الفاظ میں کریں یہ دو خواہشات وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا یعنی کمر کا بوجھ سے ہلکا ہونا اور رفعت ذکر اسی شخص کی پوری ہوسکتی ہیں جس میں شرح صدر کی صفت ہو۔ مثالاً میں آنحضرت صلعم کی زندگی کے چند واقعات بیان کرتا ہوں۔ جن سے نہ صرف اُن کی غیر معمولی وسعت قلب نظر آتی ہے بلکہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ اگر وہ اس قسم کے وسیع القلب نہ ہوتے تو وہ حالات جو اُن کی راہ میں آئے کمر شکن کیا، اُن کو کچل ڈالنے کیلئے بھی کافی تھے دشمنوں نے طرح طرح کی تکالیف دیں حتیٰ کہ اس قسم کی تکالیف کے سامان آپؐ کے مخالفین نے پیدا کئے کہ اُن کی نظیر کسی اور جگہ نہیں ملتی اور آخر کار آپؐ کی جان کے درپے ہو گئے۔ لیکن آپؐ انہی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہیں، اور نہ صرف دعائے خیر ہی کرتے ہیں بلکہ آپؐ کے خطرناک سے خطرناک دشمن ذلیل ہو کر جب کبھی سزایابی کے قریب آتے ہیں تو آپؐ انہیں معاف فرما دیتے ہیں میرا مقصد یہ بات دکھانے کا ہی کہ آپؐ کا سلوک دشمنوں کے لئے دعائے خیر کرنا یا ان کو معاف کر دینا تو اس دل گردہ کا پتہ دیتا ہے جو ہر قسم کے رنج یا کینہ یا غل وغش سے پاک ہو۔ لوگ نہیں سمجھتے کہ ان آلودگیوں سے دل کا پاک رہنا کیا معنی رکھتا ہے یہ باتیں کسی کے لئے مایہ فخر نہیں یہ تو اُس کے اندر راحت حقیقی کو پیدا کرتی ہیں۔ کینہ اور غصہ تو وہ آتش ہے جو کسی انسان کو دم نقد جہنم میں ڈال دیتی ہے۔ دشمن تو جب ذلیل

ہو گا، ہو گا لیکن اس وقت تک انسان اپنے قلب کی کیفیت دیکھے کہ اُن کے مقابل وہ کس خطرناک اضطراب کا شکار ہوتا ہے ۔

آنحضرت صلعم کے مذکورہ بالا دو فعل یعنی دشمنوں کے حق میں دعا خیر کرنا اور اُنہیں ہمیشہ معاف کر دینا۔ ظاہر کر دیتے ہیں۔ کہ آپؐ کا دل اس عذاب کینہ و انتقام سے پاک تھا۔ آپؐ کے دل میں ہمیشہ ایک قسم کی راحت ہی رہی۔ اگر دل ٹھنڈا نہ ہو۔ تو دشمن کے لئے دعائے خیر کب مُنہ پر آسکتی ہے۔ دشمن تو آئے دن ایذا رسانی کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ اور آپؐ اُس کے لئے دعا خیر کرتے ہیں اس سے کم از کم یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کی وسعت قلب نے ان حالات میں بھی آپؐ کو مضطرب نہیں ہونے دیا۔ آخر جناب نوحؑ جناب موسیٰؑ بھی اولوالعزم نبی گزرے ہیں لیکن دشمنوں کی خطرناک مخالفت پر اُن کے لبوں پر بددعا آہی گئی۔ مثلاً جناب موسیٰؑ فرعون کے مظالم سے تنگ آکر جو جو فرماتے رہے۔ اُن سے تو بالتفصیل بائیبل بھری پڑی ہے۔ ہاں قرآن نے سورہ یونس آیت ۸۸ میں آپ کی ایک بددعا کا ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا

اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آسائش کا سامان اور بہت سا مال

لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا

اس لئے کہ وہ تیرے رستہ سے بہکائیں اے ہمارے رب ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے سو وہ ایمان نہ لائیں

حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ (سورہ یونس آیت)

یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔

اس بددعا میں یہ بھی کہا ہے کہ اے خدا فرعونیوں کو اُن راہوں کی طرف بھی نہ لا جس سے وہ تیری رحمت کے مورد ہو جائیں اسی طرح حضرت نوحؑ نے دشمنوں کے حق میں فرمایا:-

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ

اور نوح نے کہا اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیو اگر تو انہیں چھوڑ دے گا۔

يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح آیت ۲۶-۲۷)

تو تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی سوائے بدکار ناشکروں کے نہ ہوگی

رہے داؤد علیہ السلام سو زبور (بائبل) میں جو جو بددعائیہ یا لعنت کے کلمات اُن کی زبان سے نکلے ہوئے بیان کئے گئے ہیں۔ اُن سے تو انسان کے بدن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اُن میں جو سخت ترین بددعائیں ہیں وہ یورپ امریکہ وغیرہ کے گرجوں میں گیت کی شکل میں آج تک اس تہذیب کے زمانہ میں پڑھی جاتی رہیں انہیں عیسائی کلیسیہ کی تجویز کردہ کتاب (Prayer Book) میں بھی ممتاز جگہ دی گئی۔ ان بددعاؤں کے علاوہ کلیسیہ مذکور نے تو کل غیر عیسائی دنیا کو اور اُن میں سے خصوصاً ترکوں کو اپنی بددعاؤں میں نہیں بھولا۔ آخر ضمیر انسانی انگلستان میں کلیسیہ کے اس فعل سے متنفر ہوا۔ حتیٰ کہ ایک پادری صاحب نے ان بددعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے اُن سے اس قدر نفرت ظاہر کی کہ اُس نے زبور کو اپنے میز پر سے پھینک دیا یہ کوئی پانچ چھ سال کا واقعہ ہے جب یہ نفرت عام طور سے

ہوئی تو کلیسیہ مذکور کو کتاب نماز کی ترمیم کی فکر ہوئی چنانچہ اس محجوب حصہ کو کتاب مذکور سے نکالا گیا۔ بالمقابل حضرت رحمۃ العالمین علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام کو دیکھئے طائف کا موقع ہے۔ دشمنوں نے پتھر مار مار کر آپ کو زخمی کر دیا ہے پنڈلیوں جیسا بدن کا نازک حصہ زخمی ہو چکا ہے خون کے نکلنے سے طبعاً آپ پر پیاس کا غلبہ ہوا آپ ایک کنوئیں کی طرف گئے دشمن پانی پینے سے روک دیتا ہے عین اس وقت آپ ان دشمنوں کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے مولا کریم میری قوم کو ہدایت دے۔ وہ مجھے نہیں پہچانتے تو اُن کو ہدایت دے اُن کو زندہ رکھ یہ نہیں تو جو اُن کی اولاد پیدا ہو وہ ہی ہدایت یاب ہوں لیکن جناب نوحؑ فرماتے ہیں کہ اگر یہ زندہ رہے تو ان کی اولاد بھی بدچلن ہی پیدا ہوگی۔ ان کو ختم ہی کر دے۔ خاتم النبیینؐ دعا کرتے ہیں کہ ان دشمنوں کو ہدایت فرما لیکن جناب موسیٰؑ غصہ میں آ کر فرماتے ہیں کہ ان دلوں کو سخت کر دے تاکہ یہ ہدایت کی طرف آ کر تیری رحم تلے نہ آ جائیں۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ اور تو میں کیا اس مقام پر لکھوں۔ یہ دعائیں ہی ان بزرگوں کی کیفیت قلبی کو ظاہر کر دیتی ہیں۔ وہ علو حوصلہ اور فیاض طبیعت جو آنحضرت کی دعا سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اُس شرح صدر

ے اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون

بل ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئاً (بخاری مسلم)

اور وسعت قلبی کو ظاہر کرتی ہے جو اور انسانوں کو کم نصیب ہوئی - اور وہی آپ کی کامیابی اور اطمینان قلب کا باعث تھا - اور وہ وہ بات تھی جس نے آپ کو ہر صعب ناک مقابلہ کی ہمت دی - آپ کی زندگی میں طرح طرح کے ابتلا وا قع ہوئے لیکن کس ٹھنڈے دل کے ساتھ آپ نے ان کا مقابلہ کیا تم اخلاق حسنہ کی بحث کو چھوڑ دو سوال تو یہ ہے کہ دشمنی اور مصائب سے تو کسی کی زندگی خالی نہیں کینہ تو ایک امر ذمیمہ ہے لیکن غصہ رنج ۔ غم وہم تو ان حالات میں پیدا ہی ہو جاتے ہیں اس وقت انسان ایک جلتی ہوئی بھٹی میں ہوتا ہے جس کا شکار وہ خود ہی ہوتا ہے ہنڈیا اُبل کر اپنے کنارے ہی جلاتی ہے پھر ایسے وقت اگر خدا تعالے کسی میں فراخ سینہ پیدا کر کے اُس کے دل کو ٹھنڈا رکھے تو یہ کس قدر نعمت ہے ۔ آپ کی مثال سے تو آپ کے دوستوں کو مصائب وزلازل کے مقابل وہ ثبات قدم عطا فرمایا کہ جس کی نظیر کسی نبی کے رفقا میں نظر نہیں آتی ۔

مسیح کے مُنہ سے تو مصیبت کے وقت ایلی ایلی لما سبقتنی نکلا (اے خدا کیا تو نے مجھے چھوڑ دیا) لیکن ہجرت کے دن غار ثور کا واقعہ بتاتا ہے کہ آپ کو کس قدر اپنی کامیابی کا یقین اور خدا پر بھروسہ تھا ۔ اور یہ کب ہو سکتا ہے جب تک انسان میں "شرح صدر" نہ ہو ۔ آپ صدیق اکبر حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرماتے ہیں ۔ دشمن کے تعاقب کا خطرہ ہے جو آپ کی جان لینے کا فیصلہ کر چکا ہے جس کی طاقت ایذا رسانی بھی مسلمات سے ہے - آپ غار ثور میں دشمنوں

سے چھپ کر بیٹھتے ہیں۔ دشمن سراغ رساں کو اپنے ہمراہ لیئے ہوئے آپ کے تعاقب میں آپ کے سر پر آہی جاتا ہے آپ کے قدموں کے نشانات کو پہچانتے ہوئے عین غار ثور کے منہ پر آموجود ہوتے ہیں ہمیں ان واقعات کا یہاں ذکر نہیں کرنا کہ کیوں اور کس طرح آپ دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گئے۔ اور دشمن غار ثور کے منہ تک پہنچکر مایوسی میں واپس ہو گئے لیکن اس خطرناک وقت میں یار غار فرماتے ہیں کہ اب سفر کی کیا صورت ہو گی؟ اور ہم صرف دو ہیں اور دشمن کثیر تعداد میں بظاہر کوئی مخلصی کی راہ معلوم نہ ہوتی تھی لیکن آپ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دل خطرناک سے خطرناک اطلاع کے وقت بھی اضطراب کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ نہایت اطمینان سے فرماتے ہیں کہ غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے[1] اور وہ بڑی طاقت ہے غور کرنے کا مقام ہے کہ اس قسم کا اطمینان قلب کتنی بڑی نعمت ہے؟ جس کا معاوضہ سونے کا پہاڑ بھی نہیں ہو سکتا لیکن یہ اطمینان قلب تو شرح صدر کے سوائے اور کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتا دشمنوں کے مغلوب ہونے پر جو آپ نے اُن سے سلوک کیا خصوصاً فتح مکہ کے دن آپ نے نہ صرف سب دشمنوں کو یک قلم معاف ہی کر دیا بلکہ انہیں طرح طرح سے مورد انعامات کیا حتیٰ کہ بنی امیہ کی سلطنت کے بانی جنہوں نے پہلی زبردست اسلامی سلطنت دنیا میں قایم کی جناب

---

[1] لا تحزن ان اللہ معنا (سورہ برائت آیت ۴۰)

امیر معاویہؓ پسر ابو سفیان سے تھے جو اپنی دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ بالمقابل اور ادیان مذاہب دیگرہ کو دیکھا جائے بائبل تو انتقامی قصوں سے ہی معمور ہے جہاں دیکھو خدا کے بیٹے جیسے کہ اسرائیلی اپنے آپ کو کہتے تھے نہ صرف اپنے دشمنوں کو تباہ کرتے ہی نظر آتے ہیں بلکہ اُن کے کمسن اور شیر خوار بچے تک ان میں کے بوڑھے اُن کی عورتیں حتیٰ کہ کھڑے ہوئے فصل اور اُن کے جانوروں تک ہلاک کر دیئے جاتے ہیں خود ہندوستان کے دو عظیم الشان اُوتار رامچندر جی مہاراج اور سری کرشن بھگوان نے جو دشمنوں سے وقتاً فوقتاً سلوک کیا ہے وہ ظاہر ہے۔ لنکا کل کی کل جلا کر خاک سیاہ کردی گئی جو قتل مقاتلہ کورو چھتر میں ہوا اس کے ذمہ دار جناب کرشن ہی تھے بالمقابل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا رنگ ہی اور ہے۔ جو آیا معاف کر دیا گیا۔ لیکن یہ فیاضیٔ طبیعت بھی ایسے وسعت قلب کا نتیجہ ہے جو ان اوراق کا موضوع ہے یہ واقعات اس بات کو بھی ظاہر کرتے ہیں اور آپؐ کی زندگی کے اور بہت سے واقعات اسی امر کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ میں توکل علی اللہ کس قدر بڑھا ہوا تھا لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ نعمت توکل بھی اسی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کا دل وسیع ہوتا ہے +

خیر یہ تو میں نے امور مہمہ کا ذکر کیا۔ ہم اگر اپنی روزانہ زندگی کو دیکھیں اور ان مشکلات پر غور کریں جو ہم پر باپ بیٹا خاوند ہمسایہ یا شہری ہونے کی حیثیت میں عاید ہو جاتے ہیں وہ بعض وقت بذات خود سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہیں لیکن ان سے وہی بچ سکتا ہے جو شرح صدر کا مالک ہوتا ہے کیونکہ یہ خوبی اُس سے وہ افعال سرزد

کرا دیتی ہے جس سے مشکلات کے پہاڑ بھی ٹل جاتے ہیں اور جن کو دیکھ کر سخت سے سخت دشمن بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور دوست[۱] بن جاتا ہے اور جان تک فدا کرنے کو طیار ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت کی زندگی میں صدہا آپ کے خون کے پیاسے دشمن آپ کے جان نثار غلام ہو گئے خود حضرت عمرؓ اس کی ایک زریں مثال ہے حضرت سیف اللہ خالد کو ہی دیکھ لیا جائے الغرض یک وسیع القلب انسان کو نہ صرف اپنے اقربا ہی رات دن کی شکایات کا مورد نہیں ٹھہراتے بلکہ بیگانے تک بھی اس کے مداح ہو جاتے ہیں بالمقابل جو اپنے خاندان میں موقع بموقع کجز ورسی سے کام لے اور ہاتھ کا تنگ ہو اس کی اولاد اور عزیز تک اس سے نالاں ہوتے ہیں لیکن جس کا ہاتھ کھلا ہو اور جو ایثار اور قربانی کرنا بھی جانتا ہو وہ اپنے بیگانے کا ممدوح ہو جاتا ہے ۔ مگر یہ باتیں تو اسی کو حاصل ہوتی ہیں جو شرح صدر اور وسعت قلب اپنے اندر رکھتا ہو ایثار و قربانی کرنا ایک تکلیف دہ کام ہے لیکن جو وسعت قلب کے باعث فراخ حوصلگی جیسی نعمت کا مالک ہوتا ہے اس کے لئے ایثار بھی راحت اور سرور قلب کا موجب ہوتا ہے +

اب میں اس سورہ شریف کی طرف آتا ہوں قرآن کریم نے اس مسئلہ پر روشنی

---

[۱] اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم سجدہ آیت ۳۴)
(بدی) کو بہت اچھے طریق سے دور کر پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دل سوز دوست ہے +

ڈالنے کے لیے سب سے پہلے اُس بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان سارے مصائب کی جڑ ہے اگر ہم اس مصیبت پر قابو حاصل کر لیں اور اس کے جھگڑے سے فارغ ہو جائیں تو پھر بہت حد تک ہم اس لاینحل مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔ اس کا اشارہ ذیل کے الفاظ میں ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا یوں تو ہر ایک شخص طبعًا راحت اور آرام ہی کا طالب ہے لیکن وہ یاد رکھے کہ عُسر اور یُسر یعنی راحت اور تکلیف دھوپ چھاؤں کی طرح اُس کے ساتھ لگے ہوتے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمیں تکلیف میں ڈالنا کچھ خدا کو پسند ہے یہ ایک عمیق فلسفہ ہے میں یہاں صرف اسی قدر لکھتا ہوں کہ انسان کے کیرکٹر کا جزو اعظم صبر و استقامت ہے۔ اور یہ وہ خزانہ ہے کہ جو اس کا مالک ہوا وہ ایک طرح دنیا کا بادشاہ ہو گیا وہ کونسا کام ہے جس کی کامیابی کی کلید صبر و استقامت نہیں ہے لیکن یہ دو نعمتیں صرف مصائب اور مشکلات کے پیدا ہونے پر ہی پیدا ہوتی ہیں۔ لاکھ کوئی شخص اپنے آپ کو ذی حوصلہ کہے لیکن اس میں صبر و استقامت کبھی پیدا نہ ہو گی اگر اُس نے مشکلات کا مُنہ نہیں دیکھا۔ خدا تعالےٰ نے اس بات کو ذیل کی آیت میں کھولا ہے :-

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ

تمہارا امتحان کریں گے۔ اور صبر کرنیوالوں کو خوشخبری دو جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (البقرہ آیت ۱۵۷)

جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں

اس آیت میں لفظ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ (ہم تمہیں آزمائیں گے) لفظ "بلا" کا مشتق ہے۔ اس کے معنی سونے کو آگ میں ڈال کر اس کو کھوٹی چیزوں سے صاف کرنے کے بھی ہیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ یہ حادثات پیدا کر کے، ہمارے اندر بے صبری اور کم حوصلگی وغیرہ کو دور کر دیتا ہے اور ہمیں استقامت کی نعمت عطا کر دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ان ابتلاؤں کے وقت جو لوگ ثابت قدم رہتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور انعام کے مستحق ہو جاتے ہیں اور ان کو صحیح راستہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔

اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ان تین چیزوں سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہے؟ ایک شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے صحیح راستہ پر قایم ہو اور اس کی رحمت اور عنایت کا مورد بنے تو پھر اُس سے زیادہ خوشحال کون ہو سکتا ہے۔ الغرض ان مصائب کا آنا تو کیرکٹر کے بنانے کے لئے ہوتا ہے علاوہ ازیں اگر ہم اس بات کو تسلیم نہ کریں تو بجز اس کے کہ دیواروں سے سر پھوڑ کر مر جائیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ مصیبت اور راحت تو دھوپ چھاؤں کی طرح ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے جب تک اس مرحلہ کو ہم طے نہ کرلیں، کہ نہ ہم راحت کے رہین ہوں اور نہ مصائب سے دل چرائیں اس وقت تک ہم دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ہم مشکلات کا منہ ہی نہ دیکھیں تو بھی کوئی بات تھی۔ ہم جو کچھ بھی مذہب کے متعلق خیال کریں، صورت

حال یہی ہے، ہمیں تو واقعات کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا ہے اور جو یہ ہے کہ عُسر و یُسر ہمارے لاحق حال ہے اور وہی شخص طمانیت قلبی سے دنیا میں رہ سکتا ہے جو اس نتیجہ پر آجائے کہ جہاں راحت ہے وہاں تکلیف بھی ہے اور جہاں عُسر ہے وہاں یُسر بھی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے فرمایا ہے جیسے کہ اوپر ذکر ہوا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے کمرشکن بوجھ تمہارے سر سے ٹال دیئے جائیں اور تمہیں رفعت ذکر حاصل ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم میں شرح صدر ہو تو اس قسم کی وسعت قلب حاصل کرنے کا پہلا مرحلہ یہی ہے کہ تم عملاً اس حقیقت پر قایم ہو جاؤ کہ عسر یسر ہماری زندگی سے وابستہ ہیں اور وہ ہمارے ہی فائدہ کے لئے ہیں۔ اسی لئے ان الفاظ کو حرف "فا" سے شروع کیا، یعنی اگر یہ چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ عُسر کے ساتھ یُسر ہے اور یسر کے ساتھ عسر ہے اس مصیبت کے ٹالنے کا ایک علاج تو قدیمی ہندی فلسفہ نے نکالا، اور مذہباً اس کی تعلیم بھی دی وہ یہ کہ دنیا ہی کو چھوڑ دو۔ اور بن باسیوں کی سی زندگی بسر کرو، اور کہتے ہیں کہ عارف باللہ بدھ نے بھی یہی تعلیم دی کہ دنیا میں ہر جگہ تکلیف ہی تکلیف ہے اور اس سے نجات کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دو۔ حالانکہ مصیبت کے ساتھ اس دنیا میں راحت کے بڑے بڑے سامان بھی موجود ہیں۔

گو اس مسئلہ کو برہمنوں نے اور بدھ مذہب نے مذہباً تیاگ اور نروان

کی اصطلاح میں پیش کیا اور اس ایک نعمت عظمٰے بلکہ حقیقی نجات کا مدار ٹھرایا لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس پر کون شخص چلا! بدھ مذہب والوں نے بڑی بڑی سلطنتیں پیدا کیں۔ خود اشوک کی سلطنت اور اس کے بعد اس کی اولاد کی حکومت کہتی ہے کہ مسئلہ نروان کو مذہبی رنگ میں دیکھا گیا، عمل اس کے خلاف ہوا۔ برہمنی مذہب نے بھی باربار زور دیا کہ دنیا کو تیاگ دو لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کس نے تیاگ دیا! ہندو بھائیوں میں دنیا او روپیہ کی خواہش دنیا کی کسی قوم سے کم نہیں رہی۔ برادران وطن تو صدیوں سے روپیہ جمع کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں گویا عملاً انھوں نے بھی اپنے بزرگوں کے تلقین کردہ مسئلہ تیاگ کی پرواہ نہیں کی ہاں اس قسم کے لوگوں پر، عام اس سے کہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، جب مصیبت آتی ہے تو ان سے بڑھ کر کوئی بے حوصلہ بھی نہیں ہوتا اسی حالت میں ان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور بچوں کی سی ان کی صورت ہو جاتی ہے۔

صحیح مسلک یہی ہے کہ ہم دنیوی آسائشوں کو بھی جمع کریں لیکن اس مسئلہ پر بھی عملاً پابند ہوں اور اس کو ایک حقیقت صادقہ سمجھیں کہ راحت و کلفت دونوں توام ہیں۔ اگر ہندو بزرگوں نے "نروان" اور "تیاگ" پر اپنی مذہبی کتابوں میں زور دیا۔ کلیسائی مذاہب نے بھی صدیوں تک ایک اور رنگ میں اسی پر عمل کیا تو موجودہ

لے عیسائی عقیدہ یعنی گناہ اور بدی انسان کی جزو سرشت ہے ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کو اس پہلے آیا کہ وہ دنیوی امور سے قطع تعلق کرلیں، ان میں وہی شخص خدارسیدہ سمجھا گیا جس نے ضروری اسباب معیشت تک سے نفرت ظاہر کی ۱۲

مغربی تمدن نے صرف دنیا کو جمع کرنا اپنی زندگی کا مقصد قرار دے دیا وہ کچھ ایسے دولت کے اکٹھا کرنے کی فکر میں ہوئے کہ ان کا دین و مذہب ہی دولت ہو گیا اور اس حرص اور لالچ نے جو مظالم دوسری قوموں کے خلاف اُن سے کرائے وہ بھی اظہر من الشمس ہیں لیکن جب دنیا کے ایسے گرویدوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر ان سے بڑھ کر بھی غم و حزن کا کوئی شکار نہیں ہوتا حتّٰی کہ خودکشیوں سے یہ لوگ باز نہیں آتے چنانچہ جس قدر خودکشیاں آج بھی مغرب میں ہوتی ہیں اسکی مثال مشرق میں نظر نہیں آتی +

الغرض دنیا کی حالت تو یہ ہے کہ نہ اس طرف چین ہے نہ اُس طرف چین ہے دنیا کو چھوڑ کر نہ دنیا کا غلام بن کر چین نصیب ہوتا ہے یہ تو سچی بات ہے کہ اسباب راحت پیدا کرنے کے سوائے ہم مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ اسباب تو ہم ہر حالت میں اور نہایت کوشش سے پیدا کرتے ہیں لیکن کوئی ایسا نسخہ بھی ہونا چاہیئے کہ جب ہمارے مکسوبات ہمارے ہاتھ سے جانے لگیں اور ہمارے مقبوضات میں نقصان پہنچے اور یہ روز کا مشاہدہ ہے تو ہمیں تکلیف نہ ہو۔ یہ نسخہ قرآن نے ہی تجویز کیا اور وہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ ہم صرف اپنے لئے ہی نہیں کماتے بلکہ اس امر میں ہماری حیثیت امین کی ہے ہماری کمائی میں دوسروں کا بھی حصہ ہے گو قانوناً نہ سہی بلکہ احسان اور مروت کے رنگ میں ہم لوگوں کی خدمت کریں آخر جو کچھ ہم کرتے ہیں راحت قلبی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر ہم اسی بات کی عادت

ڈال لیں کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسروں کو دے کر خوش ہوں اور بذل و سخاوت کے ساتھ اپنی راحت کو وابستہ کردیں اور یہ عادت کرنے پر حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اگر حوادث زمانہ پیدا ہو کر ہمیں مقبوضات اور مکسوبات سے جدا کردیں تو ہمارے لئے یہ امر کسی سخت تکلیف کا موجب نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں ہم اُس خالق کائنات کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کریں جس کا نام "رب" ہے جو کل دنیا کو پالتا ہے اور ہر ایک کو بے حساب دیدیتا ہے الغرض سب سے اول تو راحت قلب کے لئے ہمیں اس نتیجہ پر آنا ہے کہ عُسر یُسر دھوپ چھاؤں کی طرح ہے اور اس لئے اُن سے ہمیں لاپرواہ ہو جانا چاہئے اور جب ہم اس حقیقت پر قایم ہو جائیں تو رات دن محنت کریں اور خوب کمائیں اور اپنی کمائی کو رب العالمین کی نذر کریں یعنی اس کی مخلوق پر خرچ کریں۔ اس لئے فرمایا فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ یعنی یا درکھو کہ یُسر کے ساتھ عُسر ایک لازمی شے ہے جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ یعنی اس حقیقت کو سمجھ لو تو (فانصب) خوب کوشش کرو اور (الی ربک فارغب) اپنے رب کے بندے بن جاؤ اپنی کمائی کو رب العالمین کی طرح اُس کی مخلوقات کے فائدہ میں خرچ کرو*

وہ شخص کسی کی خدمت کیا کرسکتا ہے جس کے پاس پیسہ ہی نہ ہو۔ جنگلوں یا پہاڑوں میں جا کر جو بن باسی بنے گا وہ خود اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالتا ہے یعنی اس بات کا محتاج ہے کہ دوسرے لوگ برنگ نذر اس کے سامنے کچھ پیش کریں

اگر تم اپنوں اور بیگانوں کی نظروں میں معزز بننا چاہتے ہو تو ورفعنا لک ذکرک (
رب العالمین کی طرح ہاتھ کھلا رکھو اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک تم محنت اور
جانفشانی (فانصب) سے روپیہ نہ کماؤ۔ قرآن کریم نے "رفعنا لک ذکرک" (کیا
تیرا ذکر بلند نہیں کیا) اور "ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک" اور تجھ سے
وہ بوجھ دور نہیں کیا جو تیری کمر کو توڑے ڈالتا تھا) کہہ کر بتلا دیا۔ کہ اس
شخص پر کسی مصیبت کا بوجھ ہی کیا ہوگا جبکہ وہ نقصان کو جانتا ہی نہیں۔ آخر عام طور
پر نقصان تو وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے ونبلونکم والی آیت میں کر دیا ہے
مال کا جانا محنتوں کے ثمرات کا ضائع ہو جانا یا ازیں قبیل دوسرے نقصانات کا
پیدا ہونا۔ جب ہم بطیب خاطر اپنی کمائی دوسروں کو دے دیتے ہیں اور وہ ہمارے
پاس رہتی ہی نہیں تو اگر کسی حادثہ کے ماتحت امید کردہ یا پیدا کردہ نفع ہم سے
چھن جائے تو دونوں حالات میں کون سا فرق ہے؟

کوئی شخص ان باتوں کو سن کر کہہ دے گا کہ یہ سب تسلی بخش باتیں ہیں لیکن میں
پوچھتا ہوں کہ حقیقت الامری ہے یا نہیں۔ راحت کے تو ہم طالب ہیں لیکن کیا
نقصان اور رنج سے کوئی مفر ہو سکتا ہے؟ جب حالت یہ ہے تو کیا اس کا علاج
وہ ہے جو ہندوستان کے بن باسیوں نے کیا، یا وہ جو مغرب کے زرپرستوں نے
کیا؟ دونوں ہی کسی نہ کسی وقت مصیبت میں آپڑتے ہیں۔ راحت تو اسی کو ہے
جو خوب کمائے اور اپنی کمائی میں دوسروں کو شریک کرے اسی سے وہ ہر تم

کے غموم و ہموم سے نجات پا سکتا ہے اور اس کی نافع للناس طبیعت اس کے ذکر کو دنیا میں بلند کر دے گی ۔

اس موقعہ پر میں ایک اور بات بھی لکھنی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت گمنامی میں یہ الفاظ الہام فرمائے اور کہہ دیا کہ " رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ " تیرے نام کو ہم نے بلند کر دیا ۔ اس عزت و مکرمت کو جانے دو جو ایک راندہ قوم کو ، جو اپنی قوم کے ہاتھ سے جان بچا کر بھاگا ، فتح مکہ کے دن یا بعد کے ایام زندگی میں حاصل ہوئی لیکن یہ پیشین گوئی (رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) تو بہت ہی وسعت چاہتی تھی ۔ تاریخ عالم گواہی دیتی ہے کہ یہ پیشگوئی کس زبردست رنگ میں پوری ہوئی اور اب تک پوری ہو رہی ہے اور انشاء اللہ پوری ہوگی اور آپ کی رفعت ذکر کا دائرہ وسیع ہوتا رہے گا ۔

آنحضرت صلعم کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد وہ کون سی صدی آئی جب آپ کا ذکر پہلے سے زیادہ بلند نہیں ہوا ۔ ہاں ہم نے ایک ایسا زمانہ بھی دیکھا ہے جس میں مخالفین اسلام نے ، شارع اسلام کو بدنام کرنا اپنا وظیفہ قرار دیا ۔ لیکن آہستہ آہستہ واقعات نے پلٹا کھایا سیاسی ، اخلاقی ، تمدنی ، اقتصادی اور منزلی طور سے الغرض تمدن کی وہ کون سی شاخ ہے جس پر محمد عربی کی تعلیم کردہ باتوں پر عمل نہیں ہو رہا ۔ جس کی مرضی ہو تمدن کے بہترین اصولوں کو دیکھے اور ہم اسے آسانی سے دکھا دیں گے کہ اول تو اس کا معلم اول یا بہترین شارع عرب کا

وہی اُمی لقب پیغمبر ہے جسے حالت گمنامی میں یہ خبر دی گئی تھی کہ تیرا نام بلند ہوگا اور ہمارا زمانہ تو خاص کر اس بات کو ثابت کر کے رہے گا دنیا مذہب سے بیزار ہو چکی ہے اور دراصل جس بات کو لوگوں نے مذہب سمجھ رکھا ہے وہ ترک کرنے کے ہی قابل ہے۔ دنیا زندگی میں فلاح و بہبود حاصل کرنے کی متمنی ہے وہ ایسے اصولوں کو جن کا نتیجہ یہ ہو اپنا مذہب بنانا چاہتی ہے۔ اسلام تو اسی غرض کے لئے آیا۔ قرآن کے نزول کا مقصد ہی فلاحِ انسانی ہے[1] اور اگر ہم اس وقت ترقی و تمدن کے اسباب اختیار کردہ پر غور کریں تو وہ تو وہی ہیں جو قرآن حکیم نے تعلیم کئے ہیں دنیا کا ایک حصہ اس حقیقت سے ناواقف ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں اس سے واقف کریں چنانچہ میں نے اپنی کتاب تمدنِ اسلام کا موضوع ہی یہ قرار دیا ہے جس دن ہم یہ کر گزرے مغربی دنیا اُمی لقب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گن گائے گی ورفعنا لک ذکرک ایک اور زبردست رنگ میں پورا ہوگا ہم اپنے ملک کو ہی دیکھ رہیں ہندو بھائی شاستری مذہب سے بیزار ہو کر اسلام کے اصول اختیار کر رہے ہیں اس وقت اگر مبلغان اسلام عقلمندی سے کام لے کر ان اصولوں پر تبلیغ شروع کریں تو پھر ورفعنالک ذکرک کا ثبوت اس ملک میں جلد نظر آ جائے گا۔

---

[1] اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ آیت ۵)
یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہوں گے

میں اس جگہ ایک وجدانی بات کہتا ہوں اس کی، کوئی شخص کچھ تعبیر کرے،
لیکن "رفعنا لک ذکرک" (تیرے نام کو بلند کردیا) کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا وہ
زبردست ثبوت وہ دنیا کا کون سا گوشہ ہے اور اب تو مغرب بھی اس سے
خالی نہیں ہے جہاں پانچ مرتبہ اذان نہیں ہوتی؟ مسجد کے میناروں پر چڑھ کر۔
"اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" بآواز بلند پکارا جاتا ہے (ہم شہادت دیتے ہیں کہ
محمد اللہ کا رسول ہے) رفعت ذکر کے یہ معنی ہیں اور پیشگوئی یوں پوری ہوتی ہے
گویا دنیا کا گوشہ گوشہ پانچ وقت آپؐ کی رفعت ذکر کو دیکھتا ہے۔ اسی کے ضمن
میں اہل اسلام کی ایک خاص عادت کا ذکر کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ جس طرح
کوئی چاہے اس کی تشریح کرے لیکن اس مسلم عادت کے ماتحت بھی جس طرح دن میں
ہزاروں نہیں لاکھوں دفعہ آپؐ کے متعلق رفعت ذکر کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے
وہ بات دنیا میں کسی اور شخص کو نصیب نہیں خواہ وہ "خدا زادہ" ہی کیوں نہ ہو
اور وہ یہ کہ جس وقت کسی نے آپؐ کا نام لیا اسی وقت ایک مسلم کی زبان پر
بے ساختہ "اللّٰھم صل علے محمد" آگیا یعنی اے خدا محمد کو اور اس کے نام کو سرسبز کر۔
مسلم آبادی کو دیکھ لیا جائے اور ان کے اس طریق عمل پر غور کیا جائے تو معلوم
ہوگا کہ یہ رفعت کس تکرار کے ساتھ ہو رہی ہے۔

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد،

ان اوراق کو ختم کرنے سے پہلے میں پھر مسلمان بھائیوں کی توجہ اس سورہ

شریفہ زیر بحث سے ایک حکم کی طرف مبذول کرنی چاہتا ہوں۔ وہ حکم "فانصب"
یعنی سخت کوشش کرو۔ کاروبار میں محنت و کوشش و انہماک کرنا۔ اس لفظ مقدس کے
ماتحت ایک حکم ہے اور جو اس حکم الہی کو ٹالتا ہے وہ خود غور کرے کہ اس کا نام شرعی
اصطلاح میں کیا ہوگا وہ بھائی جو رات دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں
اور کام کاج کو عار سمجھتے ہیں یا کرتے ہی نہیں وہ خود غور کریں کہ قرآن کی منشاء کیا ہے
وہ تو کہتا ہے "فانصب" یعنی سخت کوشش کرو، پھر اس حکم کے ہوتے ہوئے،
وہ بزرگ اپنی غفلت کے جواز میں کیا کہیں گے جو کام کی طرف منہ نہیں کرتے
اللہ پاک نے تو ہمیں حکم دیا ہے کہ جو کام ہم کریں اور اس میں سخت کوشش کریں
اور اس میں وہ مہارت پیدا کرلیں کہ ہم اس فن کے استاد دنیا میں کہلائیں،
دوسروں سے سبقت لے جائیں اور اس کام میں ایسے ماہر بنیں کہ ایک زمانہ
اس معاملہ میں ہم سے مشورہ کرے۔ حیرت کا مقام ہے کہ قرآن کریم تو ہمیں دنیاوی
معاملات میں بھی اس مقام عالی پر پہنچانا چاہتا ہے اور ہم کام کرنے سے دل چراتے
ہیں میرا اشارہ یہاں سورہ "والنازعات" کی پہلی پانچ آیات کی طرف ہے جیسا
کہ قرآن فرماتا ہے:-

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا

گواہ ہیں تو ڈوب کر نکال لینے والی اور خوشی سے گرہ کھولنے والی اور تیزی سے تیرنے والی پھر سبقت کرنے والی ہوں گے بڑھ جانے والی

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا

پھر معاملہ کی تدبیر کرنے والی (جانفشاں)

خدا تعالیٰ نہ صرف ان آیات میں ہمیں اُن لوگوں کی طرف متوجہ کرتا ہے جو دنیا میں کسی کام کے مدبر کہلاتے ہیں یعنی اُس کام کے کرنے یا کرانے والے خوشی سے اپنے معاملات میں اُن کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ بلکہ پہلی چار آیات میں اُن مراحل کا ذکر کر دیا جن میں سے گزر کر وہ اس مقام پر پہنچے اور ہمیں سبق دیا کہ ہم ان مراحل سے گزر کر مدبر امور میں سے ہو جائیں ورنہ وہ دن آنے والا ہے جبکہ آن واحد میں ہمارا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ہم سوائے دست افسوس ملنے کے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ مدبر فی الامور بننے کے لئے پہلا مرحلہ "وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا" ہے ہم ایک کام میں کمال پیدا کرنے کے لئے صرف اُسی کو اپنا نصب العین قرار دیں اور اس میں محنت کرتے کرتے اس درجہ غرق (غرقًا) ہو جائیں اور دوسرے اشغال سے کچھ اس قسم کا قطع تعلق کر لیں کہ گویا دنیا کے اور امور سے ہم نے نزعی کر لی ہے .... اور شروع میں یہ کام بار خاطر معلوم ہوگا .... دوسری آیت یعنی وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا اشارہ کرتی ہے۔ آیت گویا ایک قسم کا نشان ہے جب کام کی مصروفیت جو ایک وقت ہم پر بار گراں تھی اب نشاط قلب کا موجب ہو گئی تو ایک حد تک ہم کامیابی کے قریب ہو گئے بلکہ اُس پر وہ وقت آجاتا ہے کہ اس کام کے بغیر چین نہیں پڑتا اور یاد رہے کہ یہ کامیابی کا ایک نشان ہے ہم آٹھوں پہر اپنی دلی کیفیت کا مطالعہ کرتے رہیں جب تک ہم اپنے کام سے گھبراتے

ہیں یا جان چراتے ہیں۔ یا بالفرض کسی وقت بھی اس سے تنگ پڑ جاتے ہیں تو ہم سمجھیں کہ ابھی ہم اُس کام میں کچے ہیں لیکن جس وقت ہم پر وہ وقت آجائے کہ وہ کام ہماری راحت قلب کا موجب ہو اور جس وقت بھی ہم اُسے اپنے ہاتھ میں لیں ہم میں ایک قسم کا سرور پیدا ہو جائے۔ تو اُس وقت ہم کامیابی کے قریب ہو گئے اور قرآن کریم کی یہ آیت والنشطت نشطاً اس طرف اشارہ کرتی ہے لیکن طالب صادق کو اسی جگہ نہیں ٹھہرنا، اس لئے ایک اور مقام کو ابھی طے کرنا ہے جس کی طرف تیسری آیات وَالسّٰبِحٰتِ سبحا اشارہ کرتی ہے یعنی وہ کام جو مشکل تھا، اب ہم پر ایسا آسان ہو جائے کہ ہم اس دنیا میں مچھلی کی طرح تیرنے لگیں یعنی ہم اس کام کے پیراک ہو جائیں۔ جب ہماری حالت یہ ہو جائے گی تو پھر ایک چوتھی منزل ہے جس میں ہمیں خاص کر کوشش کرنی ہے کیونکہ دنیا میں اس فن کے اور بھی اہل ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ان پر سبقت لے جائیں۔ اسی لئے فرمایا فالسّٰبقٰت سبقاً۔ ہم ایسی کوشش کریں کہ اپنے ہم مشربوں پر فوقیت حاصل کر لیں گا اور جب اس فوقیت میں کمال حاصل کر لیا۔ تو ہم "فالمدبرات امراً" کے مصداق ہو جائیں گے اور ماہرین فن میں شمار کئے جائیں گے۔ اس فن کے طالب طبعاً ہماری طرف رجوع کریں گے۔ اور اپنے معاملات میں ہمارے ہاتھوں سے مدد لیں گے گویا ہم اُن کے ڈکٹیٹر اور ڈائرکٹر بن جائیں گے۔

مسلمانو! کس خوابِ غفلت میں پڑے ہو؟ کیا قرآن نے ہمارے متعلق ہی کہا ہے "ایں تن ہمبون"؟ کہاں جاتے ہو۔ دیکھو، قرآن ہمیں کیا بنانا چاہتا ہے۔ کہاں لے جانا چاہتا ہے اور ہم کیا ہیں اور کہاں پڑے ہیں؟ خدا تعالےٰ آپ پر اور مجھ پر رحم فرمائے۔ آمین •

ادبیات اسلامی کی تبلیغی قدر و منزلت

یہ ایک بقائیدہ تکرار نہیں کہ دُنیا کی تمام مُروّجہ تحریکات کی اہم طاقت کا راز ادبیات کی عام اشاعت میں مضمر ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ موجودہ نبی نوع انسان کی تمام معاشری زندگی کی کل پڑھنے لکھنے اور ریکارڈ کو محفوظ رکھنے پر چل رہی ہے۔ مطبع کے ذریعہ جو نشر و اشاعت ہوتی ہے وہی زیادہ تر خیالات کو اپنی طرح رجوع کرتی ہے۔ اور مطبع ہی تجارتی کاروبار کا بھی آجکل رُوح رواں ہے۔ جسقدر بھی نشر و اشاعت کے اس مُوثّر طریقہ پر عمل کیا جائیگا۔ اُسیقدر نہایت آسانی اور چارا کناف عالم میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی آواز دنیا تک پہنچ سکیگی۔ ہماری اس ضرورت حقہ کو رسالہ اسلامک ریویو نہایت احسن وجہ یورپ میں سرانجام دے رہا ہے۔ جو قدر و منزلت کے خطوط ہمیں ہر ہفتہ مسجد ووکنگ میں موصول ہوتے ہیں۔ وہ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ درج ہیں۔ جو اسی صداقت کے مُوئید ہیں۔ اسلئے احباب کرام رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی یُورپ میں مفت اشاعت کرکے داخل حسنات ہوں۔ مفت اشاعت کا چندہ سالانہ فقط ۵ؔ روپے ہے۔

مینجر۔ رسالہ اسلامک ریویو۔ عزیز منزل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ترجمہ۔ انگریزی چھٹی۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادرانِ اسلام!

اسلام علیکم۔ باوجودیکہ میں ہنوز کامل صحتیاب نہیں ہُوا لیکن مذہب کے خلاف دانایانِ یُورپ کی بعض تصریحات عمومی نے مجھے بار دیگر خامہ فرسائی کی رغبت دلائی ہے۔ ان حضرات کا خیال ہے۔ کہ مذہب نے انسانیت کی کوئی خدمت نہیں کی۔ بلکہ اس نے ترقی انسانی کی راہوں کو مسدود کیا ہے اور دُنیا میں افتراق و انشقاق کی تخم ریزی کی ہے۔ اگرچہ یُورپ کے واقعات اس کے مُوئید نظر آتے ہیں۔ تاہم تاریخ کے اوراق اس تصوّر کو غلط ٹھیراتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ مغربی اقوام جب تک حصار کلیسیا میں محصور رہیں۔ انھیں علوم کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہ ہوسکی مسلمان جن ایام میں عَلَم بردارِ اسلام تھے۔ اُن کی تہذیب و تمدّن پر بھی جوانی کا عالم طاری تھا۔ مذہب اگر خدا کی طرف سے ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ ہمیں ترقی کی راہوں پر چلاتے تہذیب

اسلامی ہر اعتبار سے لاجواب ہے۔ اس کا نشو و نما سب سے اول ان لوگوں میں ہُوا۔ اور ایسے وقت میں ہُوا۔ جب کہ تہذیب نچلے رتبہ پر اُفتادہ تھی۔ اسلام نموُد پذیر ہُوا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کا یا پلٹ دی۔ اُس نے کامل تغیر برپا کردیا۔ یہ اعجاز نئے دین فطرت کی تعلیم کے باعث جلوہ نما ہُوا۔ عرب طبعی۔ اخلاقی۔ اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے بدترین اور ذلیل ترین خلائق تھے لیکن جب اُنھیں قرآن مجید کی سخت نصیحت ہُوئی۔ تو سب سے بلند شرف اکرم۔ اور افضل ہو گئے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ صورت حالات کا یہ خوشتر.. ن انقلاب تاریخ مذہب میں ایک نرالی اور انوکھی بات دکھائی دے۔ اور یہ ایک نئے نشان کی ایک ممتاز فصل کتاب نظر آئے۔ لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلام ایک مذہب ہے۔ اور جو کرشمے اس نے دکھائے ہیں۔ اس کے لئے وہ وہی احترام و تحسین کا ضرور مستحق ہے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ میری یہ توضیحات بعض کو محض علمی اور نظری حیثیت کی معلوم ہوں۔ اور انھیں موجودہ حالات زمانہ سے ان کا کوئی بدیہی ربط دکھائی نہ دے۔ لیکن میں تہذیب حاضرہ میں کوئی گرانقدر چیز عملی حیثیت سے ایسی نہیں پاتا۔ جس کی اصل اسلام میں نظر نہ آتی ہو۔ تہذیب حاضرہ میں محاسن و عیوب بھی ہیں۔ لیکن میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ تہذیب تو میں جو امور مرغوب۔ قابل قبول اور پسندیدہ ہے۔ اُس کی حیثیت یہی ہے۔ کہ اس نے برکات اسلام کو بیش از پیش اجلا کردیا ہے +

دُنیا کا آیندہ مذہب اسلام ہوگا

یہ حقیقت موجب طمانیت ہے۔ کہ دہریت رو بہ زوال ہے۔ اللہ کی ذات پر ایمان لانے کا جذبہ از سر نو زندہ و تازہ ہو گیا ہے۔ اور ہماری تحقیقات علمی اس عقیدہ کی مؤید و مُصدّق ہیں۔ ضرورت ہے۔ کہ جو شخص مذہب کو دیانتداری سے صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اس کی اہمیت کو ثابت

کرے۔ قرآن نے مذہب کو انسانیت کُل کا اہم ترین متاع اور ایسی ضروری چیز قرار دیا ہے۔ جس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اور میں نے اپنی اس کتاب "تمدنِ اسلام"[۱] میں مُتذکرہ تصریحات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے میرا ایمان ہے۔ کہ ساری علمی کائنات کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا۔ بشرطیکہ اسے اس کی واقعی صورت میں پیش کیا جائے۔ میں نے اس مقصد کیلئے یہ کتاب سپردِ قلم کی ہے۔ میں اللہ تعالٰے سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ اپنے کرم سے میری سعی کو کو مشکور فرمائے +

بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے۔ کہ اس نکتہ سے اپنے بھائیوں کو آگاہ کریں میں اپنی کتاب کا ایک باب اُردو میں برادرانِ دینی کے مطالعہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اگر ان کا خیال یہ ہو۔ کہ یہ اوراق اشاعت اسلام کے باب میں ممد و نافع ثابت ہو سکتے ہیں۔ تو انھیں اس موضوع پر خود بخود غور فرمانا چاہئے۔ میں ان سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ اپنے فرائض کو محسوس کریں۔ اور اس معاملے میں مجھے معاف کیا جائے جسے میں بخیال خویش "اہم ترین" یقین کرتا ہوں۔ میری اعانت کی جائے میری سابقہ تصنیف "آئی ڈیل پرافٹ" (نبیٔ کامل) نے مفاد اسلام کے خصوص میں) اتنا کام کیا ہے۔ جسے میں معجزہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ اس نے ہزارہا غیر مسلموں کو اسلام سے قریب تر کر دیا۔ اور صدہا سعید روحوں کو قبولِ اسلام پر مائل کیا یہ سب کچھ مُتذکرہ کتاب کی غیر مسلموں میں عام اشاعت کے باعث ہُوا۔ جب کتاب زیر طبع تھی۔ تو میں نے برادرانِ اسلام کو اعانت کے لئے کہا اُنھوں نے ازراہ عنایت میری بڑی فراخ حوصلگی اور سیر چشمی سے مدد کی۔ اس امداد نے ہمیں اس کتاب کو برائے نام قیمت پر فروخت کر سکنے کے قابل کیا۔ کتاب کی بہت سی جلدیں یورپ اور امریکہ کی لائبریریوں کو مفت ارسال کی گئیں۔ اور صدہا جلدیں غیر مسلم احباب کو دی گئیں۔ پہلی اشاعت قریب الاختتام اور ہم دوسری اشاعت پر غور کر رہے ہیں۔ میں اپنی اس جدید تصنیف کے لئے

(Islam & Civilization) ہے

بھی وہی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ جو میں نے محولہ بالا تصنیف کے وقت کیا۔ چنانچہ میں اپنے اسلامی بھائیوں سے بصد ادب و نیاز یہ گذارش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ انہیں "تمدنِ اسلام" کی وسیع اشاعت کی غرض سے سرمایہ زکوٰۃ و صدقات کا رُخ ادھر منعطف کرنا چاہیئے۔ میں نے ابھی تک اس کتاب کی قیمت کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ اس کی قیمت پانچ شلنگ سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ اس سے کمتر ہونی چاہیئے۔ میں اپنے احباب سے گذارش کرتا ہوں۔ کہ انھیں اس کی ایک جلد خود اپنے لئے خریدنی چاہیئے۔ اور ہمیں فرمائش بھیجنی چاہیئے۔ کہ انھیں کس قدر جلدیں اُنکے اپنے خرچ پر مفت تقسیم کرنے کے لئے درکار ہیں۔ یا یہ کہ انھیں اپنے لئے ایک جلد کے علاوہ معقول جلدیں خریدنی چاہئیں۔ اور انھیں اپنے غیر مسلم دوستوں کو بطور پیشکش پیش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان دنوں بہترین تحفہ یا پیشکش کتاب ہے۔ میں ناظرین اور برادرانِ ملت سے یہ بھی التماس کرتا ہوں۔ کہ انھیں[۵] یہ یاد دلانے کی حاجت نہیں۔ کہ غیر مسلم بھائیوں میں اسلامی کتابوں کی اشاعت و تقسیم ہماری خیرات کی ایک بہترین صورت ہے۔ زکوٰۃ اور دیگر صدقات سے جو بالخصوص ایام رمضان میں دیئے جاتے ہیں مقصود یہی تبلیغ و خدمت دین کی اعانت ہے۔ قرآن مجید نے بھی اسی زرّیں اصول پر زور دیا ہے۔ اس غرض کیلئے آپ کے عطیہ جات بیحد مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس کتاب کی اشاعت کا اندازہ لگانے میں خضرِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور

خواجہ کمال الدین

---

[۵] مندرجہ ذیل پتوں میں سے کسی ایک پتہ پر اپنی فرمائش بھیجکر درج رجسٹر کرائی جائے تاکہ جونہی کتاب شائع ہو۔ آپ کی خدمت میں بھیج دی جائے +

(۱) مینیجر اسلامک ریویو۔ ووکنگ مسجد (انگلینڈ)

(۲) مینیجر اسلامک ریویو۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

اسلام اور تہذیب

ماہیت ایمان اور شعبہ ہائے ایمان

مہذب انسان کے خصائص و خصائل

قرآن نے ارتقائے انسانی کی بنیاد ڈالتے ہوئے ہمیں اپنی ترقی کا ذمہ دار ٹھیرایا ہے۔ قرآن نے اللہ تعالیٰ کے متعدد اسمائے مبارکہ کا ذکر فرمایا ہے اِنہی اسمائے حسنہ کے مطابق ہمارے اندر اپنی ضروریات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا جذبہ و ملکہ بھی پیدا کیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حقائق کی تشریح و تفسیر اور اُن کو پورے طور پر منوّر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضورؐ نے ہمیں اوصافِ ربّانی سے علےٰ قدرِ استطاعت اپنے آپ کو متصف کرنے کے طریق سکھائے۔ آپؐ نے ایمان کے مختلف شعبے اور عناصر بیان فرمائے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ان انواعِ ایمان سے بہرہ ور ہونے میں کوشاں ہوں۔ اس ضمن میں اسلام نے ایک ایسا پیامِ الٰہی پیش کیا ہے۔ جس سے دُنیائے مذہب کے گوش آشنا نہ تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے مذہب کا نیا تصوّر پیش کیا۔ عقیدہ جیسا کہ دوسروں نے خیال کر رکھا ہے۔ ایک ایسی چیز ہے۔ جسے ایک مذہبی صداقت کے طور پر تسلیم کرنا لازمی ہے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ اس عقیدہ کا ہماری روزمرّہ کی زندگی سے بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی تعلق نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کا فہم عامہ۔ اور ادراک کی حدود کے اندر ہونا بھی ضروری نہیں۔ عقاید پرستی کا فتوےٰ یہ ہے۔ کہ ہمیں اپنی رُوح کی نجات کے لئے تسلیم کرنا ہوگا۔ لیکن اسلام کی رُو سے عقیدہ کی تعریف یہ ہے۔ کہ ہم ایک چیز

کو جانے۔ اور اس کے متعلق ہمارا یقین اتنا پختہ ہو۔ کہ ہم اس کے احکام کی اپنی روزانہ زندگی میں پیروی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ نبی کریمؐ نے اس نکتہ کو بکمال وضاحت صاف فرما دیا ہے۔ ہمیں اس نے منزل مقصود تک پہنچ سکنے کے لئے سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) کی ہدایت فرما دی ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ ایک نمایاں تفاوت ہے۔ کسی ذی ہوش انسان کو کسی ایسی بات پر ایمان لانے کی دعوت دینا ایک فعل عبث ہے۔ جس پر ایک کوئی مدرک شخص منطق و معقولیت کی روشنی میں ایمان نہ لا سکتا ہو۔ جو چیز کسی کے روزانہ کاروبار پر کوئی اثر نہیں رکھتی۔ اسے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے۔ ہم خالی خولی نجات اُخروی کے دعوے پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہم اس دنیا میں اس حیثیت سے داخل ہوتے ہیں۔ کہ گویا ہم کو اُن جرائم کی بھی سزا بھگتنا ہے۔ جنہیں دوسرے انسانوں نے ہزارہا سال پیشتر کیا تھا۔ اور یہ کہ ایک انسان اس لئے پیدا ہوا۔ کہ ہمیں فطری گناہ کے نتائج سیئہ (بُرے نتیجوں) سے بچائے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے۔ کہ گناہ ہماری سرشت میں سما گیا ہے۔ اور اگر ہم اس پر ایمان لے آئیں۔ کہ ایک معصوم ہستی ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئی۔ اس نے ہمارے لئے سزا بھگت لی۔ تو ہماری فطرت بالکل منقلب ہو سکتی ہے۔ اور ہماری تمام صفات رذیلہ یکسر پاک صاف ہو سکتی ہیں۔ نہیں بلکہ یہ ہماری بداعمالیاں ہم پر کوئی ذمہ داری عاید نہیں کرینگی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

......ہمیں نیک اعمال کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہیگی۔ بلا شک و شبہ یہ کہانی عجیب و غریب ہے۔ اور دائیاں بچوں کو سُلانے کے لئے اسی نوعیت کی لوریاں سُناتی ہیں +

اعمال صالح

اسلام میرا دعوے ہے۔ کہ اس قسم کے سمع قریب دعوے نہیں کرتا۔ اِسلام

اعمال صالح کا طالب ہے۔ اسلام کے رُو سے ہر ایک کو اپنے اعمال کے نتائج کے عذاب و ثواب کو چکھتا ہے۔ ہر ایک اپنا صلیب بردار آپ ہے یا این ہمہ اسلام انسانیت کے حق میں ایک عالمگیر پیام ربانی و بشارت یزدانی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر انسان نیک فطرت لے کر پیدا ہوُا ہے۔ اُسے عجیب و غریب استعدادیں اور عظیم بالشان قوتیں مرحمت کی گئی ہیں۔ اور یہ کہ ہم انسانوں میں ربّانی عنصر موجود ہے۔ ہم بلند سے بلند چوٹیوں پر پرواز کر سکتے ہیں۔ حیوانیت کی حدُود سے ماورا پہنچ سکتے ہیں۔ اور رُوحانیت و ربانیت کی سر بفلک بلندیوں پر محوِ خرام ہو سکتے ہیں۔

اسلام نسل انسانی کو نجات یافتہ اور غیر نجات یافتہ دو قبل از وقت مقرر کردہ جماعتوں کی صُورت میں تقسیم نہیں کرتا۔ ہم تمام بہ لحاظ استعداد مُفلحون (نجات یافتہ) پیدا کئے گئے ہیں۔ جنّت ہمارا پیدائشی وطن ہے۔ ہم صرف اپنی بد اعمالیوں سے اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ گناہ ہمارا پیدائشی ورثہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم گناہ حاصل کرتے ہیں۔ ہمیں نہایت سلیم فطرت مرحمت کی گئی ہے۔ ہمیں ایسی لوح عنایت کی گئی ہے۔ جس پر عصیان کا کوئی دھبّہ یا داغ نہیں ہوتا۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ کہ اپنی استعدادوں کو مناسب اور جائز محل پر صرف کرنے اور بُرے رجحانات سے محفوظ و مصئون رہنے کے لئے ہمیں رہبر اور خضرِ طریقت کی حاجت ہے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو ۷۲ شاخوں میں منقسم فرما کر اسی رازِ حقیقی کو عالم آشکارا کیا ہے۔ آؤ ہم ان پر غور و خوض کریں۔ ایک انسان جو مذہب یا عقیدہ چاہے، قبُول کر سکتا ہے۔ گو وہ مسلمان بھی نہ ہو۔ لیکن اسے دنیا کا اچھا شہری بننے کیلئے مذہب اسلام کے اصُولوں پر ایمان لاتا اور عمل پیرا ہونا ہوگا۔ انسان انسانیت کا ایک عنصر اور اخوت آدمیت کا ایک محترم رُکن ہے۔ انسان اپنی فطرت سے معاشرت پسند واقع ہُوا ہے۔ اسے اچھے قوے کا حصّہ سوسائٹی کے مفاد عمومی میں اضافہ کرنے کے لئے عنایت کیا گیا ہے۔ اس لئے انسان کو کُرہ ارضی پر اپنی اور سرگرمیاں شروع کرنے سے پیشتر حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مشورہ ضرور طلب کرنا چاہئے۔ اس پر عیاں ہو جائیگا۔ کہ جو خوبیاں دیگر مذاہب میں منفرداً پائی جاتی ہیں ۔ اسلام ان سب کا جامع ہی نہیں ۔ بلکہ ان سے بہت زیادہ خوبیاں اپنے لامتناہی خزانے میں رکھتا ہے۔ لیکن اس پر ظاہر ہو جائیگا۔ کہ اسلام میں کسی عقیدہ کو خواہ مخواہ نہیں منوایا گیا۔ اسلام کو قبول کرنا نہ تو کسی شخص کو اپنی فہم و فراست کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے۔ اور نہ ہی اُسے اپنی ضمیر کی آواز کو دبانا پڑتا ہے۔ اسے صرف اپنی یومیہ زندگی کو محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ اُسے ایسی زندگی کو شروع کرنے کے لئے قرآن خوانی کی بھی حاجت نہیں ۔ مَیں اُسے صرف یہ گذارش کروں گا۔ کہ اسے اپنی زندگی کو مبارک مفید اور محترم بنانے کے لئے فقط اصول اسلام کو اپنا رہنما بنانا چاہیئے۔ اور بطور خود دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیا اسے یہی چیزیں کہیں اور بھی ملتی ہیں یا نہیں ۔ ہمیں سب سے اوّل ان فرائض اور ذمہ داریوں پر غور کرنا چاہیئے۔ ہمیں اپنے رجحانات طبعی۔ جذبات اور خواہشات کا جائزہ لینا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ ہمیں اپنے شعور نفس کا مطالعہ کرنا چاہیئے میں بار دیگر اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں ۔ کہ جو مذہبی تفقہ ہمارے جائز جذبات کو کچلنا چاہتا ہے۔ وہ سلیم نہیں بلکہ سقیم ہے۔ ہمارے ہیجانات یا جذبات قدرتی عطیات ہیں ۔ ہمیں ان کو کام میں لانا ہے۔ ہمیں کیا ہے۔ کہ ان کے جائز استعمال اور ناجائز استعمال میں ہمارے لئے فوائد و مضرات پوشیدہ ہیں ۔ اسلئے ضروری ہے کہ ہم ان کو استعمال میں لاتے ہوئے کافی احتیاط برتیں ۔ ہمارے احساسات شریف ترین عمارت کی پختہ ترین بنیادیں ہیں ۔ ہماری خوشی ہماری غمی ان پر موقوف ہے۔ خواہ ہم اس کا نام مذہب رکھیں یا تہذیب۔ یہ امر بالکل واضح ہے۔ کہ ہمیں ان جذبات کو صحیح راستہ پر لگانے کے لئے ہدایت کی ضرورت ہے۔ جو مذہب ان حقائق کو تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ اُسے مذہب کے نام سے موسوم کرنا اس مقدس نام کی توہین ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے دُنیا کا کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا میں اپنے ناظرین کو یہ نہیں کہتا۔ کہ انھیں اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔

نہ ہی ہیں ان سے مذاہب عالم کا متقابلانہ مطالعہ کرنے کی گزارش کرتا ہوں ۔ میں ان سے صرف یہ التماس کرتا ہوں ۔ کہ انھیں ان شاخہائے ایمان پر غور کرنا چاہئے۔ جنہیں محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے ۔ اور پھر از خود سوچیں کہ انھیں اپنی بھلائی کے لئے ان کی ضرورت ہے یا نہیں ۔ میں اپنے سابقہ مضامین میں سے ایک مضمون میں عرض کر چکا ہوں ۔ کہ انھیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں قرآن کریم کے بیان کردہ اسمائے الٰہیہ (یا اسمائے حسنہ) کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اب میں ان سے عرض پرداز ہوں ۔ کہ انہیں مذہب اسلام کے ضروری عقاید کو عملی جامہ پہنانا چاہئے ۔ میں ان کو بتاتا ہوں ۔ کہ اگر انھوں نے ایسا کیا ۔ تو انہیں تہذیب کے اعلے ترین معراج پر پہنچنا نصیب ہو جائیگا ۔ میں ان حضرات سے بھی کہوں گا جو کہتے ہیں ہیں ۔ کہ مذہب نے بحیثیت مجموعی انسانی سوسائٹی کو قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچایا ۔ کہ انھیں شادمانی اور کامرانی تک پہنچانے والے کسی فعل کا نام لینا چاہئے ۔ اور پھر دیکھنا چاہئے ۔ کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان کیا ہے یا نہیں ؟ مسلمانوں کا ایمان جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے توضیح فرمائی ہے ۔ ۵ ۷ یا اس سے کچھ زاید عناصر پر مشتمل ہے ۔ آپ کی تمام روایات میں پہلے ۷۵ شعبہ ہائے ایمان گنائے ہیں ۔ ان کا اختلاف صرف ان محدثوں سے ہے ۔ جو اس تعداد کو ۷۹ تک پہنچاتے ہیں میں یہاں ۷۶ بیان کرتا ہوں ۔ اور ان کو چھوڑ دیتا ہوں جنہیں مسلمان تقدس مذہبی کے رنگ میں ملحوظ رکھتے ہیں

توضیح اوصاف المسلمین

(۱) "حیا" ۔ شرم ۔ غیرت کو کہتے ہیں ۔ بدنامی کے خوف ۔ یا وقار نفس کے احساس سے متاثر ہو کر روح کا کسی بدچلنی یا گھناؤنی حرکت سے باز رہنا "حیا" کہلاتا ہے +

(۲) "خوف" ۔ ڈر خاص کر اللہ کا ڈر ۔ جو اس کی محبت کے باعث ہو +

(۳) "توبہ" ۔ عربی لفظ "توبہ" کے معنی ہیں ۔ رجوع ۔ واپس لوٹنا ۔ قرآنی مفہوم کے اعتبار

سو اس کا مطلب صرف زبانی توبہ نہیں ہے۔ سب سے اول ہم اپنی ناشائستہ حرکت پر صدقِ دل سے نادم ہوں۔ ایک ذہنی کوفت اور درد محسوس کریں۔ اور عزم بالجزم کریں۔ کہ آئندہ ایسی معصیت کے کبھی بھی مرتکب نہیں ہونگے۔ اس کی انتہا یہ ہے۔ کہ ہم ان بداعمالیوں کے مقابلے میں نیک افعال کریں۔ ان مراحل کو طے کرنے کا نام توبہ ہے۔ اس ضمن میں قرآن کا ارشاد ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ترجمہ تیری زندگی کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے۔

الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا فاولئک اتوب علیھم وانا التواب الرحیم ترجمہ یہ گروہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور کھول کر بیان کر دیا ان پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ہوں

قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق توبہ رجوع الی الخیر۔ اصلاح اور ایسی نیکی کو کہتے ہیں۔ جو خاص کر اس رجحان طبعی کے تاثرات کو محو کر دے جس نے ہمیں بدی کرنے پر ابھارا۔ بطور مثال یوں سمجھئے۔ کہ جو شخص دوسروں کو ان کی جائداد سے محروم کر دیتا ہے یا چوری کرتا ہے۔ اس کیلئے فیاضی اور خیرات کی عادت اپنے میں پیدا کرنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی۔ اس نوعیت کی توبہ پر قرآن نے زور دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ۔

سورۃ ۱۱ آیت ۱۱۴ + ترجمہ۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنیوالوں کے لئے نصیحت ہے +

ہم کتاب الٰہی کی تعریف و توصیف میں کوئی مبالغہ نہیں کرتے۔ کہ اسے ہماری فطرت سے کما حقہٗ آگاہی ہے۔ فطرت شناسی کے باب میں اسکی ژرف نگاہی عدیم المثال ہے۔ قرآن امراضِ قلب کا کامل علم پیش کرتا اور انکے بہترین علاج بتاتا ہے + بخلاف ازیں کلیسیا کا عقیدۂ کفارہ گناہوں کو ابھارنا۔ ان میں اضافہ کرتا۔ اور انہیں عقوبت سے مُعرّا ٹھیراتا ہے +

(۴) **نکاح** - میاں بیوی کی زندگی - شادی کا حکم ہماری ایک فطری رغبت کی تسکین کے لئے دیا گیا ہے - یہ بھی ہماری فطرت کا ایک زبردست میلان اور رجحان ہے - جذبات کے اثرات کو نظر انداز کر دینے سے دنیا نے بے اندازہ نقصانات برداشت کئے ہیں - تجرد بداخلاقی اور بیحیائی کا منبع و سرچشمہ ثابت ہوا ہے - اسلئے اسلام نے اسے ممنوع قرار دیا ہے - قرآن کریم اسباب میں دیگر مذاہب کے موجودہ نقطہ ہائے نظر کو پیش کرتے ہوئے اس امر کی تصریح کرتا ہے - کہ تجرد کا حکم خدا نے نہیں دیا تھا - بلکہ انسانوں نے اسے بزعم خویش رضائے خدا کے لئے خود بخود تجویز کر لیا +

ثم قفینا علی اثارھم برسلنا وقفینا بعیسی ابن مریم واتیناہ الانجیل ہ وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم الا ابتغاء رضوان فما رعوھا حق رعایتھا ج فاتینا الذین امنوا منھم اجرھم ج وکثیر منھم فسقون - سورۃ ۵۷ آیت ۲۷ +

ترجمہ - پھر ہم نے ان کے قدموں پر ان کے پیچھے (اور) رسول بھیجے اور ان سب کے پیچھے عیسےٰ بن مریم کو بھیجا - اور اُسے انجیل دی - اور اُن لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اُس کی پیروی کی مہربانی اور رحم ڈالا - اور رُہبانیت اُنہوں نے خود نکالی - ہم نے اُسے ان پر لازم نہیں کیا - ہاں اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے (نکالی) پر اُسکی وہ نگہداشت نہ کر سکے - جو اسکی نگہداشت کا حق تھا - سو ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کا اجر دیا اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں +

قرآن کریم زنا کو قتل کے بعد دوسرا گناہ کبیرہ ٹھیراتا ہے - اگر قتل ایک خاندان کو اُن فوائد سے محروم کر دیتا ہے - جو انھیں مقتول کی ذات سے حاصل ہو سکتے تھے - تو زنا بھی خاندان کی خوشی کو برباد کر دیتا ہے - ایسی صورت میں کہ

مرد یا عورت کی محبت فطری بے راہ روی پر مائل ہو جائے۔ بدقسمتی سے یہ معصیت ارتقائے تہذیب کے ساتھ ساتھ روبہ فروغ ہے۔ قرآن نہ صرف زناء کو روکتا ہے۔ بلکہ ہمیں "لا تقربا الزنا" کے ارشاد کے مطابق زنا کے پاس پھٹکنے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہ ہدایت کرتا ہے۔ کہ ہمیں مواقع سے بھی بچنا چاہیئے۔ جو ہمیں مائل زنا کر سکتے ہوں قرآن فرماتا ہے +

"لا تقربوا الزنا انها فاحشۃ وساء سبیلا"

اسلام ایسے وقت آیا جبکہ یہ قباحت ہر ایک جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں تک شادی کے رواج کا تقدس یکسر تاراج ہو چکا تھا۔ بعض اشخاص ان عورتوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ جن سے نکاح ممنوع ہے۔ قرآن کی چوتھی سورت (النساء) کی آیت ۲۳ میں ان عورتوں کی فہرست دی گئی ہے جن سے عرب زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل از اسلام شادیاں کر لیا کرتے تھے۔ اسلام نے ان سے شادی حرام قرار دی ہے علاوہ ازیں آیت نمبر ۲۴ میں "محصنت" (جو دوسرے مردوں کے نکاح میں ہوں) سے نکاح حرام قرار دیا ہے لیکن جو شادی شدہ عورتیں جنگ میں قید ہو کر آ جائیں۔ ان سے نکاح ممنوع نہیں اس صورت میں بھی مسلمان کیلئے ضروری ہے۔ کہ ان سے ان کے واجبی حقوق یعنی مہر وغیرہ ادا کر کے ان سے نکاح کرے۔ عورتوں سے ناجائز شناسائی یا انھیں بطور داشتہ اپنے پاس رکھنا یعنی عورت مرد کا بغیر نکاح کے بحیثیت شوہر اور بیوی رہنا قرآن نے حرام ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ چوتھی کی آیت ۲۵ میں فرمایا گیا ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ

إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورہ ۲۴ - آیت ۳۲ و ۳۳)

ترجمہ۔ اور جو تم میں سے مجرد ہیں۔ اُن کے نکاح کر دو۔ اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہیں (ان کے بھی) اگر وہ محتاج ہونگے۔ تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔ اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔ اور چاہئے کہ وہ جو شادی (کا سامان) نہیں پاتے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔ اور جن کے دہنے ہاتھ تمہارے مالک ہیں۔ ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں۔ تو انھیں لکھدو۔ اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو اور ان کو اللہ کے مال میں سے دو۔ جو اس نے تمھیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ جب وہ بچنا چاہتی ہیں۔ تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو۔ اور جو کوئی انہیں مجبور کریگا۔ تو اللہ ان کے جبر کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے +

اسلام نے شادی کو ایک لازمی فریضہ قرار دیا ہے۔ اس نے صرف ان کو مستثنےٰ قرار دیا ہے جنہیں زوجہ میسر نہ آتی ہو۔ یا جن کے پاس سامان معیشت کی از بس قلت ہو۔ قرآن کریم ہمیشہ شادی شدہ حالت میں رہنے کی ہدایت کرتا ہے اسلئے کہ اس سے نہ صرف ہمیں اپنی طبعی خواہش کو نہایت ہی شائستہ طریق پر پورا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ خانگی زندگی اعلےٰ اخلاق سکھلانے والی یونیورسٹی ہے۔ یہ ہمیں محبت ہمدردی بنی نوع انسان اور ایثار کا درس دیتی ہے +

ومن اٰیٰتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ط ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون (سورہ ۳۰ آیت ۲۱)

اور اس کے نشانوں میں سے ہے۔ کہ تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری بیبیاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحم قائم کیا۔ اس میں یقیناً ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو فکر کرتے ہیں +

قرآن ابوت کو ایک فریضہ ٹھیراتا ہے۔ لیکن موجودہ تہذیب اس فرض کی ذمہ داریاں

برداشت کرنے سے گریزاں ہی۔ اہل مغرب یا تو اپنی اولاد کو کم کرنے کی فکر کرتے ہیں یا یہ چاہتے ہیں۔ کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو۔ عرب کے جاہل زمانہ جاہلیت میں بچہ کشی جیسی بدعادت میں مبتلا تھے۔ قرآن فرماتا ہے:۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطاء کبیرا ۝ (سورہ ۱۷ آیت ۳۱)

ترجمہ۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو۔ ہمیں اُنھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی اُن کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔

لیکن مفسر قرآن مولانا محمد علی کے الفاظ میں مغرب کے مُہذب عیسوی ممالک قرآن کی اس سرزنش کے عرب جاہلوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ مغرب کو اپنی غلطی کا بہت جلد احساس ہو جائیگا۔ وہاں شرح پیدائش کی کمی خوفناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ اور میعادی شادیوں کا رواج جیسا کہ حال ہی میں روس میں اختیار کیا گیا ہے۔ اچھی سوسائٹی کے حق میں ایک لعنت اور اندوہناک بلا ثابت ہُوا ہے کوئی سلطنت یا کوئی نظام حکومت بچوں کی پرورش ان کے والدین سے بڑھ کر نہیں کرسکتی۔ جو محبت ماں کے سینہ میں ہوتی ہے۔ دائیوں کی چھاتی میں نہیں ہوتی۔ تمہیں عنقریب اس چیز کو اور نگاہ سے دیکھیگا۔ اس نظام تزویج کو مغرب کے بعض مقامات میں آزمایا گیا۔ تجربے نے ان کا لغو ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ایک ایسی ناقابلِ تصرف جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جو معاشی حدود و قیود کے تصورات سے خالی الذہن ہو کر ہر مناسب احتیاط کو برباد کر دینے پر مائل ہے۔

(۵) بدنی طہارت۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین (سورہ بقرہ آیت ۲۲۲)

ترجمہ۔ اور تجھ سے حیض کی بابت پوچھتے ہیں۔ کہو یہ ضرر کی بات ہے پس حیض میں عورتوں سے

الگ رہو۔ اور ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ یہانتک کہ وہ صاف ہو جائیں پھر جب وہ غسل کر لیں تو اُن کے پاس آؤ۔ جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ (اپنی طرف) رجوع کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ پاکیزگی اختیار کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے +

وثیابك فطھرہ والرجز فاھجر (سورۃ ۷۴ آیت ۴ و ۵)

ترجمہ۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے دور رہ +

(۶) لغویات سے اجتناب۔

قد افلح المومنون ٭ الذین ھم فی صلا تھم خاشعون ٭ والذین ھم عن اللغو معرضون ٭ (سورۃ ۲۳ آیت ۱ و ۳)

ترجمہ۔ مومن یقیناً کامیاب ہیں۔ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنیوالے ہیں۔ اور جو لغو سے منہ پھیرنیوالے ہیں +

لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا ؕ کلما جاءھم رسول بما لا تھوی انفسھم فریقاً کذبوا وفریقاً یقتلون (سورۃ ۵ آیت ۷۰)

ترجمہ۔ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور اُن کی طرف رسول بھیجے۔ جب کبھی ان کے پاس رسول وہ چیز لے کر آیا۔ جس کو اُن کے دل نہیں چاہتے تھے۔ ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگے +

(۷) ناشائستہ اور بے معنے باتوں سے پرہیز:-

یہ احتیاط بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اکثر مصائب غیر ضروری گفتگو سے پیدا ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بہت سی باتوں سے احتراز کی ہدایت فرمائی ہے۔ میں چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ ہمیں نکمی اور بیہودہ گفتگو سے منع کیا گیا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ جب تک گفتگو کرنے کی واقعی ضرورت نہ ہو ہمیں خاموش رہنا چاہئے۔ ہمیں غیر ضروری بحث مباحثہ سے بھی منع کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے۔ کہ ہمیں

بیجا تعلق سے محترز رہنا چاہیئے۔ ایسے ہی ہمیں اپنی باتوں میں خواہ مخواہ کے تکلف اور تصنع سے بھی بچنا چاہیئے۔ ہمیں لڑائی جھگڑے۔ گالی گلوچ۔ یاوہ گوئی، قسم لعنت اور تمسخر سے چاک رہنا چاہیئے۔ مزاح کی اجازت ہے نہیں۔ ہزل ممنوع ہے۔ ہم کو وعدہ شکنی۔ چغلی۔ عیب چینی اور غیبت سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے قرآن فرماتا ہے:۔

ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشآء بنمیم (سورہ ۶۸ آیت ۱۰ و ۱۱)

ترجمہ۔ اور تو کسی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مان (جو) عیب لگانیوالا۔ چغلیاں لئے پھرنے والا +

اللہ تعالیٰ نے کذابوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

حضور فرماتے ہیں "جھوٹی باتوں سے بچو۔ جھوٹی باتیں انسان کو برُے کاموں کاموں پر مائل کر دیتی ہیں" +

"انسان جب جھوٹ بولتا ہے۔ تو اُس جھوٹ کو چھپانے کیلئے بہت سی بداعمالیاں کرتا ہے" +

"غیبت زنا سے بدتر ہے +

"چغلخور بدترین خلائق ہیں +

(۸) فحش۔ قرآن کریم کے ارشاد کے رُو سے انسانی محفلوں کو ہر قسم کے فحش سے محفوظ رکھنا ہر مسلمات کا فرض ہے۔ اس کا فرض ہے۔ کہ لوگوں کو فحش سے بچائے اور فحش کاروں کو ڈانٹے +

(باقی آئندہ)

رسالہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب تک ناظرین کرام میں سے ہر ایک بزرگ ایک ایک جدید خریدار بہم نہ پہنچائیے۔ مالی مشکلات ہمیں تنگ کر رہی ہیں۔ ناظرین کرام پر ہی اس کا قیام و لقا کا بہت حد تک عصر ہے +

خادم ملت۔ رسالہ اشاعت ... اسلام

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۳۱ء
رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون
رسالہ
اشاعت اسلام
اردو ترجمہ
اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)
زیرادارت
خواجہ کمال الدین
قیمت تین روپیہ آٹھ آنے سالانہ
قیمت پانچ روپیہ سالانہ ممالک غیر کیلئے
اشتہارات و درخواستہائے خریداری بنام مہتمم رسالہ اشاعت اسلام
عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)
سنہ ۱۹۳۱ء
عزیز منزل
برانڈرتھ روڈ لاہور

فہرست مضامین

رسالہ

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ | بابت ماہ جون ۱۹۳۱ء مطابق ماہ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ | نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

جلد ۱۷ بابت ماہ جون ۱۹۳۱ء نمبر ۶

شذرات

تشریح تصویر:۔ اس ماہ کے رسالہ کو عید الفطر کی نماز کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے۔ جو حضرت شیخ وہبہ صاحب بالقابہ کی اقتداء میں مسجد ووکنگ میں پڑھی گئی۔ فوٹو کی پشت پر حضرت شیخ وہبہ صاحب بالقابہ کی تصویر دی گئی ہے جو عالیجناب ابن سعود کے لندن میں سفیر ہیں امید ہے کہ ناظرین کرام اس فوٹو کو دیکھ کر مسرور ہونگے +

جو خطبہ اس سعید تقریب پر حضرت شیخ صاحب موصوف نے پڑھا۔ اس کا ترجمہ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ ہدیہ ناظرین کرام ہے +

ازواج اور وصایا انگلستان کے مشہور اخبار **ایوننگ نیوز** نے اپنی ۱۲ فروری کی اشاعت کا مقالہ افتتاحیہ اسی عنوان کے ماتحت لکھا ہے۔

مس ایلینر ریتھبون نامی ایک خاتون نے جو **دار العوام** کی ایک رکن ہیں۔ یہ تجویز دار العوام میں پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ شوہروں کو اس بات کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ اپنی وفات کے وقت اپنی ساری جائداد کے متعلق حسب دلخواہ وصیت کر جائیں اور اپنی زوجہ اور بچوں کو گداگری کے لئے چھوڑ جائیں۔ لیکن مقالہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اخبار خاتون مذکور کی۔ اس تجویز کا حامی نہیں ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ موصی پر کسی قسم کی قیود عاید کر دی جائیں۔ کیونکہ اس کی رائے میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایک

بُرائی کے بدلے دوسری اور زیادہ تکلیف دہ بُرائیاں پیدا ہو جائینگی مثلاً اخبار کی رائے ہے کہ جس خاوند کو اپنی زوجہ سے شکایات ہوں، وہ تو قدرتی طور پر یہی پسند کریگا۔ کہ جس عورت نے اُسے قبل از وقت موت کے منہ میں پہنچایا ہے۔ اُسے خاوند کے مرنے کے بعد عیش کرنے کیلئے پھوٹی کوڑی بھی نہ ملے +

گویا شادی خاوندوں اور اُن کی بیواؤں میں ایک مستقل جنگ کے آثار نمایاں ہیں اخبار کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے خاوندوں کی ملک میں کمی نہیں ہے مسیحی یورپ اپنے زعم میں متاہل زندگی کے مسیحی دستور العمل پر بہت نازاں ہے۔ اور اسلامی تعلیمات پر بہت کچھ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ لیکن وہ تعصب العین جو انسانی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے فطرت کے طرز عمل میں مزاحمت نہیں کرتا۔ مسیحی علماء نے شادی کی مقدس رسم کے دامن پر طلاق کو ایک دھبہ خیال کیا تھا لیکن قرآن مجید کا نازل کرنیوالا فطرت انسانی سے کما حقہ واقف ہے چنانچہ قرآن مجید اگرچہ طلاق کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتا لیکن اس نے اس امر کی اجازت ضرور دی ہے۔ ہاں چند ضروری قیود لازمی طور پر عائد کر دی ہیں۔ اور صرف اُن حالات میں اجازت دی ہے۔ جبکہ طلاق کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی باقی نہ رہے جو قانون الہامی ہونے کا مدعی ہو۔ اسمیں اس قسم کی سہولت ضرور ہونی چاہئیے خواہ اس کے فائدہ اُٹھانے کے امکانات کتنے ہی شاذو نادر کیوں نہ ہوں انسان خطا کا پتلا ہے سوسائٹی میں بعض شادیاں ضرور ایسی ہونگی اور ہوتی ہیں جن میں انتخاب ازواج صحیح نہیں ہوتا مسیحیت میں شادی غیر قابل انفساخ ہے یعنی اسمیں غلط انتخاب کا مداوا موجود نہیں ہے لیکن با ایں ہمہ ادعائے تقدس مذہبی زمانہ ایسا مصلح ہے۔ کہ وہ فطرت انسانی کا حقیقی نقشہ ضرور ہی پیش نظر کر دیتا ہے۔ جو عارضی انتظام کی وجہ سے اور بھی نکھر کر نظر آتا ہے صدیوں تک پادری اس بات کا اعلان کرتے رہے۔ کہ نکاح کا جو تصور مسیحی ممالک میں رائج ہے۔ وہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ لیکن واقعات کی رفتار نے اس دعوے کو سراسر باطل کر دکھایا تعلقات جنسی اس قدر منافیات ہو گئے ہیں۔ کہ اب ایک ایسے قانون کی ضرورت لاحق ہے۔ جو عورتوں کو اُن کے خاوندوں کے ظلم سے نجات دلا سکے۔ جو لوگ اس صورت حال کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور ان تمام مختلف تمدنی ضوابط سے آگاہ ہیں۔ جو آج دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اس قسم کے قانون کو

اگر نافذ ہو جائے، اسلام کی بین فتح خیال کرینگے ـ تمام موجودہ مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو بیواؤں کو ترکہ عطا کرتا ہے ـ قرآن مجید میں بیوہ کا حصہ مقرر ہے ـ اور یہ رقم اُس کے مہر کے علاوہ اُسے ملتی ہے ـ گویا مس موصوفہ کی تجویز ذیل (عورتوں کو اُن حقوق کا نصف عطا کرتی ہے ـ جو اسلام نے پہلے ہی سے اُنھیں دے رکھے ہیں افسوس اس کا ہے ـ کہ مس موصوفہ کے ہمقوم اور ہم مذہب اس تھوڑی سی رواداری کیلئے بھی تیار نہیں ہیں ـ جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں ـ کہ اسلام میں بمقابلہ مسیحیت، عورت کی تحقیر کی جاتی ہے، میرا خیال ہے ـ کہ اس واقعہ سے مطلع ہو کر انکی آنکھیں کھل جائینگی ـ جس شخص نے یہ معلوم کرنے کی ذرا سی بھی کوشش کی ہے ـ کہ مسیحیت کی رُو سے بیواؤں کا عورتوں کے متعلق زاویہ نگاہ کیا ہے، وہ فوراً محسوس کرلیگا ـ کہ در اصل عزتِ نسوان کے مُروجہ دستور العمل کے پردہ میں، عورتوں کی انتہائی تذلیل و توہین روا رکھی گئی ہے ـ عزت اور محبت کی آزمائش تو انہی موقعوں پر صحیح طور سے ہو سکتی ہے ـ جہاں کہ مرد اور عورت کے مفاد میں تصادم واقع ہوتا ہے ـ اور تجویز زیر نظر، اس تصادم کی ایک روشن مثال ہے +

غیر مطمئن شوہر

کیا ایو ننگ نیوز کا ایڈیٹر، ان غیر مطمئن شوہروں کے حق میں ایک کلمۂ خیر بھی نہیں نکال سکتا ـ یقیناً ایسے لوگ محض عالمِ خیال ہی میں نہیں رہتے ـ بیشک ایسے مقتدر پرچہ کا اس مظلوم جماعت کے حق میں کچھ لکھنا اس امر کی دلیل ہے ـ کہ ان لوگوں کی حالت بھی اُن بیواؤں کی طرح ہماری توجہ کی لائق ہے ـ حالات سے مجبور ہو کر مسیحی تھاوناروں کی ایک جماعت اس نام سے دُنیا میں جلوہ گر ہوئی ہے ـ کہ ہمیں ہماری عورتوں نے قبر کے کنارے پہنچا دیا ہے ـ اور اس لئے مجبوراً مرتے وقت وہ اُن سے انتقام لیتے ہیں ـ جبکہ وہ یسوع مسیح میں ابدی زندگی پاتے ہیں کس قدر حیرت انگیز! تعصب بہت مشکل سے دُور ہوتا ہے ـ حالانکہ اس کی وجہ سے انسان کو اکثر دشواریوں کا

سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ ایک نقصان دہ دائرہ میں حرکت کرینگے اور ایک خرابی دُور ہوگی۔ تو دوسری پیدا ہو جائیگی۔ لیکن پادری چاہتے ہیں۔ کہ لوگ بالتیمہ کلیسیا کو معصوم یقین کرتے رہیں۔ اور نہ قانون ہی خاوندوں کو اس امر پر مجبور کریگا۔ کہ وہ اپنی جائداد کا ایک حصّہ اپنی بیویوں کے نام وصیّت کر جایا کریں۔ ممکن ہے۔ اس سے بڑھ کر مضرت رساں بُرائیاں بھی پیدا ہو جائیں۔ جیسا کہ ایوننگ نیوز کے اڈیٹر نے لکھا ہے یعنی بعض خاوند انتقام کی صورت یہ پیدا کرینگے کہ مرنے سے پہلے سب کچھ خرچ کر جائینگے +

امریکن حل امریکہ میں ان امور کا مداوا اس صورت سے کیا گیا ہے کہ وہاں کی اکثر ریاستوں میں موصی کو غیر محدود اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی تمام جائداد غیر کے حوالے کر جائے تو چند معزّزین شہر متفق ہو کر اس کی وصیّت کو کالعدم قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی جبر کی ایک دوسری صورت ہے۔ سوائے خاوند کے اور کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ کہ وہ اپنی وصیّت سے اپنی بیوی کو نقصان پہنچا رہا ہے یا نہیں۔ چونکہ وہ "جیوری" کے اختیارات سے آگاہ ہوتا ہے۔ تو ممکن ہے۔ کہ وہ ایسا انتظام کر جائے کہ "جیوری" اس کے فیصلہ میں ترمیم و تنسیخ نہ کر سکے۔ یا بصورت آخر وہ تمام جائداد تلف کر ڈالے۔ ظاہر ہے۔ کہ جو شخص کسی قانون کی خلاف ورزی پر تُلا ہُوا ہو۔ وہ اس کیلئے ہزاروں بہانے ڈھونڈ سکتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ جہاں محبت طبعی اس قدر زبردست ہو وہاں قانون کی ضرورت پڑے۔ کہ جانبین اپنے فرائض ادا کریں +

حقیقی علاج حقیقی علاج یہ ہے۔ کہ قوانین فطرت کو عمل کرنے دیا جائے۔ ڈیلی ہیرلڈ مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء میں مسٹر کارپینٹر نبیرہ اسقف رپن کے خیالات شائع ہوئے ہیں۔ اور چونکہ ہم مسلمان اُن سے متفق ہیں۔ اس لئے اُن کا اقتباس اس جگہ درج کیا جاتا ہے :-

"میں تو اس امر کا حامی ہوں۔ کہ شادی میں مدّت العمر جانبین باہمی خافت پر کاربند

رہیں۔ لیکن ایسی صورتیں بھی قرین قیاس ہیں۔ جبکہ میاں بی بی کی متاہل زندگی دونوں کیلئے عذاب ہوسکتی ہی۔ مثلاً زوجین میں سے ایک فرد ہمیشہ کیلئے پاگل ہوجاتا ہے تم یہ کہو گے۔ کہ بھلا یہ بھی کوئی محبّت ہے۔ کہ ہم بی بی کو یا بی بی اپنے خاوند کو محض اس لئے چھوڑدے کہ دو میں سے ایک فرد جسمانی یا دماغی طور پر مجروح یا ناقص ہو گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک یہ جذبہ بہت اعلےٰ اور لائق ستائش ہے۔ لیکن ہم دُنیا میں ہر شخص کو اس جذبہ پر کاربند ہونے کے لئے مجبور نہیں کرسکتے۔ اور اس کوشش کے نتائج بعض حالتوں میں اسی قدر خوفناک ہونگے۔ جس طرح لوگوں کو بذریعہ قانون نیکوکار بنانے کی صورتوں میں ہوتے ہیں +

ہم اس میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جسمانی یا دماغی جراحت سے قطع کرکے بعض شادیاں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جہاں محبّت کا نام نہیں ہوتا۔ محض جذبہ یا جلد بازی بھی بسا اوقات انسان کو شادی کی اُلجھنوں میں گرفتار کرادیتا ہے اور اگرچہ لوگ بہت احتیاط کرتے ہیں۔ تاہم یہ غلطی سرزد ہو ہی جاتی ہے۔ لہٰذا تمام حالات کو مدّنظر رکھتے ہُوئے یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ صرف غیر منور دماغ ہی مسیحی تصوّر نکاح کا حامی یا وکیل ہوسکتا ہے۔ کاش یسوع کے پیرو اس قدر سمجھ سکتے کہ اگر وہ اس غلط تصوّر سے دستبردار ہوجائیں تو خُدا کے مذہب سے دُور نہیں ہونگے بلکہ حقیقی مذہب سے قریب تر ہوجائیں گے +

رُوس کا طرزِ عمل

سوویٹ رُوس کے متعلق عام خیال یہ ہے۔ کہ اُس نے بنی نوع آدم کی تمدنی حالت میں زبردست انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اور اس طرح توقع ہے۔ کہ عیش و آرام کا زمانہ بہت جلد دُنیا میں قائم ہوجائیگا۔ لہٰذا یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ اس انقلاب آفرین سرزمین میں عورت کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اخبار نیو انڈیا نے اپنی ۲۶ فروری کی اشاعت میں سوویٹ سالنامہ برائے سنہ ۱۹۳۰ء سے بعض اقتباسات درج کئے ہیں۔ جو نکاح اور متاہل زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اس کے بعض اجزا اس جگہ نقل کرتے ہیں +

سوویٹ حکومت میں صرف دیوانی ضابطہ کی شادی تسلیم کی جاتی ہے۔ جسے رسول مسیح کہتے ہیں۔ اگر خاوند فوت ہو جائے۔ اور کوئی وصیت نہ کر جائے تو اس صورت میں اس کی جائداد اس کے اُن ورثاء کے درمیان بحصہ مساوی تقسیم ہو جائیگی جنہیں قانون ملکی تسلیم کرتا ہے۔ اوران ورثاء میں سے ایک وارث اس کی بیوی بھی ہے۔ لیکن خاوند کو اختیار رہے۔ کہ اگر وہ چاہے۔ تو وصیت نامہ میں اس امر کی تصریح کر جائے۔ کہ میری بیوی کو میری جائداد سے محروم کر دیا جائے۔ جانبین اپنی زندگی میں ایکدوسرے کو طلاق دے سکتے ہیں۔ خواہ باہمی رضامندی سے دی جائے یا ایکدوسرے کو دیدے۔ طلاق کے لئے کسی وجہ کا پیش کرنا ضروری نہیں ہے"+

ظاہر ہے۔ کہ جہاں تک رُوسی حکومت شادی کو ایک دیوانی معاہدہ قرار دیتی ہے، وہ اسلام کے اصولوں کی پیروی کرتی ہے لیکن انسانی قوانین کی طرح اسمیں ایک نقص یہ ضرور ہے۔ کہ افراط کا پہلو نمایاں ہے یعنی طلاق کو اس قدر آسان کر دیا ہے۔ کہ وہ بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئی ہے۔ جس بات پر ہمیں تعجب ہے وہ یہ کہ بیوہ کے معاملہ میں لامذہب رُوس اور مسیحی انگلستان دونوں متفق ہیں۔ رُوس کی نظر میں بھی یہ امر جائز ہے۔ کہ خاوند اگر چاہے تو اپنی زوجہ کو اپنی جائداد سے محروم کر دے

قرآنی تعلیمات قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اس نے ناقابلِ اصلاح حالات میں طلاق کی اجازت دی ہے۔ تاکہ متاہل زندگی حقیقی محبت پر مبنی ہو سکے۔ اور اس طرح "شاکی خاوند" یا غیر مطمئن شوہر کا وجود اسلام میں ناپید ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید نے عورت کو بھی خاوند کے مال میں حصہ دار قرار دیا ہے اور یہ حصہ اُس مہر کے علاوہ ہے۔ جو اُسے نکاح کے بعد ملجاتا ہے۔ آخر میں قرآن مجید نے موصی کو اس بات کا اختیار دیا ہے۔ کہ اگر وہ اقرباء کے علاوہ کسی دینی یا دنیاوی ادارے کو جو ورثاء کے ذیل میں نہیں آسکتا کچھ دینا چاہے تو حسب مرضی اُس کے متعلق وصیت کر سکتا ہے۔ گویا اسلام نے وصیت کرنے کی اجازت دی ہے لیکن چند قیود کے ساتھ قرآن مجید نے

سورۂ نساء میں ایسی وصیت کی صاف اجازت دی ہے جس کی رُو سے جائز ورثاء کی حق تلفی نہ ہوتی ہو۔ اور بعض حالات میں وصیت کرنا ناگزیر قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ایسی کتاب جو دُنیا کی ایک رُبع آبادی کی رہنمائی کر رہی ہے، اس قسم کی تعلیم ضرور دیگی۔ چنانچہ لکھا ہے:-

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ن الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین (سورہ بقر آیت ۱۸۰) **ترجمہ** - وصیت کرنا تم پر فرض ہے جب تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت آگیا ہو اور اگر وہ اپنے پیچھے دولت چھوڑ رہا ہو۔ یہ وصیت والدین، اقرباء اور اعزہ کے لئے ہے۔ طریق احسن پر اور یہ امر متقی لوگوں پر فرض ہے۔ گویا کتاب اللہ ہمیں درمیانی راستہ پر رکھتی ہے ورثاء کو ساری دولت دینی ضرور نہیں۔ اگر جائداد کافی ہو تو پھر اقرباء کو بھی شریک کرنا چاہئے۔ ہاں اس امر کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔ کہ ورثاء محروم بھی نہ ہوں، کیونکہ اُن کا متوفی کے ساتھ قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ کہ زوجہ بھی ورثاء میں شامل ہے +

یہ بینظیر کتاب، ایک اُمّی عرب صلعم پر نازل ہوئی تھی لیکن جب اس کی جامعیت اور وسعت نظر پر خیال جاتا ہے۔ تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہمیں اپنی کوتاہ عقلوں کی زیادہ گھمنڈ نہ کرنا چاہئے نظام تمدنی کیلئے مناسب قوانین وضع کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ انسان خود ناقص ہے۔ اسکے کاموں میں نقص کا موجود ہونا ایک لازمی بات ہے +

طریقِ تعلیم حقائقِ قرآنیہ

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

سلسلہ کیلئے دیکھو اشاعت ماہ اپریل ۱۹۳۱ء

اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بعد انسان کو جس ایمان کی ضرورت ہے۔ وہ ایمان بالآخرۃ ہے اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جزا سزا کا مسئلہ ہی یوم آخر کو چاہتا ہے۔ یعنی کوئی ایسا آنیوالا وقت بھی ہونا چاہئے۔ جب ہمارے ان اعمال پر نتائج مرتب ہوں۔ جو ہم نے زندگی میں کئے۔ لیکن اس زندگی میں اُن کی جزا سزا ظاہر نہ ہوئی۔ یہ منظر ہی ہمیں حیات بعد الموت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ضروری امر ہے۔ کہ جس پر اعمال صالحہ کا ہونا یا اعمالِ بد سے بچنا بالکلی مبنی ہے۔ یوم آخر کے ماننے میں دو امور آحائل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ کیسے پیدا ہونگے +

سب سے اوّل معترضین کے اعتراض کو دُہرایا ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی ہو جائیں گے۔ تو پھر زندہ ہونگے۔ یہ تو ایک امر بعید ہے۔ اس کے جواب میں اول تو یہ فرمایا۔ قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتاب حفیظ یعنی بات تو اتنی ہی۔ کہ جب یہ مرتے ہیں۔ تو ان کے جسم سے بہت سی چیزیں گھٹ جاتی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ زمین نے اُن میں سے کیا کم کر دیا ہے (وہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے) ہمارے پاس کتاب حفیظ موجود ہے۔ گویا ان اشیاء کی حفاظت ہو چکی ہے۔ جو انسانی جسم سے گھٹتی ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر ان کا جمع کرلینا کونسا مشکل ہے۔ اسی کے ثبوت میں چند نظارہ ہائے قدرت کا ذکر کر کے پھر درختوں اور پھلوں کے پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ مسلم امر ہے۔ کہ موسم خزاں پر یا فصلوں کے کٹ جانے پر اجناس کے اجزا آخر کار متفرق و منفرد ہو جاتے ہیں۔ اور ہوا میں مل جاتے ہیں۔ اور پھر بارش کے ذریعہ از سر نو جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک قیاس بدیہہ ہے۔ کہ مرنے کے بعد جب اجزاءِ جسم انسانی منفرد ہو جائیں۔ تو کسی بارش کے پڑنے

پھر وہی اجزا جمع ہو کر انسان کی دوسری زندگی کا باعث ہو جائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے بھی یوں فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن ایک خاص بارش ہوگی جس کے بعد ایک آواز پر سب مُردے اپنی اپنی قبر سے نکلیں گے +

گویا موسم بہار کا نظارہ قدرت ثابت کرتا ہے۔ کہ جس طرح ہم ایکدفعہ پیدا ہوئے دوبارہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب چند ذرّات عالم نے ایک خاص ترکیب پاکر ہمارا وجود ایک دفعہ پیدا کر دیا۔ وہی ذرات پھر جمع ہو کر ہمیں دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ البتہ اس کے متعلق جو باریک سے باریک سوال ہے۔ وہ ہماری انفرادی شخصیت کا سوال ہے۔ زید کی موت پر اس کے جسم کے اجزا کا الگ الگ ہونا یا پھر اُن اجزا کا ایک اور جسم کو پیدا کرنا تو مشکل امر نہیں۔ لیکن آیا حیات آیندہ میں وہی زید دوبارہ پیدا ہوگا۔ اسی دل و دماغ کو لے کر آئیگا۔ جو اسمیں موت کے وقت موجود تھے۔ گویا دقت اگر ہے تو دوبارہ زندہ ہونے پر شخصیّت خاصہ کے موجود ہونے کے متعلق ہے۔ اور حقُ الامر بھی یہی ہے۔ کہ اگر وہی شخصیّت دوبارہ زندگی کے وقت پیدا نہ ہو تو کس پر اعمال کی جزا سزا مُرتّب ہو۔ قرآن کریم نے ان دونوں مسائل کے ثبوت میں صحیفۂ قدرت کو ہی پیش کیا۔ کہ جب ہماری ہڈیاں پس کر چُور ہو جائینگی۔ تو اُنھیں دوبارہ زندگی کون دیگا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ وہی ہے جس نے تمھیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اور اس کے ضمن میں آگ کی پیدائش کی طرف بھی اشارہ کیا۔ جس سے شخصیّت کا سوال بھی طے ہو جاتا ہے +

اسی حقیقت کے متعلق سورۂ مومنون میں فرمایا۔ کہ وہ تو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے۔ کہ زمین و آسمان و مافیہا کا پیدا کرنا انسان کی پیدائش کے بالمقابل بہت مشکل ہے سو ایسے خلاقِ علیم کے آگے یہ بات ہی کونسی ہے جب بالفاظ سورۂ یٰسین ہر ایک چیز کے ملکوت (قوتیں) اسکے ہاتھ میں ہیں اور اسکے حکم کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس نے جب کسی چیز کو پیدا

کرنے کا حکم دیا۔ تو اُن ملکوت کے ذریعہ وہ چیزیں پیدا ہوگئیں + شخصیت خاصہ کے متعلق اسی جگہ پہلے ہماری پیدائش اوّل کا ذکر کیا ہے۔ ہر ایک بچہ میں ماں باپ کے اخلاق اور کیفیات ذہنی قریباً قریباً آجاتے ہیں۔ والدین کے یہ اخلاق و عادات اُس نطفہ میں ہوتے ہیں۔ جس سے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور نطفہ میں جس چیز نے آخر انسان بننا ہوتا ہے۔ وہ ایک غیر مرئی جرم (کیڑا) ہوتا ہے۔ گویا جس طرح ایک چھوٹی سا اور غیر مرئی چیز انسان کے جسم سے خارج ہوکر والدین کی شخصیت کو ایک دوسرے جسم میں لے آتی ہے۔ تو اسی طرح موت پر بھی کوئی نہ کوئی چیز غیر مرئی اور چھوٹی سے چھوٹی مقدار میں نکل کر اُن تمام اخلاق و آداب کی حامل ہوسکتی ہے۔ جو کسی متوفی میں مرنے کے وقت موجود تھی۔ پھر جس طرح پیدائش اوّل کے وقت یہ غیر مرئی کیڑا جسے انگریزی میں سپرما کہتے ہیں۔ مناسب حالات میں پرورش پاکر ایک انسان بن جاتا ہے۔ اور والدین کی شخصیت اُن کی شکل و صورت اخلاق آداب وغیرہ کو ایک حد تک قائم رکھتا ہے۔ اسی طرح مرنے کے وقت جو چیز انسان کے سر سے نکلتی ہے وہ بھی مناسب حالاتِ ضروریہ کے ماتحت ایک نئے جسم میں متشکل ہوکر عدیمی کیفیات کو ایک آیندہ جسم میں قائم رکھ سکتی ہے۔ وہ جسم کیا ہوگا۔ اور کس مواد سے تیار ہوگا اس کا ذکر اپنے محل پر کیا جائیگا۔ لیکن انسان کی خلقِ اوّل کا منظر خلقِ جدید۔ انفرادی شخصیت کے قیام کو ثابت کردیتا ہے۔ اس کے بعد آگ کا ذکر اسی امر کے ثبوت میں کیا ہے +

حیرت آتی ہے۔ کہ اگر قرآن شریف خدا کی طرف سے نہیں تو یہ باریک سے باریک حقائق محمدؐ عربی کو کیسے سمجھ آگئے۔ پیدائش جدید پر شخصیت ذاتی کے مسئلہ کے ثبوت میں آگ کو پیش کرنا جس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بذاتِ خود ایک عجیب اعجاز ہے۔ اور وہ تو آجکل کی علمی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ درختوں کو جس کی لکڑی سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ آج علمی مذاکرات میں ابھی تو تیل کہا جاتا ہے

جسمیں سورج کی روشنی بند ہوتی ہے۔ چنانچہ درخت کا نام Bottled Sunshine رکھا گیا ہے۔ درخت کو اگر بوتل کی بجائے روشنی آفتاب کی قبر کہا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔ سورج کی روشنی زمین پر پڑکر جب پانی میں سے ہائیڈروجن اور ہوا میں سے کاربانک ایسڈ گیس کو لے لیتی ہے۔ تو یہ تینوں چیزیں دیگر ضروری مواد ارضیہ کے ساتھ درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ درخت کی لکڑی میں گویا پانی ہائیڈروجن کاربانک ایسڈ گیس اور ارضی مواد کے علاوہ روشنی سورج کا ایک کافی حصہ ہوتا ہے۔ پانی تو خشک ہو جاتا ہے۔ جب لکڑی جلنے کے قابل ہوتی ہے۔ مگر باقی اجزا بدستور قائم رہتے ہیں۔ جب لکڑی جلتی ہے۔ تو باقی کے اجزا اُسی کیفیت و کمیت میں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں جسمیں وہ پہلے آ جمع ہوئے تھے۔ سورج کی روشنی بھی جس کی شکل و مقدار میں درخت میں جمع ہوئی تھی۔ اسی طرح خارج ہو کر شعلہ آتش کی شکل اختیار کر لیتی ہے چنانچہ اس شعلہ کا رنگ سورج کا اصلی رنگ ہوتا ہے۔ اور یہ جس مقدار میں گئی تھی اُسی مقدار میں خارج ہوتی ہے۔ علمی نگاہ میں آگ کا جلنا درخت کے اجزاء مرکبہ کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ہوتا ہے۔ الغرض روشنی آفتاب جو اپنے اصلی مقام سے ہزاروں میل طے کر کے اور اپنے رنگ و شکل کو بھی بدل کر درخت کے جسم میں آ جاتی ہے۔ اور بظاہر اپنی ہستی کو گنوا دیتی ہے۔ ایک مدت کے بعد جب آگ جلنے لگتی ہے۔ تو اسی مقدار شکل و دیگر کیفیات میں جن میں وہ درخت میں جا دفن ہوئی تھی باہر آ جاتی ہے۔ اس نظارہ کی طرف توجہ دلا کر قرآن حکیم فرماتا ہے، کہ خلق جدید کے متعلق سوال تو کیفیت و کمیت شخصیت ذاتی کا تھا۔ سو آگ کا نظارہ اُسے حل کر دیتا ہے۔

تناسخ

حشر اجساد اور خلق جدید کے بعد یہ ایک سوال سامنے آ جاتا ہے۔ کہ انسان نے حیات جدید کو اسی دنیا میں آ کر بسر کرنا ہے۔ یا کسی اور عالم میں اس کی آیندہ زندگی گذرے گی۔

بہشت و دوزخ کا سوال تو ایک امر بدیہہ ہے۔ اگر زندگی کے اجرا اور ہر عمل پر کوئی نہ کوئی جزا یا سزا مرتب ہونی ہے۔ تو پھر نیک اعمال کے عوض میں خوشحال زندگی کا نام بہشت ہے۔ اور اس کے برعکس دوزخ ہے۔ اب خواہ ہم اس دنیا میں آئیں یا کسی اور عالم میں ہوں۔ یہ دونوں زندگیاں موجود ہونگی اہل تناسخ کے نزدیک ہماری زندگی آواگون کے ایک چکّر میں ہے۔ ہم نے اسی دُنیا میں بار بار آنا ہے بالمقابل قرآن کا مذہب ہے کہ ہم منازل ارتقائی میں سفر کر رہے ہیں جب ہم ایک عالم سے نکل جاتے ہیں۔ تو پھر اسمیں واپس نہیں آتے حکمت بالغہ نے ہر عالم کے سات منازل قرار دیئے ہیں۔ مثلاً ایک کرّہ ناری نے سات منازل طے کر کے موجودہ زمین کی شکل اختیار کر لی۔ جسے قرآن نے سات[1] زمینوں کے نام سے تعبیر کیا ہے پھر زمین کے سُلالہ نے ایک اور عالم کے سات منازل طے کئے۔ اور نطفہ انسانی کی شکل اختیار کر لی۔ نُطفہ نے ایک تیسرے عالم میں جسے عالم رحم مادر کہتے ہیں سات اور[2] منازل طے کر کے جسم و جان کی تکمیل کر لی۔ جب انسان اس دُنیا میں آیا تو اس عالم ادراک میں سات اور[3] منازل طے کرنے کے بعد اس پر موت وارد[4] ہوئی۔ جس کے بعد قبر[5] سے اُٹھ کر اس کے سامنے بروئے تعلیم قرآن ایک اور عالم رُوحانی ہے۔ جس کی سات منازل (بہشت) ہیں۔ ہاں جو عالم ادراک میں نقص رہ جاتے ہیں ان کا علاج ایک رُوحانی ہسپتال میں ہو جاتا ہے۔ جسے دوزخ کہتے ہیں۔ اس علاج کے بعد وہ پھر رُوحانی زندگی میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بھی خاتمہ نہیں۔ کیونکہ قرآن صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ اس سے آگے[6] پھر ترقی ہے۔ گویا بہشت میں یکے بعد دیگرے ایک منزل[7] چھوڑ دوسری منزل کو جانا ہے۔ حیات مابعد کے یہ رُوحانی منازل کہاں اور کس جگہ ہونگی۔ سو قرآن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ وہ

---

[1] سورت الطلاق آیت ۱۲ ۔ [2] سورۃ المومنون آیت ۱۳ و ۱۴ ۔ [3] سورۃ المومنون آیت ۹
[4] سورۃ المومنون آیت ۱۵ ۔ [5] سورۃ المومنون آیت ۱۶ ۔ [6] سورۃ - وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
[7] سورۃ یونس آیت ۱۰

سات طبق اس زمین سے اوپر یعنے ملیتین کی کائنات میں ہیں۔ اب اس دنیا تک آتے ہوئے تو نظارہ ترقی نظر آتا ہے۔ مگر یہ نہیں نظر آتا۔ کہ ہم جس عالم کو چھوڑ آتے ہیں۔ پھر وہیں جاتے ہیں۔ عالم رحم سے بچے ناقص خلقت لے کر اس دنیا میں آتے ہیں لیکن بغرض اصلاح بچے پھر شکم مادر میں نہیں جاتے چنانچہ قرآن کریم نے سورہ مؤمنین آیت ۱۳ میں بالفاظ صریح فرمایا ہے۔ کہ انسان مرنے کے بعد اس دنیا میں نہیں آتا۔ پھر صرف دعوے ہی نہیں کیا۔ بلکہ اگلی آیات میں ان قیاسات کا بھی رد فرمایا جن کی بنا پر اواگون کا مسئلہ تجویز ہوا ہے +

تناسخ کی حمایت میں کوئی بالواسطہ دلیل نہیں دی گئی۔ چند امور بر تنگ مسائل لاینحل پیش کئے جاتے ہیں۔ جن دقتوں کا بہترین حل تناسخ سمجھا جاتا ہے چنانچہ موٹے موٹے یہ چار قیاسات ہیں۔ جو ثبوت تناسخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے۔ کہ ہم مختلف گھروں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پیدا ہوتے ہی ہم میں سے کوئی راحت میں ہوتا ہے۔ اور کوئی تکلیف میں چلا جاتا ہے سو یہ تکلیف بالضرور کسی گذشتہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ پیدا ہونے پر ہی رنج و راحت کی یہ تقسیم ایک ظلم ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اختلاف مدارج بھی نظر آتا ہے۔ کوئی ہم میں سے خادم ہوتا ہے۔ اور کوئی مخدوم ہوتا ہے۔ کوئی حاکم ہوتا ہے اور کوئی محکوم۔ اور یہ عموماً کسی یہاں کے عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ پھر یہ تسلیم کر کے کہ عورت مرد سے کم حیثیت رکھتی ہے حالانکہ ازروئے قرآن یہ بات بھی غلط ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اختلاف جنس بھی اعمال سابقہ کے باعث سے ہوتا ہے۔ اچھے اعمال سے مرد اور کم درجے کے اعمال سے عورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسا ہی تکلیف کی وجہ بھی یہی بتلائی جاتی ہے۔ اسے سابقہ اعمال بد کا نتیجہ ٹھیرایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے سورہ مؤمنین آیت ۱۳ میں اس امر کی تردید فرما کر کہ ہمیں یہاں واپس آنا ہے۔ پھر آیت ۴۲ سے لے کر ۹۲ تک ان چاروں امور کی تردید فرمائی ہے۔ یہ اختلاف راحت تو اسباب مختلفہ سے ہو سکتی ہے لیکن فرمایا کہ ہماری راحت کے سامان قریباً کل ان چیزوں سے وابستہ ہیں

جو آسمانی پانی کے اُترنے پر زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ باقی جو اسباب راحت ہمنے پیدا کئے ہیں۔ وہ بھی خدا کی ہی پیدا کردہ چیزوں کو توڑ کر یا جوڑ کر ہم بنا لیتے ہیں۔ یعنے ہمارے عمل کوشش کے نتیجے بھی وہ ہی خدا کی پیدا کردہ چیزیں ہوتی ہیں۔ صحیفہ قدرت کے اس نظارہ کو پیش کر کے فرمایا۔ کہ یہ چیزیں تو تمہارے اعمال کا نتیجہ نہیں۔ یہ تو تمہاری نسل سے بھی پہلے کی پیدا کردہ چیزیں ہیں۔ پھر انسانوں میں عورت مرد بیشک نظر آتے ہیں لیکن یہ اختلافِ تذکیر و تانیث تو نباتات میں بھی موجود ہے۔ یہ زوجیت تو دُنیا کی ہر ایک چیز میں موجود ہے۔ یہ تو کسی اعمال کا نتیجہ نہیں ہُوا کرتی۔ اجراء نوع۔ زوجیت کو چاہتی ہے۔ باقی دُنیا میں اختلاف مدارج ہے لیکن یہ مسلم ہے۔ کہ تمدن کے لئے اس کا ہونا ضروری ہے۔ یہ کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ کُل کائنات کا نظام اسی اختلاف پر منحصر ہے۔ کائنات میں ہر ایک چیز چھوٹی ہو یا بڑی ایک نہ ایک کام پر لگائی گئی ہے۔ قرآن نے ان حقائق کی تشریح میں نظام شمسی کا ذکر کیا ہے۔ جس کا نتیجہ رات و دن ہیں۔ رات کچھ اور چیز ہے اور دن کچھ اور چیز ہے۔ ان میں اختلاف مدارج ہے! ایسا ہی سورج۔ چاند ستارے سیارے ایک ایک سے جُدا ہیں۔ کوئی حیثیت میں زیادہ ہے۔ اور کوئی کم لیکن ہر ایک اپنے اپنے کام میں لگا ہُوا ہے۔ اختلافِ مدارج تو صریح ہے لیکن نظام عالم اسی پر قائم ہے۔ پھر اگر اختلاف مدارج اعمال سابقہ پر ہی ہوتا ہے تو یہ کائنات کا اختلاف کس عمل کا نتیجہ ہے۔ رہا ہمارا راحت و رنج سو یہ ظاہر ہے۔ کہ اگر یہ بھی سابقہ اعمال کا نتیجہ ہیں۔ تو پھر ایک کے رنج و راحت ہمیشہ ہی دوسروں سے مختلف ہونے چاہئیں۔ کبھی ان میں یکسانیت نہ ہونی چاہئے کیونکہ یہاں اختلافِ مدارج ہے ویسے سابق جنم میں ہو گا۔ اور اختلافِ مدارج ہی سے اختلافِ حالات و اختلافِ مزاج پیدا ہوتا ہے۔ جن سے اختلافِ اعمال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا رنج و راحت نوعیت میں بالضرور ہر حالت میں مختلف ہونے چاہئیں۔ گو بعض کام جنسیت میں ایک ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر باریک نگاہ سے دیکھا جاوے

تو ہر ایک انسان کے کام کی طرز دوسرے سے جُداگانہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر رنج و راحت سابق اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور وہ بقیاس بالا مختلف ہیں۔ تو ایک ہی وقت بہت سارے نفوس پر ایک ہی قسم کا رنج و راحت وارد نہیں ہوسکتا۔ جب رنج و راحت کا نوعیت میں جُداگانہ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ تو وہ اپنی کیفیت و کمیت میں بہت سے لوگوں پر ایک ہی وقت میں ایک ہی رنگ کے نہیں ہوسکتے۔ اگر وہ اعمال سابقہ کا نتیجہ ہے۔ اس موقعہ پر قرآن کریم کشتی کا یا اس قسم کی اور سواریوں کا ذکر کرتا ہے۔ جو بعض وقت غرق ہو جاتی ہیں۔ اور کُل کے کُل آدمی ایک ہی طرح مر جاتے ہیں کشتی یا کسی مرکب میں اُن کے سُکان پر راحت و رنج ایک ہی وقت اور ایک ہی قسم کی وارد ہوتی ہے۔ اگر یہ کسی اعمال سابقہ کا نتیجہ ہوتا۔ تو یہ یکسانیت نہ ہوتی۔ اخیر میں آ کر قرآن کریم نے ایک نہایت ہی لطیف اخلاقی بات فرمائی ہے۔ فرمایا۔ کہ اُن عقائد کے لوگوں کو اگر نیکی کی طرف مائل کیا جائے۔ یا بدی سے روکا جائے یعنی تقوے کا سبق دیا جائے تو یہ ہنس دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے عقیدہ کے مطابق نیکی و بدی تو کسی سابقہ عمل کا نتیجہ ہے۔ جو ہو چکا ہے جس نے نیکی بدی کرنی ہے۔ وہ عمل سابقہ کے ماتحت وہ نیکی کرے گا جس نے بد بننا ہے۔ وہ بد بنیگا۔ وہ تو اٹل بات ہے۔ پھر تلقین تقوے سے کیا فائدہ۔ مثلاً بالفاظِ قرآن اگر اُن کو کہا جائے کہ بھوکے کو روٹی دو۔ تو یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ لوگ تو اپنے اعمالِ سابقہ کے باعث دھرم راج یعنے مالک یوم الدین کی منشاء سے مفلس ہو چکے ہیں۔ ہم کیوں انھیں روٹی دیں۔ یہ تو صریح غلطی ہے۔ گویا اگر کوئی تناسخ کے عقیدہ پر حقیقتاً قائم ہو تو وہ نیکی بدی کی طرف مائل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ہر ایک خلق کسی عمل سابقہ کا نتیجہ ہے۔ تو نہ نئی نیکی اور نہ کوئی نئی بدی ہوسکتی ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اُس زمانہ میں بھی اہلِ تناسخ موجود ہیں۔ وہ نیکی بدی کی تلقین پر کان بھی دھرتے ہیں۔ لیکن وہ اس عمل سے اپنے عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور

تاریخ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب اس عقیدہ کا لوگوں میں عملاً رواج تھا۔ تو وہ اسی خیال کے تھے۔ نزولِ قرآن پر عرب کے اہل تناسخ اسی قول و عمل کے تھے۔ ہاں اب عقیدہ تناسخ صرف نظریہ ہی نظریہ ہے۔ عمل اس کے خلاف ہے نیکی بدی تو ایک باریک بات ہے۔ جب بیماری کی تکلیف تو عمل سابق کے ماتحت آتا ہے۔ اور اس کی کیفیت کمیت میں بھی اسی کے باعث کوئی فرق نہیں آسکتا۔ تو پھر علاج کے کیا معنی ہیں۔ پھر فن طبابت کو کیوں کیا جاتا ہے +

الغرض قرآن کریم نے جو نظریہ حقایق کے بیان کرنے میں شواہد قدرت کی طرف انسان کی توجہ دلائی ہے۔ وہ رنگ کسی اور کتاب اللہ میں نظر نہیں آتا۔ یہ خصائص قرآنیہ میں سے ہے۔ نیچر کی طرف اپیل کرنا سب سے اوّل قرآن نے ہی دنیا کو سکھلایا +

خطبۂ عید الفطر ۱۳۴۹ھ

فرمودہ

جناب مستطاب صاحب شوکت حضرت شیخ حافظ وہبہ وزیر مختار دولتِ ابد مدت نجد و حجاز ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

نے المسجد بمقام **ووکنگ** بروز پنجشنبہ ۱۹ فروری سنہ ۳۱ ۱۹ء

الخطبۃ اولیٰ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً...... خیر الحدیث کلام اللہ وخیر الھدی ھدی محمد شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار +

یا معشر المسلمین! آج کا دن آپ صاحبان کے لئے نہایت خوشی اور شادمانی کا دن ہے۔ کیونکہ اس مبارک تقریب کی بدولت آپ سب لوگ یکجا جمع ہوتے ہیں۔ اور باہمی ملاقات کا موقع ملا ہے بلکہ مشورہ اور تعاون

اور تعامل کا سبب ہے۔ اور اسکی بدولت آپ کے دلوں میں مساکین کی امداد کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ کمزوروں پر رحم کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا موقعہ ملتا ہے یقیناً جو مذہب آپ کو ان باتوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ نہایت ہی اعلیٰ بلکہ اعلیٰ ترین مذہب ہے۔ اور ایسا مذہب ہے کہ اگر آپ اس کی تعلیم پر پورے طور سے عمل پیرا ہو جائیں تو وہ اس دُنیا اور آئندہ دُنیا دونوں میں آپ کی حقیقی شادمانی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اور وہ مذہب آپ لوگوں کو اس قعر مذلت میں سے بھی نکال سکتا ہے جسمیں آپ لوگ اپنی غفلت شعاری کی وجہ سے گر پڑے ہیں۔ اور وہ مذہب آپ کو بلندی اور ترقی کے انتہائی نقطہ پر پہنچا سکتا ہے کیا آپ صاحبان نے اس امر کا احساس نہیں کیا کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلعم کو اس وقت مبعوث کیا تھا۔ جبکہ عرب کے لوگ جہالت کے سمندر میں غرق تھے ہر قسم کی برائیوں اور کمزوریوں کا شکار تھے چاروں طرف سے فاتح اقوام نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا باہمی تنازعات اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے کل جزیرہ نما آتشکدہ بنا ہوا تھا ملک کا زرخیز حصہ رومیوں کے زیر نگین تھا بقیہ جہالت اور تعصب کا شکار ہو گیا تھا لیکن آنحضرت صلعم نے ان کو جہالت کی تاریکی سے باہر نکالا علم کی روشنی سے دوچار کیا تربیت اور شائستگی عطا کی اور ان کے دلوں میں بدی سے نفرت اور نیکی سے الفت کرنے کی روح پھونک دی۔ اور ان کو درختوں حیوانوں پتھروں اور بتوں کی عبادت سے برطرف کر کے خدائے احد کی عبادت کی طرف راغب کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کے لوگ بہت جلد ایک قوم بن گئے۔ اپنے عقائد ایمان اور کیریکٹر کی بدولت انہوں نے کافی طاقت حاصل کر لی۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے پہلے تو اغیار کو اپنے وطن سے خارج کیا۔ اور اس کے بعد انہوں نے انسانوں میں اخوت حریت اور مساوات کی روح پھونکنا شروع کر دی۔ اے مسلمانو! دُنیا میں ہمیشہ سے لوگوں نے نسل اور رنگ کی بناء پر آپس میں امتیازات قائم کئے ہیں لیکن اسلام ایسا مذہب ہے کہ جسمیں سوائے نیکی کے اور کوئی وجہ امتیاز جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں " خدا نہ تمہارے خاندان کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ نہ رنگ کی طرف بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ عرب کو غیر عرب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح نہ غیر عرب کو عرب پر نہ سرخ رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اور نہ سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر

ہاں امتیاز اگر ہے۔ تو ان سے تقاضائے ذاتی کی ہی وجہ سے قائم ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے وہی شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس زریں اصول پر عمل کیا ہوتا تو زوالِ اعلیٰ میں صہیب کے لئے جو یونانی الاصل تھے یہ ممکن نہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن ابنِ عوف کی بہن کے ساتھ اور زید کے لئے جو آزاد کردہ غلام تھے حضرت زینبؓ کے ساتھ شادی کر لیتے۔ حالانکہ یہ دونوں عورتیں قبیلۂ قریش کی ممتاز ترین خاتونوں میں سے تھیں +

اے مسلمانو! اس زمانہ میں جبکہ ملوکیت تمام دنیا میں حکومت کا مسلم اور مروج طریق تھا۔ اسلام نے اپنے پیروؤں میں جمہوریت کے خیالات کی اشاعت کی تھی۔ صلاح اور مشورہ اسلامی حکومت کا طرۂ امتیازی ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی ابتدا ہی سے دارالشوریٰ کی حیثیت رکھتی تھی۔ گویا وہ مسجد مسلمانوں کی "پارلیمنٹ" تھی۔ اس مشورہ میں ہر مسلمان کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل تھا۔ آنحضرت صلعم کو دیگر افراد پر کوئی فوقیت نہیں تھی۔ سوائے اس موقعہ کے جبکہ آپ کوئی "وحی" بیان فرماتے تھے۔ فی الحقیقت اکثر اوقات نبی کریمؐ اپنی رائے کو واپس لے لیا کرتے تھے۔ اور ان آراء کو قبول فرما لیتے تھے۔ جو مفاد عامہ کیلئے موزوں تر ہوتی تھیں۔ اور یہی ان سب کا مقصود تھا۔ یہ مجالس عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے کھلی ہوئی تھیں اور اس جگہ مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو عہد فاروقی کا وہ واقعہ یاد دلاؤں۔ جبکہ حضرت عمرؓ نے یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ جہیز اگر معین ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ تو جبکہ وہ اپنی تقریر ختم کر چکے تو ایک ضعیفہ نے کھڑے ہو کر کہا۔ اے عمر! تم کس طرح اس قسم کا قانون نافذ کر سکتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احداھن قنطارًا فلا تاخذوا منہ شیئًا ۵

ترجمہ۔ اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا مال دے رکھا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی واپس لینا چاہیئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اپنی تجویز واپس لے لی +

اے مسلمانو! جس زمانہ میں غلامی اور غلاموں پر ظلم کرنا دونوں باتیں عام تھیں۔ آنحضرت صلعم نے اپنی توجہ غلاموں کو خریدنے اور انہیں رہا کر دینے پر صرف فرمائی۔ اور

آپ دوسروں کو بھی ترغیب دیا کرتے تھے۔ کہ وہ غلاموں کو آزاد کردیں۔ اس کے ساتھ آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس غلام تھے، یہ حکم دیا۔ کہ دیکھو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، جو خود کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ۔ اور جو خود پہنو وہی انھیں پہناؤ۔ اور ان سے ان کی استطاعت سے زیادہ مشقت ہرگز مت لو۔ بخاری میں المعرور سے روایت ہے کہ میں ربذہ میں ابو ذر سے ملا۔ ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا، اور وہ دونوں ایک ہی سا لباس پہنے ہوئے تھے میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ میرا ایک شخص کے ساتھ میرا تنازعہ ہوگیا۔ اثناء گفتگو میں میں نے اُسے حبشی ماں کا بیٹا کہہ کر خطاب کیا۔ آنحضرت صلعم نے یہ سُن کر فرمایا۔ اے ابو ذر تم نے اُسے ماں کا طعنہ دیا! معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارے دل سے ابھی تک جاہلیت کی برائی دور نہیں ہوئی ہے۔ جو لوگ تمہارے غلام یا خدام ہیں۔ وہ بھی دراصل تمہارے بھائی ہی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے انھیں تمہارا محکوم بنا دیا ہے۔ پس لازم ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی غلام ہو۔ وہ اس کو وہی کھلائے جو وہ کھاتا ہے۔ اور وہی پہنائے جو وہ پہنتا ہے۔ غلاموں سے ان کی استطاعت سے زیادہ کام مت لو۔ اور اگر تم نے ان کو کسی ایسے کام پر لگایا ہو جس کا کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے۔ تو تم خود بھی اس معاملہ میں ان کی امداد کرو"+

واضح ہو کہ یہ حکم اُن غلاموں کے متعلق ہے۔ جو کسی جنگ میں قید ہو کر غلام بن گئے ہوں اس حدیث میں "غلام" کے معنی دراصل اسیران جنگ کے ہیں۔ ورنہ "اسلام" میں غلامی کی ممانعت ہے+

اے مسلمانو! جملہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس نے دینی معاملات کے علاوہ دنیوی معاملات میں بھی انسانوں کی رہنمائی کا فرض ادا کیا ہے۔ چنانچہ اسلام میں افراد رشتہ داروں، جماعتوں، حکومت، احباب، غیر مسلم اسلامی حکومت اور دیگر حکومتوں سے بحالت امن و جنگ اور تمام دنیاوی معاملات کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ اسلام جس طرح انسان کی روحانی پرداخت کا ذمہ وار ہے۔ اسی طرح جسمانی اور دنیاوی تربیت کا بھی ضامن ہے۔ اور ان امور کے متعلق اس نے بہترین اصول بیان فرمائے ہیں۔ اسی لئے اسلام وہ مقدس سرچشمہ ہے۔ جو آج اور آئندہ بھی بنی نوع آدم کی آبیاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اسی لئے جو لوگ انسانی ترقی کیلئے کوئی دستورالعمل وضع کرنا چاہتے

ہیں۔ اسلام اس معاملہ میں ان کی بدرجہ اتم رہنمائی کر سکتا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالو تو تمہیں
معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلم واضعان قانون دنیا کے بہترین قانون دان گزرے ہیں۔ اور ان لوگوں میں
یہ لیاقت تھی کہ وہ حسب ضرورت قوانین مدون کر سکتے تھے۔ اور لوگوں کی نت نئی ضروریات زندگی
میں رہنمائی کر سکتے تھے +

اے مسلمانو! یہی بلند ترین نصب العین اور اخلاق و عقاید کی بدولت آنحضرت صلعم نے جاہل عرب کی
کایا پلٹ دی۔ اور ان کو ایک متحدہ قوم بنا دیا تھا۔ اور اسی کی بدولت آپ کے جانشینوں اور مقلدوں نے
عظیم الشان اسلامی سلطنتوں کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور انکی حیرت انگیز ترقی اور فتوحات کا سبب یہ تھا
کہ انہوں نے دنیا کو وہ روشنی عطا کی جو اسلام میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے روئے زمین پر اخوت و مساوات
اور ایسی عدالت قائم کی جسکی نظیر نہ پہلے زمانہ میں مل سکتی ہے اور نہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں پائی جاتی ہے +

اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تمہارا مذہب ہی وہ سرچشمہ ہے جس سے تمہاری عظمت اور شوکت ظہور
پذیر ہوئی۔ اور اگر آج تمہاری حالت تبدیل ہو گئی ہے۔ اور تم وہ نہیں ہو جو پہلے تھے۔ تو اسکی وجہ
صرف یہی ہے۔ کہ تم اسلام سے دور ہو گئے ہو۔ اور اسکی ذمہ واری ان علماء پر ہے جنہوں نے اسلام کو
اس قدر تنگ بنا دیا۔ اور طالبان حق پر اس کے دروازے بند کر دیئے۔ تاہم متقی پارسا اور عقلمند
لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے
جس میں دو چار سچے اور پارسا بندگان خدا موجود نہوں +

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شخص سے بہتر کون شخص ہو سکتا ہے۔ جو لوگوں کو خدا کی طرف بلاے اور نیک کام کرے
اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں یقیناً نیکی اور بدی مساوی نہیں ہو سکتی۔ تم بہترین طریق پر اپنی
حفاظت کرو۔ اور یقین کرو۔ کہ تمہارے عمدہ اخلاق کی بدولت دشمن بھی دوست ہو جائیں گے۔
خدا نے ہم پر کس قدر کرم کیا ہے۔ کہ قرآن مجید جیسی کتاب ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے۔ خدا ہمیں توفیق
دے۔ کہ ہم اسکی تعلیمات کو حرز جان بنائیں۔ اور بدعات اور مناقشات سے الگ تھلگ رہیں۔ پس میں
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ مجھے اور آپ صاحبوں کو اپنے کرم سے نوازے۔ اور ہمارے گناہوں کو معاف
کرے۔ اور میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ استغفار کریں۔ کیونکہ اللہ غفور الرحیم ہے +

خطبۂ ثانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور سچا دین عطا کر کے دنیا میں مبعوث کیا۔ تا کہ وہ اس کو دیگر ادیان پر غالب کرے۔ خدا کا فضل و کرم اور اسکی رحمت ہمارے رسُول محمد مصطفٰے صلعم پر ہو۔ جس پر درود بھیجنے کا حکم اللہ تعالٰی نے یہ ایسے الفاظ دیا ہے +

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

خدا آپؐ کے صحابہ سے راضی ہو۔ جنہوں نے آپؐ کی سنت کو قائم اور زندہ رکھا۔ اور آپؐ کے طریق پر گامزن ہوئے۔ اے خُدا ان لوگوں کی مدد کر جو تیرے برگزیدہ رسُول کے مذہب کی حمایت کریں۔ اور ان کو شرمندہ کر جو اسلام کی توہین کا ارادہ کریں۔ اے خدا ہمارے قلوب میں محبت پیدا کر اور ہمارے حالات کو روبراہ کر۔ اے خدا ہمارے معاملات کو نا اہلوں کے ہاتھ میں مت سونپ! اور ہمیں اپنے غضب سے محفوظ رکھ! اے خدا جبکہ تو نے ہمیں ہدایت عطا فرمادی ہے۔ تو اب ہمارے دلوں کو اس ہدایت سے منحرف مت کیجیو! ہم پر اپنا فضل و کرم نازل کر! اے خُدا اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے یا کوئی غلطی ہو جائے۔ تو ہمیں عقوبت نہ کیجو! اے خُدا ہم پر وہ بار مت نازل کر جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو! اے خدا ہم پر وہ بار نازل مت کر جو تو نے اگلوں پر نازل کیا تھا۔ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھ اور ہمارے حال پر رحم فرما +

تحقیق اللہ تعالٰی انصاف کرنے نیکی کرنے اور اقرباء کے ساتھ ہمدردی کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش باتوں سے اور برائیوں سے اور نافرمانی کرنے سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ نصیحت کرتا ہے۔ تا کہ ہم احتیاط کریں +

خدا ئے قادر و قدیر کی حمد و ثنا کرو۔ تا کہ وہ تمہیں دین اور دُنیا میں عزت عطا کرے۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ تا کہ وہ اپنا فضل مزید نازل کرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ذکر الٰہی سب باتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالٰی انسانوں کے خیالات اور اعمال دونوں سے خبردار ہے +

چہار قل شریف کی ایک مختصر تفسیر

قرآن کریم کے آخر کی جن چار مشہور سورتوں کا ذکر دنیائے اسلام میں ہوتا رہتا ہے ان میں سے ہر ایک کا آغاز لفظ "قل" (کہہ دو) سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو عام بول چال میں چار قل شریف کہتے ہیں۔ یوں تو ان کی تفسیر میں مسلم متکلمین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن جس بات کی طرف میں اپنے ناظرین کی توجہ بالخصوص مبذول کرنی چاہتا ہوں، وہ وہ حریت صادقہ ہے جس سے انسان انسان بنتا ہے۔ دراصل اسلام ہی نے آکر ہر ایک انسان کو حریت کا اعزاز بخشا۔ قرآن کریم نے خاص طور پر ہماری سرشت میں حُرّیت یا سچی آزادی کو پیدا کرنا چاہا[1]

آزادی ضمیر آزادی عمل اور آزادی رائے کی نہ صرف اجازت ہی دی بلکہ انہیں پسند فرمایا، اور اس انسان کو چارپائے سے نسبت دی جس میں اس قسم کی سچی آزادی نہ ہو۔[2] ان چاروں سورتوں میں خاص کر اسی آزادی کا ذکر فرمایا۔ اور سورہ

---

[1] ماخوذ از "تمدن اسلام" مصنفہ خواجہ صاحب۔ قرآن کریم نے سورۂ ملک میں ہم میں آزادی عمل (بقیہ حاشیہ (۲) آخر صفحہ

"قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" میں نہ اس بات پر زور دیا کہ ہم اپنے مذہبی عقاید کے اظہار

(بقیہ حاشیہ صفحہ اول) اور آزادی رائے پیدا کرنے کے لئے اسی حقیقت بالا کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا:- افمن یمشی مکبا علیٰ وجھہ اھدیٰ امن یمشی سویا علیٰ صراط مستقیم - قل ھوالذی انشاکم وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ قلیلا ما تشکرون ان مقدس الفاظ میں خدائے پاک نے دو قسم کی مخلوق کا ذکر کیا ہے - ایک تو وہ جن کا سر زمین کی طرف جھکا ہوا ہے یعنی حیوانات دوسرے وہ جن کا سر قدرتی طور پر اوپر کی طرف ہے - یعنی انسان ان دو مخلوق کی سر و چشم کی بنا ہی فیصلہ کر دیتی ہے - کہ کس میں کہاں تک آزادی اور قوت عمل ہے حیوانوں کے سر کا نیچے کی طرف ہونا اُن کی گردنوں کی بناوٹ اُن کی حد نگاہ انہیں اس قابل نہیں چھوڑتی کہ وہ چند گز سے زیادہ صحیح راہ کو دیکھ سکیں - یا اپنی گردنوں کو بآسانی دائیں بائیں موڑ کر راستہ کا صحیح علم کر سکیں - بالمقابل انسان کا حال اس سے جداگانہ ہے - اُس کی آنکھیں میلوں آگے کی چیزیں دیکھ سکتی ہیں اُس کی گردن بآسانی ہر طرف مڑ سکتی ہے - یہ نظارہ ہی ثابت کرتا ہے کہ جہاں حیوان صحیح راستہ پر چلنے کے لئے دوسرے کا محتاج ہو - وہاں انسان اپنی راہ آپ تلاش کرے - اگر اس عطیہ ربی کے ہوتے ہوئے بھی ایک انسان حیوانوں کی طرح صحیح راستہ کے لئے دوسروں کی طرف دیکھے تو ایک چارپایہ ہے - پھر اسی حقیقت کو مضبوط کرنے کے لئے ان الفاظ کا آخری حصہ ایک خاص حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے - فرمایا - کہ ہم نے انسان کو آنکھ کان اور دل دیا ہے لیکن بہت کم انسان ان عطیات کی صحیح قدر کرتے ہیں - ہر چیز کا راستہ علم سے تعلق رکھتا ہے - اور علم کا ذریعہ زیادہ تر آنکھ اور کان ہیں - انہی دو حواس کے ذریعہ بہت سی باتیں دل کے سامنے آجاتی ہیں (باقی حاشیہ پر صفحہ ۳)

میں کبھی تامل کریں نہ کسی کے جبر سے اپنے عقاید میں فرق ڈالیں بلکہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہم کسی کی آزادی میں بھی دخل نہ دیں۔ وہ لوگ جو اسلام کو اس بات پر الزام دیتے ہیں کہ اس نے مذہب کے منوانے میں جبر کی تعلیم دی وہ خاص کر اس سورت شریف کے الفاظ پر غور کریں +

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) پھر دل اُن پر محاکمہ کرکے پسند خاطر چیزوں کو اپنے لئے چن لیتا ہے۔ اور آیندہ اُن پر چلتا ہے۔ ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ انسان کے سر کی بناوٹ اس کی آنکھ اور کان کا محل وقوع اس نہج پر رکھا گیا ہے کہ وہ صحیح راہ کے اسباب سمجھ لے اور پھر اس کا دل اُن پر غور کرکے صحیح طریق عمل اپنے لئے اختیار کرے۔ اگر وہ یہ نہیں کرسکتا۔ تو وہ ایک حیوان ہے لیکن صورت حال جو اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ بہت سے انسانوں کو حیوانوں کی جماعت میں لے آتی ہے۔ کوئی بھی اپنے دل و دماغ کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے نہ اُس میں آزادی عمل پیدا ہوسکتی ہے۔ نہ آزادی رائے۔ حیوانوں کی طرح دوسروں کے قابو میں ہوتا ہے۔ وہ جس طرح چاہیں۔ اور جس راہ پر چلائیں۔ اُسی طرح ایک بیمار پایہ کی طرح سر نیچا کرکے اُن کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ قرآن کریم نے آخر میں۔ (قلیلاً ما تشکرون) اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ کہ انسان نے اُن عطیات ربی کی قدردانی نہیں کی جو اُسے حیوانوں سے تمیز کرنے کے لئے عطا کئے گئے تھے +

سورۂ کافرون

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

یعنی ان نہ ماننے والوں سے کہہ دو کہ اے نہ ماننے والو! اُن بتوں کی پرستش نہیں کرونگا جن کی پرستش تم کرتے ہو، اور تم اس کی پرستش نہیں کرتے جس کی میں پرستش کرتا ہوں (اور پھر کہتا ہوں کہ) میں اُن معبودوں کو نہیں مانتا جن کی تم پرستش کرتے ہو، اور اسی طرح تم اس بات کو نہیں مانتے، جس کی میں پرستش کرتا ہوں) پس تمہارے طریق کار کا اجر تمہیں مل جائے گا اور میرے طریق کار کا اجر مجھے مل جائے گا +

یہ تو صریح بات ہے کہ اس سورہ شریفہ نے ہمیں اظہار حق کی تعلیم فرمائی ہے یہ نہایت ہی ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورت ہے جس وقت مخالفان اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذاؤں کا ہدف بنا رہے تھے اور مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے عقاید سے باز آکر اُن کے بتوں کی پرستش کریں۔ انہیں صاف الفاظ میں اور بتکرار کہا جاتا ہے کہ میں تمہارا مذہب ہرگز قبول نہ کروں گا، تمہارے خداؤں کے آگے ہرگز نہ جھکوں گا اور تمہارے بتوں کی پرستش ہرگز نہ

کروں گا لیکن ساتھ ہی انہیں بھی کہہ دیا کہ وہ اپنے طریق پر اگر قائم رہتے ۔ جہاں تمہیں اور مجھے جو اجر ملے گا اس سے ظاہر ہو جاتے گا کہ راہ راست پر کون تھا؟ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس سورہ شریفہ کے ہوتے ہوئے اسلام پر معاملات مذہبی میں کس طرح جبر و اکراہ کا الزام لگایا جا سکتا ہے کسی قسم کی دھمکی نہیں دی گئی کسی کو مجبور نہیں کیا گیا۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ ہمارے اعمال کا اجر ہی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا:

رواداری کے اس اصول حقہ کو قرآن کریم نے کئی موقعوں پر دہرایا ہے ایک جگہ تو حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد یعنی حضرت یعقوب وغیرہ اور اُن کے مذہب کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا:۔

تلک اُمۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون ۝ یعنی یہ لوگ گزر چکے ہیں اگر انہوں نے اچھے فعل کئے تو اچھا اجر پائیں اور اسی طرح تمہارے اعمال کا اجر تمہیں ملے گا تم اُن کے اعمال کے ذمہ دار نہیں۔ تم سے اُن کے اعمال کی بابت ہرگز نہ پوچھا جائے گا پھر ایک اور جگہ مسلمانوں کو دوسروں کے کہنے کے لئے فرمایا:۔

اتحآجوننا فی اللہ وھو ربنا و ربکم ولنآ اعمالنا و لکم اعمالکم یعنی مجھ سے خدا

لہ سورہ بقرہ ۔ آیت ۱۳۴

سورہ بقرہ ۔ آیت ۱۳۹ ۔

کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو یعنی اُن عقاید کے متعلق کیوں بحث کرتے ہو جو میں خدا کے متعلق رکھتا ہوں آخر تمہارا بھی وہی رب ہے میرا بھی وہی رب ہے جہاں تک اس کی پرستش کا سوال ہے وہ تو ایک امر مشترک ہے۔ سوال تو اعمال کا رہ جاتا ہے جن کا سرچشمہ یہ عقائد مختلفہ ہوتے ہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے یعنی ہم سب اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت لیں گے پھر جھگڑا کس بات کا؟

یہ کس قسم کی رواداری کی تعلیم ہے؟ بلکہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس بات کا ہمیں خیال کرنا ہے وہ اعمال ہیں اور عقاید کا فیصلہ بھی اعمال ہی کرتے ہیں کیونکہ نیک عقاید سے ہی نیک اعمال پیدا ہوتے ہیں تو پھر مقابلہ تو نیک اعمال کا ہونا چاہئے کسی مذہبی عقیدہ میں ہم کیوں ایک دوسرے سے فساد کریں؟

الغرض سورہ کافروں جو آج تیرہ سو برس سے ہمیں سبق دے رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے عقاید کو نہ چھوڑیں۔ نہ اس کے اظہار میں کسی سے ڈریں اور جس آزادی سے ہم اپنے عقیدہ کو ظاہر کرسکیں وہی آزادی دوسروں کا بھی حق ہے۔ صرف اعمال اور اس کے نتائج پر غور کرلینا چاہئے اور وہی وجہ دلیل ہونی چاہئے۔ آج اگر مذاہب مختلفہ کے مناظرین کو دیکھا جائے تو کس طرح بعض عقاید کی بحث میں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار

ہوتے ہیں؟ کس سب وشتم کے ساتھ ایک دوسرے کو یاد کرتے ہیں؟ اور اگران مناظرین کے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اعمال کو دیکھا جائے تو دونوں کے لئے وہ اعمال وجہ امتیاز نہیں ہوسکتے۔ انسان کو ان باتوں سے سبق لینا چاہیئے اور خصوصاً مسلم مناظرین کو وہ اپنے عقاید کو تو آزادی اور مضبوطی کے ساتھ ظاہر کریں لیکن اعمال کی فکر نہ کریں ۔

اس سورہ شریفہ کے بعد جو دوسری سورت چہار قل شریف میں آئی ہے وہ مشہور و معروف سورہ اخلاص ہے جو توحید کی جان ہے۔ اور ایک مسلم کو اس سیرت کے پیدا کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے وہ زمانہ میں ممتاز ہوسکے۔ سورہ شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ ○ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

یعنی کہدو، کہ وہ اللہ ایک ہے، اور وہ صمد (ہر ضرورت و احتیاج سے بری ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے اور باقی تمام مخلوقات اس کی محتاج ہے)، اُس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ کسی نے اُسے جنا اور کوئی ذات اُس کی ہمسری نہیں کرسکتی۔ اس سورہ شریفہ میں مسئلہ توحید پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے اور وحدت (یکتائی) کے ساتھ جس صفت یعنی صمدیت کا ہونا ضروری ہے اس کا ذکر کرکے دیگر مذاہب کے بڑے بڑے

عقاید کا ایک رنگ میں بطلان بھی کر دیا۔ فرمایا کہ خدا نہ صرف احد اور لاشریک ہے بلکہ بے نیاز بھی ہے۔ اپنے کسی معاملہ میں کسی کا محتاج نہیں ہاں ایک دنیا اپنی حاجتیں اس کی طرف لاتی ہے +

جو لوگ قدامت مادہ کے قایل ہیں وہ خدا تعالےٰ کو اس بات کا محتاج ٹھہراتے ہیں کہ دنیا کا انتظام چلانے کے لئے اُسے مادہ کی ضرورت تھی۔ گویا وہ از خود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک منہ سے تو یہ لوگ خدا کی توحید کے عقیدہ کے مدعی ہیں۔ اور دوسرے معنوں میں مادہ کو قدیم تسلیم کر کے اُسے قدامت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر کس طرح سے وہ لاشریک ہو سکتا ہے +

آریہ بھائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا قدیم ہے اُسی طرح مادہ اور رُوح بھی قدیم ہے۔ گویا دنیا کے چلانے میں اللہ تعالےٰ ان دونوں چیزوں کا محتاج ہے۔ اگرچہ اگلی آیت میں یہ کہہ کر کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا، عیسائیت کے عقیدہ ابنیت مسیح کی بھی تردید فرما دی لیکن اگر اس آیت کا ذکر نہ بھی کیا جاتا۔ تو بھی لفظ صمد (بے نیاز) اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو انسان کی نجات کے لئے مسیح کے کفارہ کی احتیاج نہ تھی +

لیکن جس بات کی طرف میں خاص طور پر ناظرین کی توجہ منعطف کرنی چاہتا

ہوں وہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ہر ایک انسان میں یکتائی اور بے نیازی کے رنگ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اس غرض کے لئے اس نے اپنی ذات کو پیش کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام کا موٹو بالفاظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلقوا باخلاق اللہ ہے +

یعنی تم اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کرو۔ پھر خود قرآن کریم نے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (سورہ بقرہ آیت ۱۳۸) تم خدا کا رنگ اختیار کرو یعنی اس کی صفات میں رنگین ہو جاؤ اور اس سے بہتر اور کون سا رنگ ہے ؟

الغرض اس سورہ شریف میں ہمیں سبق دیا گیا کہ تم بھی ایک نہ ایک صورت میں رنگ یکتائی پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ تم کسی کے محتاج نہ ہو اپنے حالات کو اس رنگ میں درست کر لو کہ تمہیں کسی کے آگے دست حاجت دراز نہ کرنا پڑے۔ جو شخص کسی احتیاج کو لے کر کسی کے آگے گیا وہ یکتائے زمن تو کیا ہوگا اس نے ذلت کو اختیار کیا۔ جہاں تک تمدن اور سوسایٹی کا سوال ہے ہم بالضرور ایک دوسرے کے محتاج ہیں لیکن جب ایک شخص ضرورتوں کے دفعیہ میں دوسروں کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے تو وہ محتاج نہیں کہلا سکتا اور نہ اس کی یکتائی میں فرق آتا ہے +

یوں تو بے نیازی ہر ایک کے مرغوب طبع ہے لیکن پھر بھی بعض باتوں

کی اجازت سوسائٹی نے دے رکھی ہے۔ اور بچے تو لازماً ایک وقت تک
باپ کی طرف دیکھتے ہیں اور باپ بھی ارذل عمر میں پہنچ کر بیٹوں کی شفقت کے
محتاج ہوتے ہیں اور اس میں چنداں عیب بھی نہیں لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی شان
میں یہ فرما کر کہ نہ میں کسی کا بیٹا نہ کوئی میرا بیٹا نہ کوئی میرا ہمسر نہ کوئی ہم کفو،
اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ رنگ بھی مجازی طور پر انسانوں میں پیدا ہونا
چاہیئے۔ بیٹوں کو اس فکر میں نہ رہنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنے باپ کی کمائی یا
اس کے ترکہ کی طرف ہمیشہ نگاہ رکھیں بلکہ اپنے اندر شان بے نیازی پیدا کرنے
کے لئے اور باپ کے آگے بھی دست حاجت دراز نہ کرنے کے لئے عملاً ان کو سمجھ
لینا چاہیئے کہ ہمیں کسی نے نہیں جنا جس طرح ہمارے والدین نے اپنے لئے ذریعہ
معاش پیدا کیا ہے ویسے ہی ہم بھی کوشش کریں۔ اخلاق منزلہ تو ضرور اس امر کے
متقاضی ہیں کہ باپ کی کمائی بیٹے کو اور بیٹے کی کمائی باپ کو جائے چنانچہ قرآن
کریم نے اولاد کو والدین کے متروکہ کا وارث ٹھہرایا ہے۔ دوسری طرف حدیث
شریف میں آیا ہے کہ "الولد کسبہ" یعنی بیٹے کی کمائی اس کے باپ کی کمائی ہے
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن مقدس الفاظ کی اہمیت اور عظمت مغرب
میں جا کر سمجھ میں آتی ہے۔ جہاں والدین تو نان شبینہ کے محتاج ہیں اور انہی کی
صلب سے نکلے ہوئے اور انہی کے پرورش کردہ بچے ہر قسم کی دولت و ثروت
سے مالا مال ہیں۔ اس بات کی ذرہ بھی پروا نہیں کی جاتی کہ ہمارے والدین

کس حالت میں ہیں اس لئے یہ تو ضروری تھا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف ان اخلاق منزلیہ کے متعلق احکام فرماتی لیکن سورہ اخلاص جس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو کسی کے مال پر نگاہ نہ رکھنی چاہیئے خواہ وہ اس کے اپنے باپ کا ہو یا بیٹے کا۔ یہ الگ امر ہے کہ نظام منزلیہ کے متعلق تکمیل تعلیم کے لئے قرآن شریف اور حدیث نے خاص احکام نازل فرمائے کیوں کہ شارع کے سامنے کل امور ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے خاندان اسی لئے تباہ ہو گئے کہ آئندہ نسلوں نے بزرگوں کی کمائی پر نگاہ رکھی اور خود کمانے کی فکر نہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں بزرگوں کے اندوختہ کو ختم کر کے، محتاج خلائق ہو گئے۔ اگر وہ پہلے دن ہی اس بات کی فکر کرتے کہ ترکہ کے معاملہ میں ہیں وَلَمْ یُوْلَدْ کا مصداق بننا چاہیئے تو پھر خاندان تباہ ہوتے۔

بالمقابل اسی طرح ہر ایک انسان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس پر ایک وقت آئے گا جب وہ خود کسی کاروبار کے قابل نہ ہو گا۔ گو قرآن کریم نے خاص طور پر، اس امر کے متعلق زور دیا ہے کہ انسان اپنے والدین کی خاص کر ایسے وقت[1] میں عزت کرے۔

---

[1] جیسے کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ہر ایک مذہب والدین کی عزت کرنے کی تعلیم دیتا ہے لیکن جس رنگ میں قرآن کریم نے فطرت انسانی کو سامنے رکھ کر ذیل کے الفاظ میں ہدایت فرمائی ہے۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹) وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۳)

یعنی تمہارا رب تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اس کے سوائے کسی کی پرستاری نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو، یہ حکم فرما کر جو الفاظ آگے فرمائے وہ نہایت ہی قابل غور ہیں اور ایک بڑے سے بڑے دشمن سے بھی خراج تحسین وصول کر سکتے ہیں۔ فرمایا اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تمہارے ہوتے ہوئے ضعیفی کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو "اف" تک نہ کہو نہ سرزنش کرو اور نرمی اور فیاضی سے بات کرو۔

ضعیفی میں انسان پر ایک ایسا وقت آجاتا ہے۔ جب اس کے عقل و ہوش درست نہیں رہتے اس میں ایک قسم کا بچپن عود کر آتا ہے اور مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگ اس حالت میں پہنچ کر۔ معمولی باتیں یک طرف، بلاوجہ بگڑتے ہیں۔ فرمائشیں اس قسم کی کرتے ہیں جو مضحکہ انگیز ہوتی ہیں۔ یہ ایک سخت آزمائش کا وقت ہے اور اسی لئے ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا کہ تم اُن کے مقابل اُف تک نہ کرو۔

شریف کی تعلیم کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم ارذل عمر میں پہنچ کر بھی کسی کے دست نگر نہ ہوں۔ ایام کہولت سے پہلے پہلے ہم جد وجہد بقا میں اس طرح کوشاں ہوں کہ ایک کافی حصہ اپنی کمائی کا ایسے وقت کے لئے چھوڑ سکیں اور اس رنگ میں ہم "لم یلد" کے مصداق بن جائیں ٭

اس سورہ شریفہ میں ان دو باتوں کا ذکر کر کے کہ اللہ تعالےٰ کو نہ کسی نے جنا نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ اُس کا کوئی اس کا ہم کفو ہے۔ قرآن کریم سے ایک اور مردانہ حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دنیا میں وہی کامیاب ہوتا ہے اور مذہب و قوم کی خدمت وہی کر سکتا ہے جو رہین وطن نہ ہو جو گھر کی چاردیواری کا غلام نہ بنے مرد وہی ہے جو آٹھوں پہر اپنی معاشرت کی بہتری کے لئے یا کسی قومی یا ملی غرض کے لئے اپنے وطن کو چھوڑ سکے ٭

اب اگر ان اسباب پر غور کیا جائے جو انسان کو ترک وطن سے روکتے ہیں اور اس کو وطن کا غلام کر چھوڑتے ہیں تو وہ اس کی اولاد، قبیلہ یا والدین ہوتے ہیں۔ اور لفظ کفو میں اس کے اور متعلقین بھی آجاتے ہیں یہی چیزیں ہیں جو ہمیں اپنے گھر سے نکلنے نہیں دیتیں۔ حالانکہ آج مغربی اقوام نے ہمیں دکھلا دیا کہ ربع سکون پر قابض ہونا چاہو تو گھر کو چھوڑنا سیکھو۔ اس لئے اس سورہ اخلاص میں ایک مسلم کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ان صلبی یا خونی یا قبائلی تعلقات سے بھی

آزاد ہو جائے۔ اور وہ وطن کو اس طرح چھوڑ سکے گویا نہ وہ کسی باپ سے جدا ہونے لگا ہے نہ بیٹے سے نہ کسی ہم کفو سے قرآن نے ہجرت کی بہت تعریف کی ہے ہجرت سے صرف یہی مراد نہیں کہ ہم کسی مذہبی امور میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جائیں۔ بلکہ اپنی بہتری کے لئے ہمارے لئے وطن کا چھوڑنا ایک آسان امر ہو جائے یہ آسانی اُسی شخص میں پیدا ہوگی جو خاندان اور کنبہ کے علائق سے آن واحد میں آزاد ہونے کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ اہلیت اُسی میں پیدا ہو سکتی ہے جس میں خدا تعالےٰ کا یہ رنگ ہو کہ نہ اُس کو کسی نے جنا نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ کوئی اس کا ہم کفو ہے ؛

الغرض آزادی کامل کے حاصل کرنے میں شان بے نیازی کی ازحد ضرورت ہے ؛

جس بے نیازی اور اعتماد علی النفس کا ذکر میں نے یہاں کیا، جہاں اس میں کچھ نقص بھی ہیں۔ ہاں بعض وقت ہم ایسے وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں جن سے اعتماد علی النفس پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس میں نقص تو یہ ہے کہ انسان نہ صرف بعض وقت اپنے نفس پر اعتماد کر کے دوسرے انسانوں سے ہی لاپرواہ ہو جاتا ہے اور اس کے باعث انہیں حقارت اور نفرت سے دیکھتا ہے جس سے مجلسی اخلاق ہونا نقصان ہوتا ہے بلکہ وہ بعض وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ صوفیائے کرام نے اعتماد علی کو تو برا قرار نہیں د

لیکن اسے ایک شرک کا بت قرار دیا ہے جس کی پرستش میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے اور اس کے بعض پہلوؤں میں بچنے کی ہدایت فرمائی ہے خدا تعالیٰ نے اس استکبار کے بُت کو توڑنے کے لئے سورۂ اخلاص سے اگلی سورت یعنی سورۂ فلق میں چند ایسی باتوں کا ذکر کر دیا ہے کہ جہاں کسی کا اعتماد علی النفس یا اس کی بے نیازی کا رنگ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو خاک میں مل جاتا ہے ؞

سورۂ فلق کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ؏

یعنی کہہ دو کہ میں رب فلق کی پناہ میں (۱) آنا چاہتا ہوں اُن چیزوں کے بُرے پہلو سے، جو اُس نے پیدا کی ہیں اور (۲) اُن اندھیروں کے شر سے جب وہ چھا جائیں (۳) اُن اُمور سے جو دل میں پیدا ہو کر عزم صمیم کو توڑ دیں (۴) حاسدوں کے حسد سے ؞

اس سورہ شریفہ کو رب فلق سے شروع کیا گیا ہے جو نہایت ہی معنی خیز ہے۔ گو بعض دن چڑھنے کے کئے ہیں لیکن فلق کے لفظی معنی پھاڑنے کے پھٹنے کے آئے ہیں اصطلاحًا واقعات میں ۔ سے یا موجودہ حالات میں سے نئی چیز کا پیدا ہو جانا اگر دن چڑھنے کے معنی بعض نے کئے تو اس کی روشنی

آفتاب اندھیرے کو پھاڑ کر نکلتی ہے جسے پو وہ پھٹنا بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم خداتعالےٰ کے متعلق "فالق الحب والنوی" یعنی وہ ذات جو تخم کو پھاڑ کر اس میں سے کونپل کو پیدا کر دیتا ہے اور پتھروں میں سے طرح طرح کی چیزیں نکالتا ہے عدم سے زندہ اور زندگی سے موت پیدا کرتا ہے پھر اگلی آیت میں فرمایا "خالق الاصباح" جو صبح کو اندھیرے میں سے نکالتا ہے۔ رب الفلق کی ربوبیت کا رنگ تو ہر روز نظر آتا ہے۔ صحیفہ قدرت میں مختلف حادثات وارد ہوتے ہیں بعض وقت انسان ان حادثات سے کچھ نتیجہ نکالتا ہے لیکن دست قدرت انہیں کسی دوسرے نتیجہ کا باعث ٹھہرا دیتا ہے اگر خداتعالےٰ چاہے تو اُن حادثات اور اسباب کو جو بظاہر کسی کی تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اس کی خیر و برکت کا موجب ٹھہرا دے اس لئے اس سورہ شریفہ میں جن چار باتوں کا آیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک تکلیف اور مصیبت کا باعث تو ہو سکتی ہے لیکن (رب فلق) اس بات پر قادر ہے کہ ان چیزوں کے شر سے انسان کو بچالے اور اس کی مخلصی کی راہ ان میں سے نکال دے بالخصوص "من شر ما خلق" سے محفوظ رہنے کے لئے تو از حد اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم رب فلق

لہ ان اللہ فلق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی ذٰلکم اللہ ما فی توصون خالق الاصباح ۔الخ سورہ بقرہ آیت ۹۶،۹۷)

کی پناہ میں رہیں یعنی معنی ان مقدس الفاظ کے یہ ہوئے کہ جو کچھ رب نے پیدا کیا ہے اس شر سے ہم رب فلق سے پناہ مانگیں بظاہر یہ فقرہ شر کو خدا کی طرف منسوب کر رہا ہے لیکن جس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ روزانہ مشاہدہ میں بھی آتی ہے۔ اللہ تعالے تو شر کا ذمہ دار نہیں ہے +

اسلامی ایمانیات میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم اللہ تعالے کو خیر و شر کے اندازوں کا قائم کرنے والا جانیں (والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالے) اللہ تعالے کی طرف سے تو ہر ایک چیز مخلوق کے لئے خیر محض ہو کر آئی ہے لیکن ایک چیز کا ایک خاص اندازہ جو مخلوقات میں سے ایک چیز کے لئے خیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے لئے ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے +

اکل و شرب کی جو مقدار ایک اونٹ یا ہاتھی کے لئے مفید ہے وہ لامحالہ انسان کے لئے باعث ہلاکت ہو گی اور جس مقدار سے انسان کی صحت وابستہ ہے وہ اونٹ یا ہاتھی کو زندہ نہیں رہ سکتی

اسی طرح بعض چیزیں اپنے محل و استعمال کے لحاظ سے خیر و شر ہو جاتی ہیں مثلاً کثرت سے چیزیں برنگ زہر پیدا کی گئی ہیں لیکن وہ بعض امراض کے لئے آب حیات کا کام دیتی ہیں۔ ہاں اگر انہیں اس موقع پر استعمال نہ کیا جائے تو وہ باعث ہلاکت ہوں گی۔ گویا کل کی کل چیزیں جو خدا تعالے کی پیدا کردہ ہیں ان میں ایک رنگ شر کا بھی ہے جو انسان کی اپنی غلطی سے پیدا ہو جاتا ہے

کاروبار میں بھی یہی حال ہے۔ بعض واقعات جو آج ہمیں اپنے معاملات میں انتہا مفید نظر آتے ہیں وہی کل ہماری تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں ٭

چونکہ انسان کا علم محدود اور ناقص ہوتا ہے اور وہ ان نتائج سے بھی واقف نہیں ہو سکتا اور ان حالات میں انسان کا کل کا کل اعتماد علی النفس خاک میں مل جاتا ہے اسی لئے ان حالات کے پیدا ہونے پر رب فلق کی پناہ میں آنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے وہ تو اندھیرے میں سے آفتاب کو نکالتا ہے پتھروں میں سے مفید چیزیں پیدا کرتا ہے پھر وہی ہمارے مفاد کا کفیل ہو سکتا ہے ٭

اس بات کے بعد جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تو اور کاروبار دنیا میں روز مرہ کا مشاہدہ ہے یعنی" من شر غاسق اذا وقب " یعنی اے رب فلق ہمیں ان اندھیروں کے شر سے اپنی پناہ میں لے جب وہ چھا جائیں بسا اوقات واقعات کچھ ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ کہ ہمیں مفر کا راستہ ہی نظر نہیں آتا۔ ہم ایک قسم کے اندھیرے میں آکر ٹانک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے بہت سوچتے ہیں کہ کہیں سے روشنی نظر آئے اور ہم راہ مخرج حاصل کر لیں لیکن عموماً مایوسی ہی کا منہ

دیکھنا پڑتا ہے۔

ہاں ان حالات میں اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو ہمیں ان اندھیروں سے نکال سکتا ہے اور ظلمت کو نور سے بدل سکتا ہے یہ بھی رب فلق ہی کی شان ہے اسی لئے اس سے پناہ طلب کرنے کی ضرورت ہے یوں تو انسان کی زندگی میں بہت سے امور ہیں جن پر اس سورہ شریفہ کا اگلا فقرہ حاوی ہوتا ہے لیکن یہاں میں کاروباری امور ہی کو سامنے رکھتا ہوں مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ" ہم بڑی بڑی مہمات کو ہاتھ میں لے کر ان کے سرانجام کے لئے عقد ہمت باندھتے ہیں لیکن بعض وقت نادان مشیر ہمیں ایسے مل جاتے ہیں اور بعض وقت ہمارا ماحول ہی ایسی باتیں پیدا کر دیتا ہے جن سے ہمارے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر ہماری ہمت کو توڑ دیتے ہیں اور ہم اس بات پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اُن اُمور مہمہ کو چھوڑ دیں اس سے بڑھ کر دنیا میں بزدلی اور ناکامی کے اور اسباب نظر نہیں آتے وہی باہمت شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو عقد ہمت کو نہ توڑے یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے مشورے بعض وقت نیک نیتی سے ہوتے ہیں اور نواحی حالات بھی بظاہر

ملہ نَفّٰثٰت۔ نفّٰثٰت کے معنی پھونکنے کے بھی ہیں اس کے معنی القا کے بھی آجاتے ہیں۔ دیکھو جناب مولوی محمد علی کا ترجمہ انگریزی قرآن صفحہ ۱۲۳۶ جہاں اس فاضل نے اس نقطہ پر مفصل بحث کی ہے ۱۲

ڈرانے والے ہوتے ہیں لیکن رب فلق اگر چاہے تو ان ناکام منظروں کو کامیابی میں تبدیل کردیں اور ہمیں ایسے وقت میں صحیح راستہ پر ڈال دیں۔ یہ حالات بھی آئے دن ہی پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں آئے دن اللہ تعالٰے کی پناہ طلب کرنے کی احتیاج ہے۔ چوتھی بات جو اس سورۃ شریفہ میں بیان فرمائی ہے وہ گویا کامیابی کی ساتھ لازم ملزوم ہے۔ خواہ کوئی معاملہ ہو اس میں وہ کون کامیاب ہے، جس کی کامیابی کو دیکھ کر لوگ حسد نہیں کرتے۔ زندگی کے چار دن بسر کرلینا تو آسان ہیں لیکن جوانمرد وہی ہیں جو کامیابی کی چوٹی پر جانا چاہتے ہیں اور انہی لوگوں کا راستہ قدم قدم پر حاسدوں کی شرارتوں سے بھرا ہوا ہے۔ بعض کے متعلق تو ہم جانتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں ہمارے متعلق حسد پیدا ہو رہا ہے لیکن اکثر حالات میں ہم ایسے لوگوں کو پہچان بھی نہیں سکتے بلکہ جنہیں ہم دوست سمجھتے ہیں وہ دل میں حاسد ہوتے ہیں تو اگر اس سورہ شریفہ کے اس سے پہلے کے ٹکڑے میں ان نیک مشوروں سے بچنے کی پناہ مانگی گئی ہے جو عزم صمیم کو توڑ دیا کرتے ہیں تو یہاں اُن شریروں سے ہمیں خدا کی پناہ مانگنے کی ضرورت ہے جن کے مشوروں کا باعث حسد ہوتا ہے۔ الغرض قرآن کریم نے سورہ فلق میں ان چار امور کا ذکر کرکے ہمیں اعتماد علی النفس کے برے پہلو سے بچنے کی تعلیم فرمائی +

سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق کو ایک نگاہ سے دیکھنے پر یہ سبق پڑھایا
یا کہ جہاں تک تو ہمارا دوسرے انسانوں سے تعلق ہے اُن کے مقابل تو
ہیں اعتماد علی النفس پیدا کرنا چاہیئے لیکن خدا کے سامنے اعتماد علی النفس ہی
وہ بت ہے جس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے ضروری ہیں +

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ شان صمدیت اپنے اندر پیدا کرنے میں
جہاں استکبار کا خطرہ ہے وہاں انسان کے دل میں علی العموم کچھ وساوس بھی
پیدا ہو جاتے ہیں جن سے یہ خلق فاضلہ پیدا ہو نہیں سکتا۔ ان وساوس سے
بھی خدا کی پناہ میں آنے کی ہمیں ضرورت ہے یہ وساوس تین طرف سے
پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر قرآن کی آخری سورت یعنی سورۃ الناس میں آیا ہے
اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝
اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

جس بات کی انسان کو سخت احتیاج ہے وہ اس کے اور اس کے
متعلقین کی پرورش کا معاملہ ہے۔ گو اللہ تعالےٰ نے روزی کمانے کے
اسباب اور قویٰ اپنی عنایت سے ہم سب کو بخشے ہوئے ہیں لیکن اس معاملہ
میں انسان بہت ہی عاجز واقع ہوا ہے بسا اوقات دوسروں کو اپنا
ان داتا سمجھ لیتا ہے تن آسانی کی طلب میں اس کا دل کوشش اور

جفاکشی سے گھبراتا ہے۔ وہ غفلت اور سستی کا شکار ہو کر دوسروں کو اپنا ان داتا سمجھ لیتا ہے پھر یہ ان داتا اُس سے جو چاہیں کرائیں۔ پھر کس کی آزادیٔ رائے اور کس کی آزادی ضمیر؟

ضمیر اور رائے ہم ایسے مزعومہ ان داتوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا۔ قل اعوذ برب الناس اے انسان کہہ کہ میں انسانوں کے پرورش کرنے والے کی پناہ میں آتا ہوں مطلب یہ کہ انسانوں میں سے تم کسی کو اپنا رب نہ سمجھو۔ چنانچہ ایک اور جگہ کتاب مقدس نے فرمایا، ہم تمہارے رب ہیں نحن نرزقکم، ہم تمہاری پرورش کرتے ہیں تم اپنی توتوں پر بھروسہ کرو اور کوشش کے صحیح راستوں پر قدم زن ہو تمہیں کسی کی احتیاج نہ ہو گی تمہاری روزی کے ہم کفیل ہونگے۔

ان داتا سمجھنے کے علاوہ ایک اور مصیبت بھی ہماری راہ میں آتی ہے یوں تو سوسائٹی کا تمدن اور قیام امن اس بات کو چاہتا ہے کہ حاکم اور محکوم کا سلسلہ دنیا میں جاری رہے حاکم تو دراصل پبلک کے خادم ہوتے ہیں ہم ہی بصورت ٹیکس اُن کی تنخواہ کے کفیل ہوتے ہیں لیکن مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہم ان کو اپنی جان و مال کا مالک سمجھتے ہیں اپنی عزت وحرمت اُن کے اشاروں سے وابستہ قرار دیتے ہیں۔ ہم انہیں دنیا کے خزائن کا مالک سمجھ کر اُن کے سامنے سر نیاز جھکاتے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ہمارا

وہم ہوتا ہے البتہ اس غلامانہ ذہنیت کا یہ نتیجہ ضرور ہوتا ہے کہ ہم حریت صادقہ کو اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھتے ہیں اسی لئے فرمایا ملک الناس یعنی تم اُس خدا سے پناہ مانگو جو لوگوں کا حقیقی مالک اور حاکم ہے اس موضوع پر میں آگے چل کر کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ بحث کروں گا لیکن سلسلہ کلام کو قائم رکھنے کے لیے میں سورہ شریف کے اگلے حصہ پر آتا ہوں جس کی طرف الفاظ الٰہ الناس اشارہ کرتے ہیں الٰہ کے معنیٰ "معبود" ہیں۔ یا عامہ محاورہ میں "خدا" گو ہم سب ایک خدا کے ہی پرستار ہیں لیکن بعض لوگوں کو ہماری بد اعتقادیاں ہمارے سامنے خدا کے ایجنٹ کے رنگ میں پیش کر دیتی ہیں، ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو کچھ چاہیں یہ لوگ کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ایسے شخص نے ہمیں کہہ دیا ہے وہی ہم کر گزرتے ہیں گو یا یہ لوگ ہمارے الٰہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ انسان کا معبود تو خدا ہے، پھر ایک خالص مخلص کے رنگ میں صرف اُسی کی پرستاری کرو (فادعوہ مخلصین لہ الدین (سورہ مومنون آیت) پس اُس وساوس سے تم خدا کی پناہ میں آ جاؤ جن سے تم اپنے جیسوں کو بلکہ اپنے سے کم حیثیت مخلوق (شجر حجر نجم وغیرہ) کو اپنا معبود بنا لیتے ہو +

اس موقعہ پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مسئلہ وسیلہ پر کچھ لکھ دوں۔ اگر کسی انسان پرست سے یہ پوچھا جائے کہ تم فلاں شخص کو کیوں خدائی طاقتوں کا مالک سمجھتے ہو تو ان میں سے جو عقلمندی کا جواب دیتے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ انہیں ہم خدا

تو نہیں سمجھتے بلکہ ہم میں اور خدا میں وہ وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض وقت کسی سے سُنی سُنائی یہ آیت بھی پڑھ دیتے ہیں یاایہاالذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۰

اس کے معنی یہ ہیں اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اس سے قریب ہونے کے ذرائع تلاش کرو، اور اس کی راہ میں سخت کوشش کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" یہ اصحاب آیت مذکورہ کے اس حصہ پر زور دیتے ہیں "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" یعنی اُس سے قریب ہونے کے ذرائع تلاش کرو اس مقابلہ میں کسی خاص مذہب کے پیرووں کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر ایک اسی مرض میں مبتلا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ جو ہمارے ہادی یا مرشد ہیں یہی ہمارے خدا سے نزدیک ہونے کا ذریعہ ہیں۔ حالانکہ اس حصہ آیت کی تفسیر اسی کا دوسرا حصہ کرتا ہے یعنی "جاھدوا فی سبیلہ" (یعنی اس کی راہ میں سخت کوشش کرو) یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی راہیں کتاب پاک میں بتا دی ہیں۔ مطلب تو اس آیت کا یہ تھا کہ تم متقی ہو اور قرب خداوندی کے ذرائع حاصل ہوں اور وہ یہ کہ اس کی فرمودہ راہوں پر قدم زن ہونے میں سخت کوشش کرو.........

....

....

....

ــــــے ربانی دیگر اجزائے سکرامنٹ ایسا ہی ان کا ایک بھی جو ارشاد کرسمس۔ ایسٹر لڈفرائیڈے وغیرہ جو سب کے سب مسیح سے صدیوں پہلے مروجہ مذہب کفریات میں بہ ہمہ موجود تھے حتی کہ جناب مسیح کے بیں ایک نام جو کلیسا نے تجویز کئے ہوئے ہیں اور ایسا ہی وہ کلمات جو انجیل نویسوں نے جناب مسیح کی طرف منسوب کئے ہیں وہ سب کے سب قبل از مسیح کنواری زادہ دیوتاؤں کے نام تھے۔ اور وہ الفاظ بھی ان ہی کے منہ سے نکلے ہوتے ہیں۔ گویا مروجہ عیسائیت مذہب کفریات کا ایک کامل چربہ ہے۔ یہ بدیہہ ہے۔ کہ یہ واقعات جن کو مستند طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور جو آج سات برس تک لاجواب ہے ہیں وہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے بیزار کرنے کے لئے کافی تھے چنانچہ مغرب میں یہ امر شروع ہو گیا اس ابتدائی کتاب کے بعد فاضل مصنف نے ضروری سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمد عربی کو پیش کیا جائے چنانچہ آپ نے انگریزی میں ایک کتاب آئیڈیل پرافٹ لکھی جس سے آنحضرت صلعم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت دلکش پیرایہ میں پیش کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی ان دو کتابوں نے جو نتائج پیدا کئے ہیں۔ وہ شاید ہی کسی اور کتاب سے مرتب ہوئے ہوں دو صد سے اوپر نفوس ان کتابوں کو پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ دراصل ان ہی دو کتابوں نے مصنف کو تعلیم قرآن پر ایک کتاب لکھنے کے لئے مجبور کیا جو اب **تمدن اسلام** کی شکل میں پیش ہوتی ہے یہ تینوں کتابیں اس قابل ہیں کہ کوئی مسلم گھران سے خالی نہ ہو۔ ان کے مطالب تو خود بخود اپنی خوشیاں ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ کتابیں اپنی زبان کے لحاظ سے بھی انگریزی و اردو کا ایک بہترین لٹریچر ہے۔ پھر پیرایہ بیان کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ شروع کر کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ اشتہاری مغالطہ نہیں۔ اس کا ثبوت اسی کتاب **تمدن اسلام** سے مل سکتا ہے۔ لکھائی چھپائی تقطیع۔ کاغذ جم سب کے سب صحافت کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ پھر ان سب باتوں کے باوجود ان کتابوں کی اشاعت عامہ کی خاطر قیمت میں بہت رعایت کی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

ینابیع المسیحیت	**نبوت کا ظہور اتم**	**تمدن اسلام**
عہ	مہ	حصہ اول عہ حصہ دوم عہ

ذیل کے پتے سے سب کتابیں مل سکتی ہیں۔

مسلم بک سوسائٹی۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

بابت ماہ … ۱۹۳۱ء … نمبر …

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ اشاعت اسلام

اُردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے سالانہ — قیمت پانچ روپے سالانہ ممالک غیر کیلئے

التماس: درخواست خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام

مسلم پریس عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب) میں چھپ کر شائع کیا

۱۹۳۱ء

عزیز منزل — برانڈرتھ روڈ - لاہور

"I have found in Islam a religion that is compelling in its simplicity. My early thoughts of God did not inspire reverence so much as fear; the 'Wrath of God' seemed more real than 'His Mercy.'

"What we think of God moulds our very actions.

"Islam gives me a God worthy of worship and an inspiration to follow."

AMINEH BROWNE

فہرست مضامین

رسالہ اشاعت اسلام

جلد ۱۷ | بابت ماہ جولائی ۱۹۳۱ء مطابق ماہ صفر ۱۳۵۰ھ | نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

بابت ماہ جولائی ۱۹۳۱ء

اِس ماہ کے رسالہ کو جناب امینہ براؤن کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے:

کا اعلان اسلام درج کیا جاتا ہے:-

قبولیت اسلام میں مجھے ایک ایسا مذہب ملگیا ہے جسکی سادگی نا گزیر ہے۔ اور جو میرے دل میں گھر کر گئی ہے مشرف بہ اسلام ہونے سے بیشتر خدا تعالیٰ کا جو تخیل میرے سر میں تھا۔ اس سے میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت اسقدر نہیں جمتی تھی جسقدر کہ خوف و ہراس۔ اور ایسا ہی فضل خداوندی سے غضب الٰہی مجھے زیادہ وسیع و حقیقی نظر آتا تھا۔ حقیقت تو دراصل یہ ہے کہ خدا کا صحیح تخیل ہی ہمارے اعمال کو صحیح سانچے میں ڈھالتا ہے +

اسلام کو قبول کر کے مجھے ایک ایسا خدا ملا ہے۔ جو سزاوار عبادت ہے۔ اور جسکے آگے سر جھکا دینے کی میرے دل میں حقیقی تڑپ رہتی ہے +

مشن ووکنگ انگلستان کا مکتوب نمبر ۱

انگلستان میں اس سال اپریل میں اس قدر بارش ہوئی۔ کہ اس نے سابقہ کل سالوں کے ریکارڈ کو مات کردیا۔ لیکن عید کے روز اللہ تعالیٰ نے حسب معمول اپنا خاص فضل و احسان کیا۔ اور دوپہر تک مطلع بالکل صاف رہا +

اس مبارک تقریب سے ایک رات پیشتر احاطۂ مسجد ووکنگ میں عید الاضحیٰ کی کل متعلقہ تیاریاں ہو چکی تھیں۔ مسجد کے وسیع میدان میں خیمے لگائے گئے۔ خیموں کو جملہ ساز و سامان سے مزین کیا گیا۔ منتظمین و کارکنوں کی سرگرمی۔ جوش کار اور حسن سعید تقریب کو ہر رنگ میں کامیاب بنانے کی سرتوڑ مساعی اس تقریب کی اہمیت کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ صبح کے ٹھیک آٹھ بجے احاطۂ مسجد میں دوستوں کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ موذن نے اعلان کیا کہ گیارہ بج چکے ہیں۔ اب نماز عید ادا ہوگی اس اعلان کا شمع محمدی کے پروانوں نے پروانہ وار۔ ولی جوش و مسرت سے خیر مقدم کیا۔ محبت و اخوت کا یہ دلکش منظر۔ زائرین تقریب کو محو حیرت کر رہا تھا۔ موذن کے اعلان "الصلوٰۃ" پر گورے۔ بھورے۔ انگریز و فرانسیسی۔ ترک و عرب۔ افغانی و ایرانی مصری و اہل حبش غرض تفوق۔ دولت۔ مرتبہ۔ رنگ۔ قوم کے امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر مطیع و منقاد فوجیوں کی طرح ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے ہو گئے۔ یکجہتی۔ محبت اخوت و مساوات کے اس دلفریب منظر کا فوٹو لینے کیلئے زائرین کی اگر ایک کثیر تعداد مصروف عمل ہو جائے۔ تو کوئی اچنبھے بات نہیں۔ چار صد کے قریب احباب نے اس پیاری تقریب میں شرکت فرمائی۔ ان میں سے بعض دوست تو طویل صعوبت سفر برداشت کر کے نماز میں شامل ہوئے۔ دوگانہ نماز کی رکعت کی ادائیگی کے بعد جناب امام صاحب مسجد ووکنگ نے خطبۂ عید فرمایا۔ آپ نے واضح کیا۔ کہ تعلیم و ارکان اسلام میں ہر ایک مسئلہ کا نہایت ہی ضروری حل موجود ہے۔ مساوات انسانی کا خواب تو دیگر مذاہب بھی دیکھتے رہے ہیں۔ لیکن قومی تادیب کے لئے اسے عمل جامہ پہنانا۔ اسلام کے لئے ہی مختص تھا۔ آپ نے بتلایا کہ جنگ عظیم

امتیازات زیادہ تر ہمیشہ انگریزی بولنے والی اقوام میں ہی پائے جاتے ہیں۔
معزز خطیب نے اختراعات حاضرہ یعنی موٹر۔ ہوائی جہاز۔ لاسلکی۔ ریڈیو۔ سینما کا
تذکرہ کیا اور بتلایا۔ کہ ان ایجادوں نے تمام عالم کو ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے
ان امور کا تذکرہ کر کے فاضل خطیب نے سامعین کی توجہ خصوصیت سے
لونی وقومی امتیازات کو اڑانے کی اہمیت کے مسئلہ کی طرف مبذول کی۔
اور فرمایا۔ کہ علم طبعیات نے افریقہ کو انگلستان کے آستانہ پر لا کھڑا کیا ہے
تمام رنگدار اقوام۔ رنگ وقومیت کے قابل نفرت جذبہ کو کچلنے کے لئے
آمادہ ہیں۔ وہ سفید لوگوں کی نمبرداری کے جوتے تلے ہمیشہ کیلئے رہنا
قبول نہیں کرسکتیں۔ مفاد کی کشمکش سابقہ سے کئی گنا زیادہ بلائے بے درماں
کی طرح دنیا کو نظر آرہی ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی انسداد کرنا ازبس ضروری ہے
اور اسے بیخ وبن سے اکھیڑنے کے لئے کوئی صحیح مقام بھی قرار دینا پڑیگا
اسلام کے سوا کوئی بھی مذہب اس وقت نسل انسانی کی نجات کے لئے میدان
عمل میں اُترتا نظر نہیں آتا۔ بنی نوع انسان کو اس مشکل مرحلہ سے اسلام
کے سوا کوئی بھی مذہب کامیابی کے ساتھ نجات نہیں دلا سکتا۔ اور اس لعنت
سے اس وقت تک چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ اس تعلیم اور اصولوں
کو رائج نہ کیا جائے۔ جو حضرت نبی کریمؐ نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر غور و
خوض کے بعد دُنیا میں رائج کئے۔ اور ان کو نافذ کیا۔ اس کے بعد
جناب امام صاحب موصوف نے مختلف ارکان اسلام پر روشنی ڈالی۔ اور
بتلایا۔ کہ ان میں سے ہر ایک رُکن نے کس طرح انسان کی عالمگیر اخوت
کے بلند نصب العین کو دُنیا میں قائم کیا +

اختتام خُطبہ پر مسلمان بھائیوں نے برادرانہ اخوت ومحبت سے
ایکدوسرے کے ساتھ گرمجوشی سے معانقہ کیا۔ - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - اور ایکدوسرے کو عید مبارک کہی۔ اس کے بعد حاضرین

کو کھانا کھلایا گیا۔ مہمانوں میں نہ صرف مسلمان ہی تھے۔ بلکہ ہندو عیسائی پارسی اور سکھ بھی تھے۔ تناول طعام کا یہ سلسلہ ۳ بجے دوپہر تک جاری رہا۔ پھر اُن میں سے کثیر حصّہ تو چلا گیا۔ باقیماندہ میں سے جنہوں نے اس مسرت انگیز فضا میں اَور وقت گذارنا پسند کیا۔ اُن کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد گل دوست مسجد کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ کر چلے گئے۔ تاکہ شائقانِ مسجد آیندہ عید کیلئے اشتیاق کے ساتھ منتظر رہیں +

ذیل میں اُن معزز احباب کے اسماء گرامی دیئے جاتے ہیں۔ جو اس سعید تقریب میں شامل ہُوئے۔ عالیجناب ہز رائل ہائنس سفیر افغانستان۔ عالیجناب ہز ایکسیلنسی سفیر مصر۔ عالیجناب ہز ایکسیلنسی سی سو اسٹرسٹ سٹرائز پادشاہ عالیجناب ہز ایکسیلنسی حافظ شیخ وہبہ صاحب سفیر ابن سعود ۔ جناب خان ذوالفقار خان صاحب ۔ جناب ڈاکٹر زیدا صاحب ۔ جناب ڈاکٹر سلاما صاحب عالیجناب پرنس صادق آف منگرول ۔ عالیجناب پروفیسر لیون بمع اہلیہ صاحبہ ہندوستانی مصاحب ملک معظم ۔ عالیجناب لارڈ و لیڈی ہیڈلے صاحب بالقابہ جنابہ مسز بوکین ہملٹن +

نمبر۲

ایک تشنہ رُوح

ذیل میں ایک دلچسپ خط کا اقتباس دیا جاتا ہے "میں کیمبرج یونیورسٹی کا طالب علم ہوں ۔ فی الحال میرا کوئی مذہب نہیں ۔ کیونکہ ابھی چار ہی سال ہُوئے جبکہ میں ۱۵ برس کا تھا۔ کہ میں نے عیسائیت کو خیرباد کہ دیا۔ اُس وقت سے آج تک مجھے ایک گونہ اطمینان قلب حاصل ہے۔ اور رفتہ رفتہ مجھ میں یہ احساس ہوتا ہے کہ مذہب فلسفہ سے کئی گنا بڑھ کر ہے لیکن مذہب کونسا؟ مشرق نے ہمیشہ ہی مجھے مفتون کیا ہے لیکن بدھ مذہب کا یہ عقیدہ کہ دُنیا میں نرا دُکھ ہی دکھ ہے۔ اسلیئے اس سے کنارہ کشی ہی اختیار کرنی چاہئے کسی مشرقی مذہب کو قبول کرنے میں

میری روک کا موجب ہوتا رہا ہے لیکن جب میں نے اسلام کی طرف رجوع کیا۔ تو یہ مذہب مجھے ایک بلند اور پُر جلال نظر آیا۔ جو بہت سے ایشیائی مذاہب کی بیہودگیوں اور خامیوں سے بالاتر ہے۔ میرے لئے یہ زیادہ موزوں ہے۔ کہ میں کٹر عیسائیوں کے معاندانہ تبصروں کو پڑھنے کی بجائے اسلامی تعلیم سیکھنے کی فکر کروں۔ میں آپ کا ازحد ممنون ہونگا۔ اگر آپ مجھے چند ایک ایسی کتب کے مطالعہ کی سفارش کرینگے جنمیں غیر متعصبانہ تعلیم اسلام ہو" +

اس جویاء حق و صداقت کا نام نامی جون۔ آیچ۔ بیورس ہے۔ ان کا خط خالصتاً ایک مغربی قلب کی تصویر ہے۔ جو تہذیب حاضرہ سے معمور ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں یہ کہنا کیا کوئی مبالغہ آمیز بات ہے۔ کہ یورو پین احباب اس وقت آستانہ اسلام کے کٹر ٹا مک ٹوئیے مار رہے ہیں۔ سقان اسلام اٹھیں۔ اور اُن کی رُوحانی تشنگی کی تسکین کے سامان کریں۔ مسلم مشن ووکنگ کی طرف سے اسلامی لٹریچر یورپ میں جو مفت تقسیم ہوتا ہے۔ وہ عیسائیت کے بالمقابل بہت ہی قلیل مقدار میں تقسیم ہو رہا ہے۔ مسلم احباب اس کا فکر کریں +

مکتوب نمبر ۳

جناب مسٹر داؤد کوؤن آف ڈنڈی سکاٹلینڈ کا قبول اسلام

ذیل میں اس اعلان اسلام کو شائع کیا جاتا ہے۔ جو مسٹر داؤد کوؤن نو مسلم نے امام مسجد ووکنگ کو لکھا۔

جناب عالی! میں عیسائیت سے متنفر ہو کر اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ عیسائی کلیساء میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ایکدن میں مقامی دار المطالعہ میں بیٹھا اخباروں اور رسالوں کی چھان بین کر رہا تھا۔ کہ اتفاق سے رسالہ اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ میرے ہاتھ آیا۔ اس کے مطالعہ میں نے مجھے وہ چیز مل گئی۔ جس کا میں مدت مدید سے متلاشی تھا۔ یعنی میں ایک ایسے مذہب کا جویا تھا۔ جو بیہودۂ تثلیث

میں لپٹا ہوا نہ ہو۔ اور تثلیثی ڈھکوسلوں اور معموں سے بالاتر ہو۔ اس وقت سے میں نے اسلام اور حضرت نبی کریم صلعم کی سیرت پر بہت سی کتب کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ اسی اثناء میں میں نے جناب خواجہ کمال الدین صاحب کی انگریزی کتب

The Ideal Prophet

کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ دوران مطالعہ میں اسلام پر میرا ایمان مضبوط ہوتا گیا۔ اسلئے میں قبولیت اسلام کے فارم کی خانہ پری کر کے ارسال کرتا ہوں۔ میں فرانسیسی جرمنی جانتا ہوں۔ ہسپانوی زبان کی بھی کچھ شُد بُد ہے۔ اور خود ہی میں نے اپنے طور پر عربی کا بھی مطالعہ شروع کیا ہے'' +

واقعات بالا کی روشنی میں یورپ کی سرزمین میں اسلامی ادبیات کی کثرت سے وسیع پیمانہ پر مفت اشاعت از بس ضروری ہے۔ نور اسلام کی پہلی کرن تو مسلم موصوف پر رسالہ اسلامک ریویو کے ذریعہ ہی پڑی + خواجہ عبد الغنی

مکتوب نمبر ۴

ایک نکاح

۱۹۔ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء کو جناب مسٹر حاتم علی اور مس جنگ کی مسجد ووکنگ میں شادی ہوئی۔ مہر بیس پونڈ مقرر کیا گیا۔ جناب امام صاحب مسجد نے اس سعید تقریب کے جملہ فرائض کو سرانجام دیا۔ اور ایک چھوٹے سے خطبہ اور دُو لھا دلہن کے لئے دُعائیں کرتے ہوئے اس تقریب کو ختم کیا +

ایک پارٹی کو دعوت۔ اسی روز دوپہر کے وقت سیل برن سوسائٹی لندن کے رمبیل سیکشن کی ایک پارٹی مسجد ووکنگ میں آئی۔ جو بارہ اشخاص پر مشتمل تھی۔ انکی چاء سے تواضع کی گئی۔ یہ پارٹی مس رُوجرڈ مس ائین کی قیادت میں تھی جس نے ووکنگ والوں کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ اور لندن پہنچ کر امام صاحب مسجد ووکنگ کو ایک خط لکھا جس کے

اس نے لکھا۔ کہ میں محسوس کرتی ہوں۔ کہ ہم میں کچھ چیز ضرور مشترکہ ہے۔ قصہ مختصر کہ ہر ایک مذہب میں کچھ ایسی مشترکہ باتیں موجود ہیں۔ جہاں پر ہمارا اتحاد ہو سکتا ہے۔ اب جبکہ مجھے فرصت ملیگی۔ تو میں آپ کا قرآن شریف ضرور مطالعہ کرونگی۔ اور اسلام کے متعلق مزید معلومات بڑھانے کی کوشش کرونگی۔ میں آپکے حسن اخلاق سے میں بہت ہی متاثر ہوئی ہوں۔ اور یہ اعلےٰ اخلاق و مہمان نوازی ضرور قرآنی تعلیم کا ہی اثر ہے ✦

انڈین سوشیل کلب لندن میں امام مسجد ووکنگ کا لیکچر

۲۳ اپریل ۱۹۳۱ء کی شام کو انڈین سوشل کلب لندن نے فلورنس ہوٹل میں اسلئے عید کی دعوت مقرر کی تھا

- -

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ عید کے اس جام صحت کا جواب دیں۔ جسے مسٹر ساکلاٹلووالہ نے تجویز کرنا تھا۔ سر ڈنشا مٹھا۔ ہز ایکسلنسی حجاز ہز ایکسلنسی مصر منسٹر۔ لیڈی گندوالہ۔ مس برج لال نہرو۔ مسٹر حبیب اللہ لوگر و ایسی عظیم الشان ہستیاں اس موقعہ پر موجود تھیں۔ کلب مذکورہ اس مخلصانہ مساعی کیلئے مبارکباد کی مستحق ہے۔ جو وہ انگلستان میں رہنے والے مختلف ہندوستانی لوگوں کے درمیان برادرانہ اتحاد و خیالات کو پیدا کرنے کیلئے کوشش کرتی رہتی ہے۔ جناب ڈاکٹر سید محمدی صاحب اس مجلس کے روح رواں ہیں۔ یہ تقریب ہر پہلو سے کامیاب ثابت ہوئی۔ جناب مسٹر سکلاٹوالہ نے جام صحت تجویز کرتے ہوئے فصیح و بلیغ تقریر فرمائی۔ اور اس میں مصیبت زدہ مسلم دنیا سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ جس کے جواب میں جناب امام صاحب مسجد ووکنگ نے فرمایا کہ اس رات میں اس جگہ ایک ہندوستانی کی حیثیت میں کھڑا نہیں ہوں۔ بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت میں اور ساتھ ہی امام صاحب موصوف نے کلب مذکورہ کی روح عمل کی تعریف و توصیف کی۔ اور انہوں نے فرمایا۔ کہ اسلام کی تعلیم کا در اصل نچوڑ بھی بنی نوع انسان کے مختلف حصص کے درمیان امن صلح آشتی محبت پیار

سلامتی کی روح کو مستحکم کرنا ہی ہے۔ اسلام ایک امن و سلامتی مذہب ہے۔ اس کے پیام میں اتحاد اور محبت ہے +

مکتوب نمبر ۵

جناب مسٹر ہارلا ڈبن سن آف ٹپنی لندن کا اعلان اسلام

جناب مسٹر ہارلاڈ بن سن ہمارے دیرینہ دوست جناب مسٹر ڈی۔ ڈی اینڈرسن کے ایک دوست ہیں۔ مسٹر اینڈرسن موصوف نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے دوران قیام انگلستان میں اسلام قبول کیا تھا۔ جناب مسٹر اینڈرسن موصوف کے اندر قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں کا سا جذبۂ ایمان در روح اسلام موجزن ہے۔ وہ قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں کی طرح سفر و حضر ہر حالت میں تبلیغ اسلام کے فریضہ کو فراموش نہیں کرتے۔ اگر وہ کسی سے دوستی گانٹھتے ہیں۔ تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ دوستی کے ذریعہ ہی اس تک اسلام پہنچا دیں۔ اُن کے بیشمار دوستوں میں سے جنہیں وہ اپنے قبولیت اسلام کے بعد سے اسلام کی تلقین کر رہے تھے۔ جناب مسٹر ہارلاڈ۔ بن سن بھی ایک ہیں۔ مدّت مدید سے مسٹر ہارلا ڈ جناب امام صاحب مسجد ووکنگ کو ملنے اور اُن سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے متمنی تھے۔ چنانچہ گذشتہ اپریل جب وہ لندن میں تشریف لائے۔ تو انھیں یہ موقعہ میسر آگیا۔ اس کے بعد جلد ہی انھوں نے انگلستان چھوڑ دیا پھر میڈرڈ دارالخلافہ ہسپانیہ سے جو خط انھوں نے جناب امام صاحب موصوف کو لکھا۔ اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

مکرمی جناب امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان

جناب عالی! عریضہ ہذا کے ساتھ میں اعلان اسلام کا فارم منسلک کرتا ہوں۔ جو میرے پیارے دوست مسٹر ڈی۔ ڈی اینڈرسن آف پیرس نے مجھے یہاں بھیجا۔ میں تین دن تک انگلستان پہنچ جاؤں گا۔ میں کوشش کرونگا۔ کہ مسجد ووکنگ میں بھی پہنچوں۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ بعض اہم مصروفیتوں کی وجہ سے ان تاریخوں

میں نہیں وہاں نہ جاسکوں ۔اس لئے یہ ملاقات کسی اَور تاریخ کے لئے مجھے ملتوی کرنی پڑیگی ۔ واپسی پر میں رسالہ اسلامک ریویو کا چندہ ارسال کر دونگا!!

جناب مسٹر ہارلاڈ بن سن لندن کے باشندے ہیں ۔جو پٹنی میں رہتے ہیں +

(دستخط) آفتاب الدین احمد اسسٹنٹ امام مسجد ووکنگ انگلستان

مکتوب نمبر ۶

ذیل میں ایک ہندو دوست کی چٹھی بجنسہٖ درج کی جاتی ہے ۔جو اُنہوں نے جناب امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان کو ملایا سٹیٹ سے لکھی +

بخدمت جناب امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان

جناب عالی! اتفاقیہ مجھے دسمبر ۱۹۳۰ء کا رسالۂ اسلامک ریویو ملگیا ۔جو میری خوش قسمتی کا موجب ہوُا ۔میں نے اُس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھا ہے ۔اور حقیقت تو یہ ہے ۔کہ اسکے مطالعہ کے بعد ہی مجھے آپ کے مذہب کی اصل حقیقت اور صحیح واقعات کا علم ہُوا ہے ۔اس سے پیشتر اسلام مجھ تک نہ پہنچا تھا +

مَیں ایک غیر مسلم ہندوستانی ہندو ہوں ۔ ایام مدرسہ میں مَیں تھوڑا سا عیسائی مذہب کی طرف جھک گیا تھا ۔کیونکہ امریکن مشن سکول کے معلموں کے میں زیر اثر تھا ۔اور اُس وقت میری رائے تھی ۔کہ عیسائیت ہی دنیا میں بہترین مذہب ہے ۔لیکن مذہب اسلام کے متعلق جو دلائل قاطع میں نے آپکے رسالۂ اسلامک ریویو میں دیکھی ہیں ۔انھیں پڑھکر میں ششدر رہگیا ہوں ۔ وہ بُرہان ساطع نہ صرف صاف سیدھے اور سادہ ہی نہیں ۔بلکہ معقول اور وزنی بھی ہیں ۔ اگر آپ کا رسالہ اسلامک ریویو مجھے نہ ملتا ۔تو میں یقیناً جادۂ ہدایت سے بھٹک جاتا ۔اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ۔کہ میں دُنیا کی بہترین تعلیمات سے بیخبر اور بے بہرہ رہجاتا +

یہ امر باعث تکلیف و تاسف ہے ۔کہ مجھے ملایا میں ملائی مسلمانوں سے اسلام کے متعلق کوئی بھی ضروری مسائل و اطلاعات اور پیغمبر اعظم (حضرت محمد صلعم) کی تعلیمات کی تفصیل نہیں مل سکتیں ۔ وہ لوگ سمجھ ... کر تا انداز کرتے

ہیں۔ اس موقعہ پر میں آپ سے نبئ اعظم کی تعلیمات کی مکمل تفصیل حاصل کرنے کی استدعا کرتا ہوں۔ اُمید ہے۔ کہ آپ ایسا لٹریچر مجھے بھیج کر ممنون فرمائینگے جسمیں پیغمبر اعظم کے صحیح و مفصل حالات درج ہوں +

ضروری امور مستفرہ اور اس چٹھی کے جواب موصول ہونے پر میں آپ کے بیش بہا رسالہ کا خریدار ہونا چاہتا ہوں۔ اور اس کے قیمتی مضامین سے وقتاً فوقتاً مستفید ہونا پسند کرتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے۔ کہ اسلامی تعلیمات کو میں کما حقہٗ سمجھ سکوں +

آپ کا مخلص

دستخط پی رتنام (پھانگ)

(فیڈریٹیڈ ملایا سٹیٹ)

اس خط کے جواب میں ہندو بھائی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اور اُنھیں ایک چٹھی لکھ دی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی اسلام پر بہت سے ٹریکٹ اور رسالے بھی مفت بھیجے گئے ہیں +

(دستخط) آفتاب الدین احمد اسسٹنٹ امام مسجد ووکنگ

مکتوب نمبر ۷

جناب مسٹر ببرن جے۔ ایل چارلس وان ہیٹم آف ہیگ (ہالینڈ) کا ایک دلچسپ خط

ذیل میں اُس اقتباس کو درج کیا جاتا ہے۔ جو مسٹر چارلس وان کی ایک چٹھی سے لیا گیا ہے۔ جو اُنھوں نے امام صاحب مسجد ووکنگ کو لکھی ہے۔ اُمید ہے۔ کہ اقتباس مذکورہ ناظرین کرام کی دلچسپی و مسرت کا موجب ہوگا:۔

"چونکہ مجھے انگریزی زبان پر پوری قدرت حاصل نہیں۔ اور نہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ جرمن زبان جانتے ہیں۔ اس لئے میں جرمن میں آپ کو لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔ مجھے انگریزی ماہواری رسالہ اسلامک ریویو ملگیا ہے۔ جس کا شکریہ قبول فرمائیں۔ قابل افسوس امر تو یہ ہے۔ ڈچ زبان میں اس قسم کا کوئی بھی رسالہ نہیں۔ جس سے اس ملک کے باشندوں کو

اسلام کا مزید علم حاصل ہو سکے۔ اس معاملہ میں ہالینڈ نہایت ہی ناموزوں مقام پر واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اسلامی تہذیب و تمدن کا ذکر بمشکل ہی یہاں تک پہنچ سکتی ہے کیتھولک پادری صاحب جب کبھی مسلمانوں کا ذکر کرتا ہے۔ تو انھیں بے دین و کافر ہی کے نام سے یاد کرتا ہے میرے نزدیک اسلام ایک بلند پایہ کا مذہب ہے۔ نیز مذہب اسلام کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں اس ملک میں دائر و سائر ہیں۔ ان پر میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھنا چاہتا ہوں +

اگر قرین مصلحت ہو۔ تو کسی اچھے مسلم مقرر کا ان علاقوں میں اسلام پر لیکچر دیتے ہوئے دورہ کرتے چلے جانا۔ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اور اسی طرح قرآن کریم کا ڈچ ترجمہ بھی بہت ہی مفید ہوگا +

آپ کا مخلص دوست

(دستخط) چارلس۔ وان۔ بیٹم

جناب مسٹر جے لوئیس چارلس وان بیٹم آف ہیگ (ہالینڈ) جن کے خط کا اقتباس سطور بالا میں دیا گیا ہے۔ اس ہفتہ کی ڈاک میں انھوں نے اعلان اسلام بھی بھیج دیا ہے ان کا اعلان اسلام اور فوٹو رسالہ اسلامک ریویو کے کسی آئندہ نمبر میں شائع کیا جائیگا سے فی الحال وہ ہیگ کی مقامی اسلامی برادری میں شامل ہو گئے ہیں۔ ہیگ کے اکابران اسلام جناب ماس ایلبین جناب ماس ٹیمس۔ جناب سردار الیوم حاکم خاں۔ جناب حاجی اسمٰعیل صاحب ہیگ (ہالینڈ) سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"نومسلم بھائی کا نام محمد علیؓ رکھا گیا ہے۔ ہم جون ۱۹۳۱ء کو ہم اس اسم قبولیت اسلام کے اعزاز میں ایک عظیم الشان جلسہ کرینگے۔ ہمارے لئے از حد مسرت و تقویت کا موجب ہوگا۔ اگر آپ میں سے کوئی بزرگ اس سعید تقریب میں شامل ہو" +

کارکنان مفتی تو انکے اس ارشاد کی تعمیل سے قاصر ہیں یہاں ووکنگ میں بیٹھے ہی دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان سب احباب کے قلوب کو نور اسلام سے منور رکھے۔ جو اسلامی تہذیب و تمدن کے مرکز سے بہت دور ہیں +

اقتباس بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس وقت دنیا میں اسلامی لٹریچر کی کس قدر مانگ ہے +

(دستخط) آفتاب الدین احمد اسسٹنٹ امام مسجد ووکنگ

گوشوارہ آمد و خرچ دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ در انگلستان و ہندوستان بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

تفصیل آمد	نمبر شمار	پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر شمار	پائی	آنہ	روپیہ
		رقم آمد ہندوستان و انگلستان					رقم خرچ ہندوستان و انگلستان		
مشن اسلامک ریویو کتب	۱	۱۱	۲	۶۵۲۵	ووکنگ مسلم مشن اسلامک ریویو ۔ کتب خانہ در ہندوستان و انگلستان	۳	۸	۱۲	۶۷۹۲
سرمایہ محفوظ	۲	۰	۱۱	۷۲					
میزان	۰	۱۱	۱۳	۶۵۹۷	میزان	۰	۸	۱۲	۶۷۹۲

دستخط ۔ فنانشل سکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

نقشہ ۱ تفصیل آمد مسلم مشن ووکنگ اسلامک ریویو کتب خانہ در ہندوستان و انگلستان بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱ ۵/۳۱	۱	جناب میجر ایم اے جعفری صاحب آگرہ مشن	۰	۰	۱۰
؍؍	۲	؍؍ حمید اے خان صاحب رتنا گری ؍؍	۰	۰	۱۰
۲ ۵/۳۱	۳۱	؍؍ مرزا عبدالحق صاحب لاہور ؍؍	۰	۴	۰
؍؍	۳۲	؍؍ ایم وارث خان صاحب ؍؍ ؍؍	۰	۴	۰
؍؍	۳۳	؍؍ امانت محمد صاحب ؍؍ ؍؍	۰	۴	۰
؍؍	۳۴	؍؍ محمد امین صاحب ؍؍ ؍؍	۰	۴	۰
؍؍	۳۵	؍؍ چودھری محمد عبداللہ صاحب ملتان مفت تقسیم ریویو	۰	۰	۱۵
۵ ۵/۳۱	۴۲	حضرت خواجہ کمال الدین صاحب لاہور نمائندہ بیرون مشن	۰	۰	۲۰
	۴۳	جنابہ فاطمہ بی بی صاحبہ لاہور مشن	۰	۰	۱
؍؍	۴۴	جناب غلام محمد صاحب لاہور ؍؍	۰	۰	۱۵
۵/۳۱	۴۵	؍؍ ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور ؍؍	۰	۰	۱۰
	۴۶	؍؍ عبدالحق صاحب گجرات ؍؍	۰	۰	۵
۶ ۵/۳۱	۴۷	؍؍ قاضی منہاج الدین صاحب علی گڑھ مشن	۰	۰	۱۰
؍؍	۴۸	؍؍ فضل الدین احمد صاحب اکرویہ ؍؍	۰	۰	۲۰
۷ ۵/۳۱	۶۰	؍؍ سید امجد علی صاحب (چندہ بابت ۵ ماہ)	۰	۰	۶
؍؍	۶۱	؍؍ محمد جان صاحب جھنگ ؍؍	۰	۰	۵
۸ ۵/۳۱	۶۲	؍؍ ڈاکٹر ایم ای صدیقی صاحب کلکتہ ۵ نمائندہ مشن پیپر ریویو	۰	۰	۲۰
۹ ۵/۳۱	۶۸	حضور نواب صاحب بہادر منگرول	۰	۰	۹۹
۱۲ ۵/۳۱	۷۲	جناب کرم الٰہی صاحب قریشی ہوشیارپور مشن	۰	۰	۵
؍؍	۷۳	؍؍ کے ایچ [illegible] صاحب [illegible] ؍؍	۰	۰	۲
۱۳ ۵/۳۱	۷۵	؍؍ فاطمہ بی بی صاحبہ لاہور ؍؍	۰	۰	۱
؍؍	۸۱	جناب عبدالشہید صاحب [illegible] فروخت کتب	۰	۰	۶
۵/[illegible]	[illegible]	؍؍ خواجہ عبدالغنی [illegible] مشن	[illegible]	[illegible]	[illegible]

تاریخ	کوپن نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
	۸۲	جناب قاضی عبدالحلیم صاحب منٹگمری مشن	۰	۶	۳
	۸۳	؍؍ ایم اے سبحان صاحب آرہ مفت تقسیم ریویو	۰	۰	۵
۱۵ ۵/۳۱	۸۵	؍؍ مشتاق محمد صاحب بھوپال مشن	۰	۸	۸
		؍؍ ڈاکٹر امین اکبر صاحب پانگڈی	۰	۰	۲
	۸۸	ٹکٹ موصولہ - - -	۰	۱	۰
	۸۹	جناب کے ایس عبدالحلیم صاحب [illegible] مشن	۰	۰	۶
	۹۲	؍؍ ملک محمد علی صاحب بلوچستان ؍؍	۰	۰	۱۰
۱۹ ۵/۳۱	۹۷	؍؍ عباد اللہ خان صاحب برار ؍؍	۰	۰	۴۸
؍؍	۹۸	؍؍ محمد ارشاد علی صاحب عدن کیمپ ؍؍	۰	۰	۵
؍؍	۹۹	؍؍ صوبیدار عبدالقادر صاحب بنگال ؍؍	۰	۰	۳۰
۲۱ ۵/۳۱	۱۰۰	؍؍ غلام محمد صاحب ۔ لاہور	۰	۴	۰
	۱۰۲	محمد امیر حسن صاحب کاکوری لکھنؤ مشن	۰	۰	۱
۲۲ ۵/۳۱	۱۰۵	وی پی پیشگی از مولوی آفتاب الدین احمد صاحب (دیکھو بل نمبر ۲۱۴)	۷	۴	۱۰۰۹
		ماہانہ اقساط بحساب وی پی پیشگی بابت جنوری تا مارچ ۱۹۳۱ء (دیکھو بل نمبر ۲۱۹) از مولوی آفتاب الدین احمد صاحب	۰	۰	۱۷۰
	۱۰۶	وی پی پیشگی از جناب امام صاحب مسجد ووکنگ (دیکھو بل نمبر ۲۱۵)		۵	۲۰۳۵
	؍؍	اخراجات ووکنگ بابت ماہ مارچ ۱۹۳۱ء	۴	۸	۹۷۵
	؍؍	وی پی پیشگی از امام صاحب مسجد ووکنگ (دیکھو بل نمبر ۲۲۹)	۰	۲	۱۳۴۹
۲۶ ۵/۳۱	۱۱۱	جناب چودھری غلام احمد صاحب [illegible] مشن - -	۰	۰	۵
	۱۱۴	؍؍ ایم عمر ضیا خان صاحب کلکتہ [illegible]	۰	۰	۲۰
		؍؍ سیدہ طاہرہ بی بی صاحبہ بیر بھوم مشن	۰	۰	۲
		حضور نواب صاحب بہادر بھوپال مفت تقسیم ریویو	۰	۰	۵۰
		[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]

اسلام میں امامت

ذیل میں اس انگریزی چٹھی کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین کرام کیا جاتا ہے۔ جو جناب سکرٹری صاحب مسلم مشن ووکنگ نے موضوع بالا پر جناب مدیر صاحب اخبار دی سٹار الہ آباد کو لکھی۔ جو مورخہ ۲۲ جون ۱۹۳۱ء کے سٹار میں شائع ہوئی ہے +

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب دی سٹار الہ آباد

جناب عالی! آپ کے گرامی اخبار کی گذشتہ ماہ کی اشاعت میں آپ کے ایک نامہ نگار نے "اخبار و آراء" کے کالم میں موضوع بالا پر ایک موزوں و برجستہ ریمارک کیا۔ جس میں انہوں نے ظاہر کیا۔ کہ لندن نظامیہ مسجد کی امامت کسی خاص فرقہ اسلام تک مختص نہ ہونی چاہئے۔ حال ہی میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی مسلم مشن ووکنگ نے انگلستان میں ایک چٹھی اپنے دوست کو لکھی ہے جس میں سے میں نے حضرت ممدوح کی اجازت سے برادران اسلام کی عامہ واقفیت و اطلاع کے لئے ذیل کا اقتباس لیا ہے۔ اقتباسِ مذکورہ "اسلام میں امامت" کے مسئلہ کو اصلی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے۔ ہم تو اُس دن کو روتے ہیں جس دن کہ فرقی بیہودگیاں و اُلجھنیں اسلام میں راہ پا گئیں۔ اور وہ دن ہمارے لئے از حد مسرت و شادمانی کا ہوگا۔ جب ہم من حیث القوم ان فرقی جھمیلوں سے آزاد ہو جائینگے۔ اور ہم میں سے فرقی تنگ دلی و تنگ ظرفی کا قطعی طور سے قلع قمع ہو جائیگا +

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب فرقی مناقشات و تنازعات کی بیخکنی کے دلخراش موضوع پر بڑی جرأت و دلیری سے مسلسل سنہ ۱۹۲۰ء سے لکھ رہے ہیں۔ ان کا ایمانِ کامل ہے۔ کہ "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں"۔ اور اسی محکم ایمان کی وہ رات دن تلقین فرما رہے ہیں۔ ہم من حیث القوم اسلام کی بڑی بھاری خدمت انجام دینگے۔ اگر ہم اس اصول پر عمل پیرا ہونگے۔ کہ "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں"۔ اس

محکم اصول پر عمل پیرا ہونے سے آپس میں کے فروعی اختلافات تشتت و افتراق دُور ہو جائیگا۔ اور ہم سب نام نہاد فرقہائے اسلام کے مسلمان یکجان ہو جائینگے۔

خادم

خواجہ عبد الغنی سکرٹری ووکنگ مسلم مشن عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

اقتباس از مکتوب حضرت خواجہ کمال الدین جو انہوں نے ایک دوست کو لندن میں لکھا*

نماز کی ادائیگی کے متعلق یہ عرض ہے۔ کہ میں کسی ایک فرقہ کے امام کی اقتدا میں نماز ادا کروں گا۔ اس مسئلہ میں نام نہاد فرقہائے اسلام کبھی بھی میرے سنگ راہ نہیں ہوئے۔ البتہ میں کسی ایسے شخص کی اقتدا میں ہرگز نماز نہ پڑھونگا جو دوسرے مسلمان بھائیوں کو کافر کہتا ہو اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہو۔ میرا محکم ایمان ہے۔ کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اور امامت کرا سکتا ہے۔ اور اُس کی اقتدا میں۔ میں نماز ادا کر سکتا ہوں بشرطیکہ اُس کا چلن نیک ہو۔ اور کسی کلمہ گو کافر نہ کہتا ہو۔ خواہ وہ کسی فرقہ اسلام سے تعلق رکھتا ہو۔ جو کوئی بھی مسجد ووکنگ میں فرائض تبلیغ انجام دیتا ہے...... نماز کے مسئلہ میں اس کا بھی یہی ایمان و مسلک ہے۔

میری طویل علالت طبع نے مجھے بہت سے سبق دیئے ہیں مسجد ووکنگ کے تبلیغی فرائض روز افزوں ترقی پر ہیں۔ اور اپنی نوعیت میں گوناگوں ہیں میں اشتیاق بھری نگاہوں سے چشم براہ ہوں۔ کہ جلدی سے لندن نظامیہ مسجد عمارت کی تکمیل ہو اور اس مسجد مبارک کے امام صاحب کم از کم لندن کے متعلقہ فرائض تبلیغ سے تو ہمیں سبکدوش کریں۔ اور امام مسجد ووکنگ کے تبلیغی بارگران کو ہلکا کریں۔ کیونکہ امام مسجد ووکنگ کیلئے یہ امر ناممکن ہوگا۔ کہ مسجد ووکنگ کے تبلیغی فرائض کے ساتھ ساتھ لندن

---

* یہ عبارت حضرت خواجہ صاحب کے انگریزی خط سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔ سکرٹری۔

نظامیہ مسجد کے فرائض کو بھی سرانجام دے سکے +

اس میں شک نہیں کہ انتخاب امامت بتقصب ایک اہم و سنجیدہ مسئلہ ہے اگرچہ فرقہ کا سوال اسلام میں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن تاہم دنیائے اسلام کی اکثر دینی امور میں حنفی شریعت و معتقدات کی پابند ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ لندن نظامیہ مسجد کا امام حنفی ہو۔ لیکن اس انتخاب امامت میں اصل چیز جو دیکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجوزہ امام کی علمی استعداد و تبحر کیا ہے۔ کیونکہ میں مجوزہ مسجد نظامیہ لندن کو کل یورپ میں مشعل اسلام دیکھنے کا متمنی ہوں۔ اور مسجد مذکورہ کا امام نہ صرف اسلام سے ہی باخبر ہونا چاہئے۔ بلکہ خیالات علوم جدیدہ تہذیب حاضرہ۔ موجودہ تمدن و تہذیب یورپ سے اسے کلی طور پر بہرہ ور ہونا چاہئے

خادم

(دستخط) خواجہ کمال الدین (بانئے مسلم مشن ووکنگ انگلستان)

عالی مرتبہ شہزادگان دکن شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں*

برطانیہ عظمیٰ کی مسلم سوسائٹی نے مورخہ ۷ جون ۱۹۳۱ء بروز اتوار شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں چار بجے شام کو عالیمرتبہ عالیجناب شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر اور عالیجناب نواب معظم جاہ بہادر شہزادگان اعلحضرت ہزائگزالٹیڈ ہائینس خسرو دکن کی اعزاز میں ایک شاندار "ایٹ ہوم" دیا۔ اس سعید تقریب سے ایک روز پیشتر موسم بہت خراب تھا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ حفظ ماتقدم کے لئے خیمے نصب کر دیئے گئے۔ اگر بوندا باندی شروع ہو جاتی۔ تو مشکل ہی تمام مہمان آسانی سے خیموں میں سما سکتے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ وقت مقررہ سے نصف گھنٹہ پیشتر تقریب میں شامل ہونے والے احباب کے اطمینان خاطر کے لئے بارش یکایک تھم گئی۔ ٹھیک چار بجے شام کو شہزادگان عالی مرتبہ کی ذی شان موٹریں مسجد ووکنگ میں پہنچ گئیں +

---

* اس چٹھی کی اردو عبارت مترجم کی ہے۔ سکرٹری

کارکنانِ و متعلقین ووکنگ شہزادگان کی تشریف آوری سے پیشتر مشوش تھے
کیونکہ چند یوم پیشتر بعض مفسدہ پردازوں نے شہزادگان موصوف
تک یہ جھوٹی خبر پہنچادی تھی۔ کہ مسجد ووکنگ قادیانیوں کی ہے۔ اس
غلط خبر سے جیسا کہ شہزادگان ممدوح کے سکرٹری صاحب نے ہمارے ایک
معزز دوست سے ذکر کیا۔ شہزادگانِ بلند مرتبہ کچھ متامل سے ہو گئے
اور مجوزہ تقریب میں انھوں نے شامل ہونا منسوخ کر دیا ہوتا۔ اگر ہمارے
محترم و مکرم دوست (جن کا نام عالیجناب کنور شیخ محمد صادق صاحب بہادر آف
ریاست منگرول ہے) نے اُن تک اصل حالات و واقعات نہ پہنچائے ہوتے۔
کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ کہ مشن ووکنگ کو یورپ میں تبلیغ کا کام
کرتے ہوئے آج اُنیسواں سال گذر رہا ہے۔ لیکن اس کا تبلیغی مسلک
ابھی تک عامہ نگاہ میں مستور ہے۔ حالانکہ اپنی نوعیت میں یورپ میں
یہی ایک غیر فرقی ادارہ ہے۔ جسے کسی فرقہ اسلام سے قطعاً کوئی
تعلق نہیں۔ جس کا نظم و نسق ایک غیر فرقی بورڈ کے ہاتھ میں ہے۔ جسکے
ٹرسٹیز مختلف فرقہ ہائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں +

اس کے برعکس لندن میں ایک قادیانی ادارہ بھی ہے۔ جو فرقی
مزخرفات کی مکروہ شکل ہے۔ جس کا رات دن کام لندن کی فضا کو
جو فرقہ بازی کی وجہ سے عیسائیت سے متنفر ہو رہی ہے۔ اپنے بدبودار
لٹریچر سے متعفن کرتا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ یہ فرقی
تنازعات کا متحمل نہیں۔ لیکن قادیانی حضرات لندن میں بیٹھ کر
اپنے ملحدانہ خیالات کی تشہیر کر کے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے
کہ معاندان اسلام سے بڑھ کر انگلستان میں خود اپنے دوست و بھائی بند ہی
مفاد اسلام کے دشمن ہیں +

بہرحال حق و صداقت چھپا نہیں رہتا۔ صداقت اپنے وقت مقررہ پر کھل گئی

شہزادگان عالیمقام نے عین وقت مقررہ پر اپنی تشریف آوری سے اپنے برطانوی وغیر برطانوی مسلم بھائیوں کو مفتخر فرمایا۔ جو کہ دو پہر کے وقت ان کے لئے مسجد ووکنگ میں جمع ہوئے تھے۔ اور شہزادگان عالی مرتبہ کو اپنے درمیان دیکھنے کیلئے چشم براہ تھے +

پہلے تو انھیں سر سالار جنگ میموریل ہوس میں بٹھایا گیا۔ نصف گھنٹہ تو جناب امام صاحب مسجد ووکنگ نے حاضرین جلسہ کے اخوان وخواتین سے متعارف کرانے میں صرف کیا۔ اس کے بعد شاہزادگان مع جملہ حاضرین جلسہ کے کھلے میدان کی طرف گئے۔ جہاں امام صاحب مسجد ووکنگ نے اس سعید تقریب کا سورہ فاتحہ سے افتتاح فرمایا۔ لارڈ ہیڈلے بالقابہ برطانیہ عظمےٰ کی مسلم سوسائٹی کے صدر نے خیر مقدم کا ایڈرس پڑھا۔ جس کے بعد لندن نظامیہ مسجد ٹرسٹ کی رپورٹ پڑھی گئی۔ سپاسنامہ کے دوران میں عالیجناب لارڈ صاحب موصوف نے ہز ایکسزالٹیڈ ہائنس نظام دکن کے اس الطاف خسروانہ کی طرف اشارہ کیا۔ جس سے سرکار دکن نے برطانیہ عظمےٰ کے صدر کو دوران قیام دکن میں سرفراز فرمایا۔ نیز لارڈ صاحب ممدوح نے اس دوران میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانئے مسلم مشن ووکنگ کا بھی ذکر فرمایا۔ اور دلی اشتیاق ظاہر فرمایا۔ کہ مجوزہ مسجد نظامیہ لندن کی رسم افتتاح پر خدا کرے۔ کہ سرکار دکن بنفس نفیس اس وقت لندن میں موجود ہوں +

اس کے بعد عالیجناب شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر تالیوں کی گونج میں اٹھے تاکہ سپاسنامہ کے جواب میں چند الفاظ کہیں۔ آپ نے مسلم سوسائٹی لندن کی گرمجوشی۔ محبت ومہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اور ان کے پیام کو سرکار والا مدار شاہ دکن تک پہنچانے کا وعدہ فرمایا +

جناب صدر کی استدعا پر تمام کا تمام مجمع فوٹو کے لئے کھلے میدان میں نکل آیا آخر میں مہمانوں کی چاء سے تواضع کی گئی۔ اس کے بعد تقریباً چھ بجے شام شہزادگان

عالی جناب مسجد سے تشریف لے گئے۔ پھر اُن کے بعد تمام کا تمام مجمع آہستہ آہستہ چلا گیا +

عالیجناب پرنس اعظم جاہ و عالیجناب صاحبزادہ پرنس معظم جاہ صاحب نے لنڈن جانے سے بیشتر مسلمان سپاہیوں کے مدفن کو ملاحظہ فرمایا۔ جہاں کرنل نواب سر محمد علی بیگ افسر الملک کے فرزند دلبند سوئے پڑے ہیں +

خدا کے فضل و کرم و احسان سے یہ سعید تقریب ہر رنگ میں ایک بڑی کامیاب تھی۔ جن احباب نے اس میں شرکت کی۔ اُن کی تعداد دو صد تھی۔ جن میں ذیل کے نام نامی قابل تذکرہ ہیں :۔

عالیجناب پرنس علی خان فرزندارجمند عالیجناب ہز ہائینس سر آغا خان صاحب حجاز کا قونسلر۔ افغان کا قونسلر۔ منسٹر عراق۔ لیڈی بلوم فیلڈ۔ لارڈ اینڈ لیڈی ہیڈلے بالقابہ۔ نواب عثمان یار الدولہ۔ نواب نصیر نواز الدولہ بہادر مسز ایچ بوکینن ہملٹن۔ ڈاکٹر عبدالمجید شاہ۔ ڈاکٹر امیر عالم خاں۔ پروفیسر اینڈ میڈم لیون۔ نواب مظفر خان صاحب پنجاب پبلسٹی آفیسر نواب محمد حیات خاں صاحب کمشنر لاہور ڈویژن۔ پروفیسر اور میڈم شاستری۔ مسز لوگرو۔ میڈم اے۔ عزت پاشا۔ البعید۔ مسز وایٹ سالوئے

کنور شیخ محمد صادق صاحب بہادر آفتاب الدین احمد

نائب امام مسجد ووکنگ۔ انگلستان

مکتوبات

مندرجہ ذیل ووکنگ کا مکتوب خاص دلچسپی سے پڑھا جائیگا :۔

۱۸ مارچ ۱۹۳۱ء محترمی مدیر صاحب اسلامک ریویو دی ماسک ووکنگ

جناب بندہ!

ہماری توجہ آپ کے بیان مطبوعہ اسلامک ریویو دسمبر ۱۹۳۰ء کی طرف مبذول کرائی گئی ہے

یہ بیان مضمون معنونہ "قرآن ما فوق الفطرت ہے" میں ہے جسمیں آپ نے نظارۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا) کی جدید چودھویں اشاعت کے بعض مضامین پر تنقید کی ہے۔ بیان اس باب میں ہے۔ کہ آنجہانی مسٹر ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ (مصنف پریچنگ آف اسلام) کا اپنا نام بحیثیت یکے از مدیران نظارۃ المعارف برطانیہ) پیش فرمانا۔ ایک غیر مطمئن کن امر ہے"۔

متوفی سر آرنلڈ نے اپنا نام پیش ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ ایک مدیر تھے۔ اور آپ نے نہ صرف محمد۔ قرآن اور اسلام کے عنوانات پر خامہ فرسائی کی ذمہ داری قبول کی۔ بلکہ آپنے آخر الذکر دو عنوانات پر اپنے خیالات قلمبند بھی فرمائے آپ کے مضمون نگار ۳۰۔ اپریل ۱۹۳۰ء سے اس حقیقت سے آگاہ تھے ٭

اب چونکہ سر آرنلڈ عالم جاودانی کو سدھار چکے ہیں۔ اسلئے ہم ان نکات کو مزید غور کیلئے اُن کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ جن کی طرف آپ کے مضمون نگار نے ملتفت کیا ہے۔ تاہم ہمیں اپنے مضمون نگار اور مستند فاضل ہونے کا کامل یقین ہے۔ اور اس کی ذات پر پورا اعتماد ہے ٭

آپ کا نیاز مند منیجر

ڈبلیو۔ جی۔ فرانکس دی انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کمپنی لمیٹڈ

جواب

ووکنگ

۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء

محترمی!

آپ کا مکتوب گرامی مورخہ ۸ ماہ حال وصول ہوا جسمیں آپنے نظارۃ المعارف برطانیہ میں مضمون متعلقہ اسلام پر ہماری تنقید کا ذکر کیا ہے میں مانتا ہوں کہ آپنے اپنے مکتوب میں ہمیں جواب دینے کی دعوت نہیں دی۔ تاہم میں اس امر کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ آپکے مکتوبات کے آخری پارہ کی طرف آپ کی توجہ منعطف کراؤں ٭

آپ غالباً متوفی سر آرنلڈ کی فضیلت علمی کو مستند اور قابلِ اعتماد گردانیے میں

بہت حق بجانب ہیں۔ اور ہم اس کے خلاف آپ سے توقع بھی نہیں رکھ سکتے۔ اس خصوص میں ہمیں آپ سے کوئی اختلاف نہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ متوفی آرنلڈ ایک فاضل بزرگ تھے ہمیں صرف ان خیالات سے اختلاف ہے۔ جن کا آپنے اسلام کے متعلق اظہار کیا ہے +

ہم صرف اس نکتہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ کیوں آپ اسلام کے متعلق کچھ لکھنے یا مشورہ دینے کی دعوت ان کو نہیں دیتے۔ جو اس خدمت کو مغربی مستشرقین سے بہتر طریق پر انجام دے سکتے ہیں۔ کیا آپنے اپنے انسائیکلوپیڈیا کے لئے عیسائیت پر کچھ لکھنے کی کسی مسلمان کو دعوت دی ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ آپ ایک عیسائی کو اسلام پر لکھنے کی دعوت دیتے ہیں؟ مستشرقین یورپ کا اسلام کے باب میں بے لوث خیالات کا اظہار کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے کہ عام یوروپین کی عام ازیں کہ وہ فاضل ہو یا غیر فاضل ذہنی تربیت روایاتی اور مذہبی نفرت کے تاثرات سے مُبرّا نہیں ہو سکتی۔ ہم بھی آپ کی مانند اپنے خیالات کی صحت و ثقاہت پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ اور مسلم فضلاء و علماء کو ثقہ اور مستند جانتے ہیں۔ اور ہمیں اُمید ہے کہ ہم ان تمام ایسے تخیلات کا ابطال کرینگے۔ جن کو آپ کی مہتم بالشان کتاب کے صفحات پر بھی بکھیرا جا رہا ہے۔ اور ان کی اشاعت کی جا رہی ہے +

آپ کا ارادت کیش مدیر اسلامک ریویو

مسلم مشن ووکنگ کا مکتوب نمبر ۱

ڈنمارک کا ایک مشہور و معروف اخبار نویس

جناب مسٹر کنود ھالمبو احمد علی صاحب کی مختصر سوانح حیات اور انکی قبولیت اسلام اور ایک جوش مسلمان ہو ذیل کی چٹھی انگریزی میں جناب مسٹر کنود ھالمبو نے جناب امام صاحب مسجد ووکنگ کو لکھی۔ جس کا اُردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرام کیا جاتا ہے +

۴ - اپریل ۱۹۳۶ء

از ہارسنس - ڈنمارک

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ

پیارے جناب! آپ کے گرامی نامہ کا شکریہ - یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے کہ آپ کی وساطت سے انگلستان میں اسلامی تحریک سے میرا تعلق ہو گیا - آپ نے مجھ سے میرے حالات میرا مشرب و ملت دریافت کیا ہے - جسے میں آپ کی اطلاع کیلئے ذیل میں تحریر کرتا ہوں :-

میں ۱۹۰۲ء میں ہارسنس میں پیدا ہوا - ۱۹۲۰ء میں میں اخباروں کا نامہ نگار بن گیا اور بہت سے نامی گرامی ڈنیش اخبارات کیلئے میں نے سفر کئے - اول اول تو مختلف یوروپین ممالک میں گیا - ۱۹۲۴ء کے بعد ایشیائی ممالک کا رخ کیا - ۲۵-۱۹۲۴ء جنگ ریف کے دوران میں میں سال بھر کیلئے مراکش میں ٹھیرا - مسلم فضا سے میں بہت متاثر ہوا - ان کے اخلاق و عادات میرے دل میں گھر کر گئے اور اس وقت سے ہی اسلامی تمدن و تہذیب سے مجھے ہمدردی ہو گئی ۔

کچھ عرصہ تک میں نے کوپن ہاگن میں ایک خبر رساں ایجنسی کھول رکھی تھی - اسکے ساتھ ایک ہفتہ واری باتصویر اخبار جاری کیا ہوا تھا - جسکا نام "ہم اور دنیا" تھا - ۱۹۲۷ء میں میں نے ہمبرگ (جرمنی) اسمرنا - یروشلم (القدس) دمشق بغداد اصفہان کا سفر کیا - طہران سے میں ڈنمارک واپس لوٹا - ۱۹۲۸ء میں میں سال بھر کیلئے پھر مراکش کی طرف گیا وہاں پہنچکر میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا - جو دسمبر ۱۹۲۹ء میں میں نے کر دیا لیکن انتظام میں نے کر لیا کہ میری قبولیت اسلام کا اس وقت تک اعلان نہ ہو - جبتک کہ میں شمالی افریقہ کا سفر نہ کر لوں اور جس سفر کی اصلی غرض اسلام کا کماحقہ مطالعہ تھا ۔

جنوری ۱۹۳۰ء سے اکتوبر ۱۹۳۳ء تک میں نے مراکش جنوبی الجیریا ٹیونس طرابلس اور مصر کا سفر کیا - مسلمان ہونے کی وجہ سے میں سرینیکا میں تکالیف میں مبتلا ہو گیا - چونکہ سنوسی فرقہ سے مجھے ہمدردی تھی اس لئے وہاں کے اطالویوں نے مجھے گرفتار کر دیا - چونکہ اطالویوں نے طرابلس اور سرینیکا کے بعض مقامات پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا میں نے پبلک جلسہ میں انکے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جس پر انہوں نے مجھے گرفتار کر کے مقید کر دیا - آخرکار نومبر ۱۹۳۴ء میں میں رہا ہو کر واپس ڈنمارک پہنچا -

دسمبر ۱۹۳۴ء میں میں نے ڈنمارک پہنچکر ڈنمارک کے سب سے بڑے اخبار "پولیٹیکن" میں ایک بسیط مضمون لکھا جس کا

موضوع کہ میں نے کیوں اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد مختلف ڈینش اور سکینڈے نیوی اخبارات میں اسی موضوع پر میرے مضامین شائع ہوتے رہے۔ اسی ماہ کے اندر اندر میری ایک تصنیف شائع ہو جائیگی جس میں لکھا ہے کہ شمالی افریقہ میں اہل یورپ کا پستیاں ڈالنا اسلام کیلئے ایک حصن حصین ہے۔ تصنیف مذکورہ انگریزی میں بھی بالضرور شائع ہوگی۔ جوں ہی کہ یہ ڈینش میں شائع ہو جائیگی۔ اسکی ایک کاپی آپ کی خدمت میں ضرور بھیجدونگا۔ تصنیف مذکورہ ہمارے چوٹی کے اخبار "پلیٹکن تورلاگ" میں بھی شائع ہوگی۔ مئی کے اوائل ایام میں میں ایکدفعہ پھر دمشق جاؤنگا۔ جہاں پر میں ڈنمارک کے اخباروں کیلئے بہت سی کتب اور مضامین لکھونگا +

آپ نے مجھ سے میرے معتقدات کے متعلق پوچھا ہے۔ نماز میں تو میں سُنّی روایات کا پابند ہوں لیکن مجھے اُس تصوف سے گہری دلچسپی ہے۔ جیسے امام غزالی۔ شیخ سنوسی۔ اور نکیر کے امیر اور ولین نے پیش کیا ہے۔ بہرحال یہ فروعی امور ہیں انھیں اصل اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ذوقی مسائل ہیں اصل حقیقت تو یہ ہے۔ کہ پکا مسلمان ہوں۔ اسلام پر میرا کامل ایمان ہے۔ اور یہی مذہب میرے نزدیک اس پُر آشوب زمانہ میں دُنیا کو آلام و مصائب سے مخلصی دلا سکتا ہے۔ اس وقت سے انشاء اللہ میری آیندہ زندگی اسی مذہب کی جد و جہد میں بسر ہوگی +

میرا ارادہ ہے۔ کہ کچھ عرصہ دمشق میں قیام کرکے سال آیندہ حج کروں۔ اگر آپ اس جگہ میری کچھ امداد فرما سکیں۔ تو میں آپ کا مشکور ہوں گا۔ میری شخصیت کے متعلق اگر آپ کو کچھ دریافت کرنا ہو تو میرے قانونی مشیر پول شلیٹر۔ کوپن ہاگن سے دریافت فرمالیں +

میں انگلستان میں اشاعت اسلام کی تحریک کے ساتھ ذاتی تعلقات پیدا کرکے بہت مسرور ہوا ہوں۔ ڈنمارک میں بھی اگر ایسی ہی تحریک کا اجرا ہو جائے۔ تو میری مسرت کا موجب ہوگا۔ میرا پختہ یقین ہے۔ کہ ڈنمارک میں اسلام کے پھیلنے کے بہت سے مواقع ہیں۔ کیونکہ وہاں کی مذہبی فضا اسلام کے حق میں اچھی ہے۔ اور ذاتی طور پر بھی اس جگہ مجھے کوئی رُکاوٹ نظر نہیں آتی +

آپ کا مخلص بھائی

کنود ھالبیو ۔ احمد علی

اشاعت اسلام

مندرجہ بالا خط ظاہر کرتا ہے۔ کہ کس طرح نور اسلام نے شمالی طبقہ کے تاریک اُفق پر ضو فشانی کی ہے ذرا اہل ڈنمارک سویڈن و ہالینڈ کے باشندوں کو اپنے تصور میں لائیں۔ جو ابھی تک سے تو ہم مسلمان آشنا نہیں ان واقعات و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ربانی طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے خود بخود ان لوگوں کے قلوب عجلت کے ساتھ اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ منشاء ایزدی ہی یہ مرحلے ہو چکا ہے اور انشاء اللہ ہو کر رہیگا۔ مسلمانوں کی حالت جب کبھی بھی ناگفتہ بہ ہوئی ہے۔ تو اسلام ہی نے انھیں آن کر بچایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ مسلمانوں نے کبھی بھی اسلام کو نہیں بچایا لیکن بحیثیت مسلم جو فرائض ہمارے ذمہ عاید ہوتے ہیں۔ کیا ہم انہیں امانت و دیانت سے سرانجام دے رہے ہیں۔ کیا ہم نے صدیوں بھر کے تساہل و غفلت سہل انگاری کی تلافی اسلام کی اعلیٰ عظیم الشان قربانیاں کرکے کی ہے +

آؤ آج ہم اس کا اپنے اپنے اعمال سے محاسبہ کریں + خواجہ عبد الغنی سکرٹری

شاہجہان مسجد ووکنگ انگلستان میں دو معزز زائرین

سرکار دولتمدار اعلیٰ حضرت حضور نواب صاحب بہادر ریاست بہاولپور انگلستان میں رونق افروز ہیں سرکار والاتبار کے دو نمایاں ہمراہی عالیجناب میجر مقبول حسین صاحب و عالیجناب لفٹننٹ مہر علی صاحب مسجد ووکنگ دیکھنے کے لئے تشریف لائے +

قلت گنجائش کی وجہ سے اُن کے تاثرات کا اظہار آیندہ نمبر کی اشاعت کیلئے ملتوی رکھا جاتا ہے +

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہب اور وطنیت

بد قسمتی سے جب کبھی کوئی ناتراشیدہ قوم اپنی تہذیب سے محروم شدہ کسی مہذّب متمدّن قوم کے زیر اثر آجاتی ہے۔ اور اُن میں باہم تعلّقات پیدا ہو جاتے ہیں، تو وہ قوم غیر معقول طور پر بھی مہذّب قوم کی نقل کرنی شروع کر دیتی ہے۔ حالانکہ ہر جگہ اور ہر قوم کے مقامی حالات ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ اِن حالات کا تو لحاظ نہیں کیا جاتا لیکن ایک قوم کی شوکت، اُس کی بہبود، اُن کی قوّت دوسروں کی آنکھوں کو چندھیا کر اُن میں غلامانہ طور پر نقل کرنے کی ذہنیت پیدا کر دیتی ہے۔ یہی حالت اس وقت ہمارے ملک کی ہے۔ مغربی ممالک تو شاید بعض امور میں ایکدوسرے سے مجانست بھی رکھتے ہوں لیکن ہندوستان کی موجودہ حالت، تو اُن متضاد عناصر کا

مجموعہ ہے۔ جو اس ملک کو کسی دوسرے ملک کی تمدنی حالت سے متجانس نہیں ہونے دیتے۔ پس میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ مغربی تمدن اور خصوصاً انگلستان کے تمدن کی راہیں کس طرح ہم ہندوستانیوں کے لئے مشعلِ راہ ہوسکتی ہیں؟ **انگلستان** میں ایک اینگلوسیکسن قوم آباد ہے۔ جن کے آداب اخلاق اور مراسم ایک ہی قسم کے ہیں۔ پھر بھی میں دیکھتا ہوں۔ کہ اختلاف مذاہبی نے خصوصاً **آئرلینڈ** میں دو جماعتیں پیدا کر کے ایک کو دوسری کا مدِمقابل بنا رکھا ہے۔ ہندوستان میں نہ صرف ہندو مُسلم سوال ہے۔ لیکن جن اسباب نے ان دو قوموں کو تقریباً شیر و شکر شدہ حالت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ وہی اسباب اس مُلک میں سے بہت سی حریف اقوام طیّار کر رہے ہیں + **سکھ** اور .. **پُوربشین** طبقہ کو چھوڑ کر وہ لوگ جنھیں آج تک اچھوت سمجھا جاتا تھا، چند ہی سالوں میں ہندو بھائیوں کے مدِمقابل ہونے والے ہیں۔ جس قسم کا دروغ آمیز لٹریچر مُسلمانوں کے خلاف ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر بنانے کے لئے اس ملک میں پیدا ہُوا۔ اور جس نے ان دو قوموں میں موجودہ عناد پیدا کر دیا۔ اسی قسم کا لٹریچر اب اچھوت اقوام کو مخاطب کر رہا ہے مصیبت تو یہ ہے۔ کہ مُسلمانوں کے خلاف جو لکھا گیا۔ وہ افترا ہی افترا ہے۔ لیکن جو اچھوت قوموں کو کہا جاتا ہے۔ وہ صحت سے خالی نہیں وہی باتیں انھیں بتائی جاتی ہیں۔ جو نفس الواقع صحیح ہیں۔ کہ کس طرح ویدک دھرم نے

اُن کو دائرۂ انسانیت سے خارج سمجھا مساوات چھوڑ ادنے سے ادنے حقوق انسانی بھی اُنھیں عطا کرنے پسند نہ کئے۔ نہ صرف اُن کو غلامی میں رکھا۔ بلکہ انکو چھونا یا اُن کے سایہ میں آنا بھی ناجائز سمجھا گیا۔ یہ دو باتیں ہیں۔ جو ہندو بھائیوں کی مذہبی کتب میں مرقوم ہیں۔ ہندو مدعیانِ اصلاح آج لاکھ کوشش کریں لیکن متوحش کی حکومت عامۃ الناس کے قلوب سے دور ہو نہیں سکتی۔ اور اچھوت اقوام کے خلاف جو اس بزرگ نے لکھا۔ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بالمقابل اُن اچھوت اقوام میں جس سُرعت کے ساتھ اس وقت تعزز ذاتی کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے اندر بجلی کی رفتار رکھتا ہے۔

وہ قوم جو آج سے صرف دس سال پہلے دوسروں کے غلام ہونے کو اپنی عزت سمجھتی تھی۔ آج اُس کے نمائندے کاؤنسلوں میں اعلےٰ طبقہ کے ہندوؤں کے پہلو بہ پہلو نظر آ رہے ہیں۔ اور دوسروں کے اس سلوک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے ہیں۔ اور اس بات کو بھی وہ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کہ ہماری ذلت کی تمام ذمہ داری آریہ نژاد ہندوؤں پر ہے۔ برادرانِ وطن کا جو حصہ مسلمانوں کو کچلنے کی فکر میں ہے۔ اور اُس کو عرفِ عام میں صحیح یا غلط طور پر مہا سبھائی ذہنیت کہا جاتا ہے وہ اس اُٹھتی ہوئی قوم کی بھی کچھ فکر کریں۔ جن کی تعداد مسلمانوں سے بھی زیادہ ہے ایک بیس پچیس سال میں یہ ملک کئی مختلف اور متقابل جماعتوں میں منقسم ہو جائیگا

اور بہت جلد ہندو راج کا خواب ایک خواب پریشان بن جائیگا +

میں بحیثیت مُسلم اچھوت قوم کی اس بیداری کی عزت کرتا ہوں۔ اور ایک مُسلم کا فرض ہے۔ کہ اُن کے ان جذباتِ عالیہ کی تکمیل میں معاونت کرے۔ لیکن سیاسی نگاہ سے میں ہندی قوم میں استقلال اور استقامت بھی دیکھنا چاہتا ہوں لہذا یہاں کے مُدبّرانِ سیاست کو ایسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ جس کے اندر ان متضاد عناصر کا بھی لحاظ ہو۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے سامنے یورپین اقوام اور اُن کا تمدن ہے۔ اور ہم آنکھیں بند کرکے اُس کا اتباع کر رہے ہیں مغربی تمدن کا اصُول متمیز یہ ہے۔ کہ اپنی قوم کی تقویّت کی خاطر دوسری اقوام کی تضعیف کرو اور اپنی قوم کو آسائش پہنچانے کیلئے دوسری اقوام کو بےچین کرو۔ اور اپنا بوجھ اُن پر ڈالو۔ ایک مُسلم تو مذہباً اس اصُول پر چل ہی نہیں سکتا۔ وہ تو مساوات انسانی پر ایمان رکھتا ہے لیکن ہندو بھائی اس اصُول پر گامزن ہو گئے ہیں۔ اور بدقسمتی سے اُنھوں نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ اصل ہندی قوم وہی ہے وہی ہندوستان کے مالک ہیں۔ اور شاید یہ بھُول گئے ہیں۔ کہ اگر مُسلمان یہاں باہر سے آئے۔ تو وہ بھی تو ہندوستان کے باشندے نہ تھے۔ وہ بھی تو مسلمانوں کی طرح باہر سے ہی آئے۔ اسی طرح قومی تقویّت سے برادرانِ ہنود کی مُراد صرف ہندو قوم کی تقویّت ہے۔ اور اس تقویّت کی خاطر سردست وہ مُسلمانوں کی تضعیف کی فکر میں ہیں۔ اہل برطانیہ کوئی ان کے عزیز نہیں

لیکن اُن کی سمجھ میں یہی آیا۔ کہ مسلمانوں کی موجودہ طاقت سے محفوظ رہتے اور انھیں اس ملک میں نسیاً منسیاً کرنے کے لئے برطانوی حمایت کی ضرورت ہاں جب اس حمایت کے ماتحت وہ مسلم کانٹوں کو اپنی راہ سے دُور کرنے کے قابل ہو جائینگے۔ تو پھر انگریز تو ایک اجنبی قوم ہے۔ اُن کے ساتھ بعد میں فیصلہ کر لیا جائیگا۔ لیکن جس امر کو ایک ہندو سمجھ ہی نہیں سکتا وہ یہ ہے۔ کہ اوّل تو انگریز اس قدر نادان نہیں۔ کہ اُن کے آلۂ کار بن کر مسلمانوں کو اس قدر کمزور اور اُن کو اس قدر مضبوط کر دیں (گو پچھلے دس سال میں ایسا ہوا) کہ آخرالذکر قوم ان کو یہاں سے آسانی کے ساتھ رخصت کر دے۔ دوسرا وہ یہ نہیں جانتے کہ جس وقت اصلی اسلامی اہلیت اور صلاحیت روبراہ کار ہونے لگی۔ اور مسلمان خوابِ غفلت سے اُٹھ کر حقیقی معنوں میں مسلم مومن بن گئے۔ تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہاں تو سات آٹھ کروڑ مسلمان ہیں۔ لیکن حدیث شریف تو یہ فرماتی ہے۔ کہ اگر چالیس مومن مجتمع ہو جائیں تو دُنیا کو ہلا سکتے ہیں۔ اور میں موجودہ کمزوری اعمال کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں۔ کہ اگر صرف ایک لاکھ مسلمان کسی حد تک مومنانہ شان اپنے اندر پیدا کر لیں۔ تو اُن کے مقابلہ میں کسی قوم کی دولت، ثروت اور وجاہت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ کوئی نظریہ نہیں۔ اِسلام جن باتوں کو ایک مسلم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک مسلم کو دس یا سو پر بھی بقولِ قرآن بھاری کر دیتی ہیں[1]

---

[1] ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبون مائتین۔ ترجمہ۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنیوالے ہوں۔ تو دو سو پر غالب آئیں گے۔

عرب کے سامنے ابتدائے اسلام میں ایک طرف سلطنتِ ایران تھی اور دوسری طرف مشرقی رومی سلطنت۔ اور یہ دونوں حکومتیں دولت، وجاہت، ثروت اور طاقت کے لحاظ سے دنیا میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں۔ ان کے بالمقابل عرب لوگ دولت کی طرف سے بالکل تہی دست تھے۔ آلاتِ حرب بھی ایرانی رومی اقوام کے بالمقابل اُن کے پاس صفر کے برابر تھے۔ مگر دولتِ ایمان سے مالا مال تھے۔ ایمان سے مُراد صرف خُدا کو مان لینا اور کلمۂ توحید کو وردِ زبان کرنا نہیں ہے۔ اور نہ ان چند رسمیات کو ادا کرنا ہے جو ہر مذہب میں پائی جاتی ہیں۔ اسلاماً ایمان وہ[۵۱] چیز ہے جس سے حقیقی کریکٹر بنتے ہیں۔ ایمان کے اجزاء یُوں تو بہت سے ہیں۔ جن کا ذکر ہم اپنے موقعہ پر کرینگے لیکن ان میں سے چند اہم باتوں کو لکھ دیتا ہوں جو انشاءاللہ عشرہ کاملہ کا کام دینگے۔

۱۔ اشاعت حق میں سرگرمی[۵۲] +

۲۔ دوسرے غریب افراد قوم کی خاطر ایثار[۵۳] اور اُن کو اپنے پر مقدم سمجھنا +

۴۔ مصائب شدائد کے مقابل استقامت[۵۴] جو حقیقی شجاعت ہے +

---

۵۱ دیکھو باب تمدن۔ اور ایمانیات اسلامی آئندہ ماہ کی اشاعت میں۔

۵۲ ولتکن منکم اُمّۃ یدعون الی الخیر الخ (سُورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲)

۵۳ والذین تبوّءُ الدّار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ ممّا اوتوا و یؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہٖ فاولٰئک ھم المفلحون (سُورۂ حشر آیت ۹) +

۵۴ والصّٰبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون (سُورہ بقرہ آیت ۱۷۷)

۴۔ انفاقِ فی سبیل اللہ[۱]۔ اور یاد رہے۔ کہ سبیل اللہ سے مُراد قوم کی راہ ہے +

۵۔ دُشمن کے مُقابل صبر و استقامت کے ساتھ خُدا سے مدد مانگنا[۲] +

۶۔ مخالفِ حق کے مقابل میں اگر وہ عدل و انصاف چھوڑ کر مُسلم مفاد کی تباہی میں کوشاں ہو۔ مردانہ وار کھڑے ہو جانا[۳]۔ اُسے بے حقیقت چیز سمجھنا (الف) اُس کی تعداد (ب) یا مال (ج) دولت یا دُنیوی ثروت کو خاطر میں نہ لانا۔ اُس کے مقابل ثباتِ قدم دکھلانا (د)۔ اور جب وہ میدان میں آئیں تو اُن کے مُقابلہ سے نہ ہٹنا (ہ)۔ مذہبی اختلاف پر کسی سے تعارض نہ کرنا (و) +

---

[۱] لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون (سُورۂ آل عمران آیت ۹۱)

[۲] یا یھا الذین اٰمنوا ستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصبرین (سورہ بقرہ آیت ۱۵۳)

[۳] (الف) ولا یحسبن الذین کفروا انھم لا یعجزون (سُورۂ انفال آیت ۵۹)
انّ الذین یحادون اللہ ورسولہٗ اولٰئک فی الاذلین (سُورۂ مجادلہ آیت ۲۰)
یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین (سُورۂ انفال آیت ۶۴)
(ب) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون (سُورۂ انفال آیت ۶۵) اَلْئٰنَ خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصّٰبرین (سُورۂ انفال آیت ۶۶)
(ج) لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئاً (سورۂ المجادلہ آیت ۱۷) ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئاً (سُورۃ آل عمران آیت ۹ و ۱۵)
(د) یا یھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون (سورۂ انفال آیت ۴۵)
(ہ) یا یھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار (سورۃ انفال آیت ۱۵) +
(و) لا اکراہ فی الدین (سُورۂ بقرۃ)

۷ - اپنے مکسوبات کو قومی مفاد کیلئے خرچ کرنے میں دریغ[۱] نہ کرنا +

۸ - حصول[۲] دنیا کو مقصد زندگی قرار نہ دینا بروئے[۳] تعلیم قرآن دنیا پیدا کرنا تو امر جائز ہے - اور ضروری ہے لیکن جب قوم پر مصیبت پڑے - تو اسکی راہ میں خوشی سے خرچ کرنا - اور دنیا کو چندروزہ سمجھنا - اور خدا کی راہ میں خدا کے ہاتھ اپنی جان و مال کو بیچ دینا +

۹ - خدا اور اس کی خوشنودی کو مقصد زندگی[۴] قرار دینا +

۱۰ - مذہب[۵] و قوم کو اپنا نصب العین سمجھنا - اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جس کے معنی بروئے تعلیم قرآن قوم کی راہ ہیں - اپنے مال جان اور وطن سب کو اس کیلئے قربان کر دے +

---

[۱] وما الحیٰوۃ الدنیا لھو ولعب الخ (سورۃ انعام آیت ۳۲ سورہ عنکبوت آیت ۶۴ - سورۃ محمدؐ آیت ۳۸ ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع (قرآن)

[۲] من حرم زینۃ التی اخرجت لعبادہ (قرآن) ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون وعداً علیہ حقاً فے التورات والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعھدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم وذالک ھو الفوز العظیم (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۱) +

[۳] انا للہ و انا الیہ راجعون +

[۴] قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین - کہدے - کہ میری نماز حج میری زندگی اور موت رب العالمین کی مخلوق کے لئے ہے - یہی مجھے حکم ہے - اور میں تو سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والا ہوں +

ان آیات میں اگر لفظ قتل آیا ہے تو اس سے یہ مراد نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم کو کسی کے خلاف تلوار نکالنے کا حکم ہے - قرآن کی تعلیم تو یہی ہے - کہ تلوار نیام میں رہے - صرف اپنے اور اپنی قوم کے مفاد کی حفاظت ہر ایک مسلم پر فرض ہے مخالف کے مقابل وہی قدم اٹھانا ہے جسمیں مخالف نے پیش قدمی کی ہے - بالفاظ دیگر جس قسم کا ہتھیار وہ اٹھائے - وہی ہتھیار مسلمان نے بھی بالمقابل اٹھانا ہے - اور اس معاملہ میں ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں کرنی +

ایک مسلم کو اس بات کی مطلق ضرورت نہیں۔ کہ اس کے پاس روپیہ ہو نہ اس کو اس کی حاجت ہے۔ کہ وہ کسی یونیورسٹی کا پاس شدہ ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ جہالت اس کا مائیہ ناز ہے۔ اس میں وہ حقیقی علم موجود ہونا چاہئے جس کا بہترین نمونہ اُمیوں میں سے مبعوث شدہ ایک اُمّی پیغمبر تھا (علیہ الف الف سلام) یہ علم سُنن الٓہیہ امور کائنات اور فطرت انسانی کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اس علم کے حاصل کرنے کیلئے صرف بصیرت، مشاہدہ اور تجربہ کی ضرورت ہے کسی دارالعلوم کی سند کی ضرورت نہیں۔ ایک طرف تو مسلمان بھائی غور کریں۔ کہ اُن کی موجودہ پستی کے وجوہ اور اُن کی غیروں کی کاسہ لیسی کے اسباب اگر متذکرہ بالا ایمانیات کے فقدان کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ یاد رکھیں کہ جس دن بھی ان میں یہ رنگ پیدا ہو گیا، اُن کے سامنے ایک زبردست عبدالاغراض اور زنگ دل قوم کوئی حقیقت نہیں رکھ سکتی۔ بالمقابل میں ہندو بھائیوں سے عرض کرتا ہوں کہ ان مذکورہ باتوں کو وہ کسی خاص نگاہ سے نہ دیکھیں۔ وہ اسلام جو اس قسم کی اسپرٹ کسی انسان میں پیدا کر سکتا ہے۔ وہی مذہب اسے یہ بھی سکھاتا ہے۔ کہ وہ انسان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئے[۵۱] اور اُن کے معاملہ میں تمدن اور قومیت اور ہمدردی کے کسی طریق کو ہاتھ سے نہ دے بلکہ اسلام تو حُبُّ الوطنی[۵۲] کو

---

۵۱ اسلام کے ایک معنے شفقت علےٰ خلق اللہ کے ہیں۔ حدیث شریف

۵۲ حُبُّ الوطن من الایمان ÷

جز سواسلام ٹھیراتا ہے ۔ بالمقابل مجھے گورنمنٹ برطانیہ کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنا ہے ۔ اُس پر واضح ہو ۔ کہ بروئے تعلیم قرآن حکومت کی عزت کے معاملہ میں ایک مسلم سے بہتر فرمانبردار رعایا ۔ وہ دُنیا میں اور کسی قوم کو نہیں دیکھ سکتی ۔ لہٰذا میں تو یہ کہتا ہوں ۔ کہ اگر مُسلم قوم قرآن کریم کے احکام پر چلے تو وہ اپنی عزت بازرفتہ کو بھی حاصل کریگی ۔ برادرانِ وطن کی ایک بہترین حلیف ثابت ہوگی ۔ اور گورنمنٹ کے مقابل صحیح جذبۂ اطاعت ظاہر کریگی +

مَیں کسی قدر اصل مطلب سے الگ ہوگیا ۔ مَیں یہ کہ رہا تھا ۔ کہ آج اگر اہل ہند نے یورپین اقوام کے طریقِ تمدن کو سامنے رکھا ۔ تو سراسر غلطی کی ۔ اور مشکل تو یہ ہے ۔ کہ مغربی اقوام بھی اب بہت جلد اس اصول تمدن پر کاربند نہ ہوسکینگی ، جس پر وہ آج تک کاربند نظر آتی ہیں ۔ یعنی اپنی قوم کی خاطر دیگر اقوام کی پرواہ نہ کرنا ۔ ایک وقت وہ تھا ۔ جب اس اصول پر عمل کرنے والی صرف تین اقوام تھیں ۔ **انگریز ۔ فرانسیسی** اور **جرمن** آج اُن کے حریف **اطالوی** اور **ہسپانوی** پیدا ہوگئے ہیں ۔ اور اور بھی اُن کا تتبع کرنے کی فکر میں ہیں ۔ اور اگر خدانخواستہ **رُوس** کا رنگ کامیاب ہوگیا ۔ تو پھر ؎

بیک گردشِ چرخِ نیلوفری ۔۔۔ نہ نادر بجا ماند و نے نادری

ان مغربی اقوام کی باہمی رعایت ہی ان کو اپنے اس اصول تمدن پر چلنے سے

ملتفع ہے۔ پھر اب امریکہ بھی میدان میں آگیا ہے۔ جس کی ملکی خوشحالی اگرچہ اسے
جوع الارض سے بے نیاز کر رہی ہے۔ تو دوسری طرف وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ
باقی اقوامِ مغرب دوسری اقوام پر مسلط ہوں۔ اور ان پر مستولی ہوں۔ وہ نہ صرف
توازنِ قوت کو چاہتا ہے۔ بلکہ اپنے بل بوتے پر مغربی اقوام کو مجبور کرنا چاہتا ہے
کہ وہ موجودہ مقبوضات سے زیادہ بڑھا نہ سکیں تلوار نیام میں کریں۔ اور محکوموں
پر سے نہ صرف اپنا بوجھ ہی ہلکا کریں۔ بلکہ ان کو آزاد زندگی بسر کرنے دیں
اس کے مقابل جو ممالک ان اقوامِ مغربیہ کی شکار ہو رہی تھیں اُن میں بیداری
پیدا ہو چکی ہے۔ **ایشیا** اب پرانا ایشیا نہیں رہا۔ وہ لاکھ کمزور ہو لیکن مغربی
چالوں سے واقف ہو چکا ہے۔ ایشیائی اقوام تو متمدن بھی رہ چکی ہیں۔ حیرت تو
اُن حبشیوں پر ہے۔ جو قطعاً نابلد اور علم و فن سے عاری ہیں۔ وہ بھی نہ صرف بیدار
ہو چکے ہیں۔ بلکہ آزادی کے خواہاں ہیں۔ اور مغربی تسلط کو نفرت کی نگاہ سے
دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اب وہ اصولِ تمدن جن کی پیروی آج ہندو بھائی کر رہے
ہیں، وہ تو یورپ میں بھی ختم ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک طرف مذہب نے
اور دوسری طرف سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم نے ہر قوم کو دو خطرناک مختلف
گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آئرلینڈ کی مصیبت کا باعث محض اختلافِ مذہبی تھا
حالانکہ وہ قوم کے لحاظ سے انگریزوں سے جدا نہیں ہیں۔

جب اُن ممالک کا جہاں ایک ہی قوم آباد ہے یہ حال ہے۔ تو ہمارے

ہندو بھائی کونسا خواب دیکھ رہے ہیں +

۲۱-۱۹۲۰ء کے واقعات نے ان پر حقیقت واضح کر دی ہوگی۔ کہ مسلمانوں سے بہتر کوئی حلیف انھیں نہیں مل سکتا۔ اس زمانہ میں جو اقتدار ہندوستانیوں کو گورنمنٹ کے مقابلہ میں حاصل ہوا۔ اور ایسا ہی جس بات نے چند قلم چلانے والے بابوؤں کی مجلس (کانگرس) کو آج ایک طاقتور قومی نظام بنا دیا۔ وہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنا نہیں تھا تو اور کیا تھا +

گاندھی جی کی تجویز کردہ تحریک عدم تعاون میں مسلمانوں سے بڑھ کر کس قوم نے جانفروشی کی ؟ جیل خانے کس قوم نے بھرے ؟ ملازمتیں عہدے القاب اور وکالت زیادہ تر کس نے ترک کی ؟ لیکن انسان بہت ہی تنگدل واقع ہوا ہے۔ ذرا سی طاقت حاصل کر کے سمجھ لیتا ہے کہ میں ساری دنیا پر فایق ہو گیا ہندو بھائیوں نے بہت جلد مسلمانوں سے استغنا کی اسپرٹ دکھائی۔ اور اُن راہوں پر چلنا شروع کیا۔ جن کی وجہ سے اُن کا خیال تھا۔ کہ مسلمان نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔ اُن کے اس فعل نے توسوئی ہوئی قوم کو جگا دیا۔۔۔ جو اُس وقت اُن کی اغراض کے حصول میں ایک زبردست روک ہو گئے۔ اس کی ایک ادنےٰ مثال چھبیّس فی صدی مجلس کی تدوین ہے +

ان سب سے بڑھ کر قابلِ غور بات یہ ہے۔ کہ اس ملک میں ایک قوم آباد نہیں دو نہیں درجنوں اقوام ہیں۔ جن کی تعلیمات مذہبی کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں

کہ وہ وطنیت کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتے میں نہیں کہتا کہ ان لوگوں کی اب مذہبی اصلاح کی جائے لیکن خوش قسمتی سے (لبرل) آزادی بخش تعلیم نے بہت حد تک دلوں میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ یہاں کے لوگوں میں انسان کی عزت بحیثیت انسان کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے اور وہ پیدا ہو رہا ہے۔ مسلمان تو مذہباً اس اصول کے پابند ہیں۔ اور ایسا ہی قریب قریب سکھوں اور عیسائیوں کا حال ہے۔ اچھوت اقوام ضرورتاً اس بات کو چاہتی ہیں۔ صرف ہندو بھائی رہ گئے ہیں جن کے دل و دماغ کا توازن ملکی اتفاق کے مناسب حال واقع نہیں ہؤا۔ یہاں تو کچھ اس قسم کے خیالات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن سے ہم سب ہندوستانی وسعتِ قلب کے ساتھ ہر شخص کے ساتھ یکسانیت کا معاملہ کریں۔ اور اپنی سیاسی اغراض میں بشرطیکہ وہ کسی ظلم یا معصیت کا باعث نہ ہو متحد ہو جائیں۔ یہ باتیں اس مقولہ کے دہرانے سے تو پیدا ہو نہیں سکتیں۔ کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں پھر ہندو یا کچھ اور +

میں تو بلا خوفِ تردید کہوں گا۔ کہ مذکورہ بالا غرض تو صرف قرآنی تعلیم پر چلنے ہی سے پوری ہو سکتی ہے۔ میں کسی سے نہیں کہتا کہ مسلمان ہو جاؤ۔ لیکن اگر وہ غرض صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اگر برادرانِ ہنود چند اسلامی اصولوں کو اختیار کر لیں خصوصاً

ان اصولوں کو جن کا ذکر میں نے اس فصل کے آخر میں کیا ہے۔ آخر گذشتہ چار سال کے عرصہ میں وہ بھی ایک اسلامی اصول تو اختیار کر چکے ہیں مثال کے طور پر میں ایک بات کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ زمانہ تو رہا نہیں۔ کہ کسی ملک میں ایک ہی قوم آباد ہو۔ جو یورپین اصول تمدن پر چل سکے۔ موجودہ تمدن نے تو دنیا کے ہر شہر کو مختلف اقوام کا مرکز بنا رکھا ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے۔ کہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مختلف مذاہب کے لوگ جمع نہ ہو گئے ہوں۔ آج اگر کسی اصول کی ضرورت ہے۔ کہ جس سے انسان دوسروں سے محبت کر سکے۔ اور ان سے مل کر اپنے ملک کے استقلال و آزادی کی تدبیر سوچے تو وہ وطنیت اور قومیت کا مروجہ تنگ خیال نظریہ نہیں۔ بلکہ یہ باتیں اسی انسان میں پیدا ہونگی جو رب العالمین" کا پرستار ہو۔ اور جو ایمان رکھتا ہو۔ کہ تمام بنی نوع آدم خدا کے کنبہ کے افراد ہیں۔ اور جس کا مذہبی عقیدہ یہ ہو۔ کہ خدا کی اطاعت رب العالمین کی اتباع سے وابستہ ہے۔ اسی عقیدہ سے موجودہ حالات میں قومیت و وطنیت کے صحیح جذبات بھی پیدا ہو جائینگے۔

لیکن اس وقت تنگ نظری نے اس خوبی کو بھی برے رنگ میں ظاہر کیا ہے غیر مسلم دنیا کہتی ہے۔ کہ ایک مسلم کا قلب جذبات قومیت و وطنیت کے احساس کی اہلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ تو رب العالمین کا بندہ ہے۔ اور اس کی نگاہ میں کل مخلوق الٰہی یکساں ہے۔ پس وہ کیوں کسی قوم پر اپنی قوم کو ترجیح دینے لگا۔ معترضین

یہ نہیں سمجھتے۔ کہ ایک مُسلم اگر رب العالمین کا پرستار ہے۔ تو اُس کے معبود کا دوسرا نام
مالک یوم الدین بھی ہے جس نے مالکانہ رنگ میں نہ صرف کسی ظالم
کو سخت سے سخت سزا کا مستوجب ہی ٹھیرایا ہے۔ بلکہ اپنی ملکیت کی حفاظت کی
تعلیم بھی انسان کو فرمائی ہے۔ اگر تو ایک مُسلمان کسی مُسلم چور پر چشم پوشی کرنے یا
اس کو سزا واقعی نہ دلوانے کا اسلئے مُکلّف ہے۔ کہ چور اُس کا ہم مذہب ہے، تو
ہمارے برخلاف یہ خیال صحیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر صورت حال اس کے خلاف
ہے۔ تو کیوں ہندی مسلم غیر ملکی مسلم حملہ آور کے برخلاف اپنے ملک کی حفاظت میں
کھڑا نہ ہو جاتے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے۔ کہ ہم ہر رنگ میں اخلاق و اعمال الٰہیہ کی
پیروی کریں لہذا جب رب العالمین اپنی ملکیت میں خلل اندازوں کو قرار واقعی سزا دیتا ہے
عام اس سے کہ وہ اُسی کے نام نہاد پیرو ہوں۔ تو پھر ہم تو ایسا کرنے پر مجبور
ہیں۔ اور خصوصاً یہ بات نہ بھولنی چاہئیے۔ کہ اسلام نے حُبّ وطن کو جزو ایمان
قرار دیا ہے۔ ایک مُسلمان کے تو یہ بات ایمانیات میں داخل ہے۔ کہ وہ اپنے
ہموطنوں سے محبت کرے۔ اور اُن کے مفاد کی حفاظت کرے[۵۱] +
لیکن اگر رب العلمین کے پرستار سے یہ مُراد ہے۔ کہ اسے بنی نوعِ آدم

---

۵۱ اگر دو مسلموں میں جنگ ہو تو قرآن کی تعلیم یہ ہے۔ کہ ہم ظالم کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ چہ جائیکہ جب کوئی مسلم قوم ہمارے ملک پر بلا وجہ محض ملک گیری کے خیال سے حملہ کرے۔ تو کیوں ہم اسکے مقابل نہ نکلیں۔ خواہ ہمارے ہموطن غیر مذہب ہی کیوں نہ ہوں۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احدٰہما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٓء الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین (الحجرات آیت ۹)

کی ہر جماعت سے اُنس ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہمیں ہند کے مختلف باشندوں سے محبّت نہ ہو؟ آخر وہ بھی تو ربّ العلمین ہی کے بندے ہیں۔ کُل کی کُل دُنیا تو کسی ایک قوم یا ایک مذہب سے تعلق نہیں رکھتی، ہر جگہ مختلف نسلیں اور مختلف قومیں آباد ہیں۔ یہی حال خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کا ہے۔ اگر ہندوستان میں مُسلمانوں کے علاوہ صرف ایک ہی قوم ہوتی، تو شاید قومی تنازعات کے لئے کوئی سبب قرار دیا جاسکتا لیکن ہندوستان تو ایک چھوٹی سی دُنیا ہے۔ اور ممالک میں تو عموماً ایک ایک قوم آباد ہے لیکن یہاں تو مُختلف اقوام کا مجمُوعہ نظر آتا ہے۔ جو مذہب زبان اور طرزِ معاشرت کے لحاظ سے ایکدوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اور بعض امُور میں ایکدوسرے سے نفرت تک رکھتے ہیں۔ یہاں تو اتحاد عامہ کے قیام کے لئے ایک ربّ العلمین کے پرستار کی ضرورت ہے۔ یعنے ہندوستان تو ایک ایسی جگہ ہے۔ کہ یہاں ایک پرستار رب العالمین کے جذبات صحیح معنی میں اپنا رنگ دکھا سکتے ہیں +

لیکن اس نظریہ کے خلاف ایک اَور بات بھی کہی جاتی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ مُسلم لاکھ ربّ العلمین کا پرستار ہو۔ اور سب اقوام کو یکساں سمجھتا ہو لیکن مذہبی نقطۂ خیال سے وہ ہمیشہ مسلمانوں ہی کی طرفداری کریگا۔ لہٰذا افغانستان کی ہمسائیگی کی وجہ سے وہ کسی طرح قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا +

بدقسمتی سے ہم مسلمان اُن لوگوں کے ہمسایہ ہیں جن میں ازروئے مذہب اس قسم کی تنگ خیالی موجود ہے۔ور اگر ایک ہمسایہ قوم کا رنگ ہم میں پیدا ہو جائے تو کوئی عجیب بات نہ ہوگی۔لیکن اسلام نے بہت سی تعلیمات وسعتِ قلب کے لئے بھی عطا کی ہیں۔جو معائرتِ مذہبی یا قومی کو ایک مسلمان کی نگاہ میں بے حقیقت ٹھیرا دیتی ہے +

یہ بات واقعی میرے لئے حیرت کا مقام ہے۔کہ جب ہر ایک مذہب ایک ہی سرچشمہ سے نکلنے کا مُدّعی ہے۔اور یہ امر بھی مُسلّم ہے۔کہ کُل کی کُل دُنیا ایک خدا کی مخلوق ہے۔تو کیوں ان مذاہب مختلفہ کی کتب میں دوسری اقوام کے ساتھ کسی اچھے سلوک کی تعلیم نظر نہیں آتی ؟ ہندوؤں کے مذہبی لٹریچر نے خود اپنے ہی قوم کے لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ان میں سے بعض کو مورد عتاب ٹھیرایا ہے۔اور غیر مُلک کے باشندوں کو تو یہ کتابیں ملیچھ اُسر اور دیت کے ناموں سے موسُوم کرتی ہیں۔اور ان سے نفرت کرنے کی تعلیم دیتی ہیں۔اور یہ وہ بات ہے۔جو تمدّن انسانی کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اور ضروری تھا۔کہ اسلام ان تعلیمات کی مخالفت کرے +

اگر ان کتابوں کے ماننے والے قومیت اور ملکیت کو وجہ معائرت ٹھیرائیں تو حق بجانب ہیں کہ انسان دوسروں کو ویسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ وہ خود ہوتا ہے۔جب ہندو بھائیوں کی اپنی کتابیں دوسروں کو مخالفت کی نگاہ سے

دیکھنے کی تعلیم دیتی ہیں۔ تو اگر یہ بزرگ ہمارے متعلق یہ خیال کریں۔ کہ ہم بھی انھیں اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جس نگاہ سے وہ خود ہمیں دیکھتے ہیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاید اسی لئے ہمیں تلقین ہوتی ہے۔ کہ ہم ہندوستانی ہونے کو مسلمان ہونے پر ترجیح دیں لیکن اس نئی تعلیم کے حامیوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ ہندوستانی ہونے کے معنے کیا ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں بیسیوں اقوام آباد ہیں۔ جن کی عصبیت قومی یا تعصب یکساں نہیں ہو سکتا اگر ہندوستانی قوم سے مراد کوئی خاص قوم ہوتی، تو ایک غیر عنصر یعنی مسلمان کا وجود اگر درمیان سے نکل ہی جاتا تو شاید درست ہوتا۔ ہندوستان میں تو مختلف اقوام کی وجہ سے، ہندوستانی بننے کا مفہوم ہر شخص کا جدا گانہ ہی ہے۔ جس طرح ہندو مختلف فرقوں کی تعلیم مذہبی سامنے رکھتے ہوئے لفظ ہندو مذہب کی کوئی تعریف مشترک نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح لفظ ہندوستانی کا مشترک مابہ الامتیاز بھی تجویز کرنا محالات سے ہے۔ اس صورت میں تو ہم سب کا پرستار رب العالمین ہونا ہی ملک و ملت کے لئے مفید ہوگا۔ کیونکہ رب العالمین کا پرستار ہر شخص کو ایک ہی نگاہ سے دیکھیگا +

خیر یہ باتیں تو میں نے ایک نظریہ کے رنگ میں لکھ دیں۔ اب واقعات کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہئے۔ اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ کہ مسلمان ہونے سے مراد کیا ہے ؟ اور ہندوستانی بننا کیا چاہتا ہے ؟

ہم کسی مذہب سے تعلق رکھیں، ہمارا کچھ ہی عقیدہ ہو، ایسا ہی قومیت اور وطنیت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ہم کوئی اصول زندگی اپنے لئے انتخاب کرلیں ہم میں سچی ہمدردی اور ایک دوسرے سے دلی اُنس تو ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

جب ہمارے معتقدات میں مساوات انسانی کا عقیدہ ہو۔ یہی عقیدہ مختلف افراد میں سے ملکی، قومی، لونی اور لسانی امتیازات کو اڑا کر انھیں اخوت کی ایک زنجیر میں منسلک کر دیتا ہے۔ اور اس اخوت سے ہی پولیٹیکل معاملات مطلوبہ میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اب اگر تو ہندوستانی ہونے کی حیثیت میں یہ جذبہ مساوات انسانی کسی کے دل میں موجزن ہو سکتا ہے۔ تو پھر یہ نئی تعلیم ایک بہترین تعلیم ہے لیکن اگر ہندوستانی ہونے کے مفہوم میں مساوات انسانی کا یہ بلند مقام پیدا نہیں ہوتا، تو پھر کیوں اس پر زور دیا جاتا ہے؟ کیوں نہ ہم اس مذہب کے ساتھ دل و جان سے وابستہ ہو جائیں۔ جو اس عقیدہ کو جزو ایمان ٹھیرا کر ہمیں دیگر برادران وطن کو اپنے جیسا خیال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور میں از روئے تعلیم قرآن کہتا ہوں۔ کہ یہ عقیدہ صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے قائل میں نہایت مضبوطی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے +

مثلاً سب سے پہلے حکومت ہی کے سوال کو لیا جائے۔ سوسائٹی کو صحیح حالت میں رکھنے کیلئے ہم کسی نہ کسی نظام حکومت کے محتاج ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم امن و امان کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ دنیا نے حکومت کے مختلف نظام

دیکھئے لیکن بہترین نظام سلطنت جمہوریت ہی کو سمجھا گیا ہے۔ یہ امر تو تاریخاً مسلّم ہے۔ کہ سب سے پہلے اسلام ہی نے اُس جمہوریت کو جو کُل افرادِ انسانی کے حقیقی فوائد کی ذمہ وار ہو سکتی ہے۔ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ہر ایک مُلکی معاملہ میں اہلِ مُلک سے مشورہ[1] لینا ضروری ٹھیرایا۔ جناب عمرؓ نے حکومت کی تعریف کرتے ہُوئے یہاں تک فرما دیا۔ کہ وہ حکومت حکومت ہی نہیں جس میں ہر محکوم کی رائے نہ لی جائے۔ چنانچہ اکثر مغربی مُصنّفین نے لکھا ہے۔ کہ اسلام ہی جمہوریت کا "باپ" (بانی) ہے۔ لیکن جمہوریت کبھی دُنیا میں کام نہیں کر سکتی۔ اگر مساوات بین الناس پر ہمیں ایمان حاصل نہ ہو۔ ہندوستان جس جمہوریت کو چاہتا ہے۔ وہ تو تبھی حاصل ہو سکتی ہے۔ جب چھوت اچھوت قومیں سب ایک دوسرے کو برابر کے حقوق دینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اور اُس کے لئے مساوات بین الناس جیسے عقیدہ کی ضرورت ہے۔ وہ تو مُسلمانوں کے ہی حصّہ میں آیا ہے اِس کے مقابل اور اس کے فنا کرنے کے لئے ملوکیّت پرستی، انسان پرستی، خاندان پرستی اور لونی و نسلی امتیازات کار فرما نظر آتے ہیں۔ اور یہ باتیں یہاں کے اصلی باشندوں کے رگ و ریشہ میں موجود ہیں۔ بلکہ ہم بھی یہاں آکر اس تنگدلی کا شکار ہو گئے ہیں لہٰذا مُلک و وطن کا فائدہ تو اسی میں ہے۔ کہ ہم قولاً فعلاً **مُسلمان ہونے کو ہندوستانی ہونے پر ترجیح دیں**۔ حیرت تو یہ ہے۔ کہ جو اقوام آج

---

[1] فٹ نوٹ: "وشاورھم فی الامر"

جمہوریت کی علمبردار ہیں۔ وہ بھی تو ان امتیازات کی دیواروں کو اپنی راہ سے نہیں ہٹا سکتیں۔ اشتراکیت جس امر نے پیدا کی ہے۔ اس کا باعث یہی امتیازات ہیں لیکن اسلام نے آتے ہی ایک ایسے ملک (عرب) میں جہاں نسلی اور خاندانی امتیازات قدم بقدم کام کرتے نظر آتے تھے، ان باتوں کا چند برسوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا۔ گویا عرب ان امتیازات سے کبھی آشنا ہی نہ تھے۔ اسلام نے آتے ہی ایک کالے اور ایک گورے دونوں کو ایک ہی سلک میں منسلک کر دیا۔ ادنےٰ سے ادنےٰ اور دنیوی نگاہ سے ایک رذیل سے رذیل فرد نے جس وقت لا الٰہ الا اللہ کہا۔ فوراً اخوت اسلامی میں شامل ہو کر یکساں سلوک کا مستحق ہو گیا۔ اسی بات کی طرف بمبئی کے پنڈت جیکار اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ وہ اس سپرٹ کو اسلام سے لے لیں گویا اس رنگ میں وہ مسلمان ہو جائیں۔ تو پھر تعجب ہے۔ کہ ہمیں کیوں اسلام پر وطنیت کو فوقیت دینے کی نصیحت کی جاتی ہے جب ہمارا مسلمان ہونا ہی ہم میں بہترین وطنیت کو پیدا کر سکتا ہے۔ اسی سپرٹ کے پیدا کرنے کے لئے

ہ ۱۵ یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر۔ (سورہ الحجرات آیت ۱۳)

ترجمہ۔ اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمھاری شاخیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے متقی ہے۔ اللہ جاننے والا خبردار ہے +

سب سے پہلے قرآن نے اس انسان (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مُنہ سے جو اخلاقاً نسباً حسباً عملاً اور منصباً واقعی ایک بہترین انسان تھا۔ جشد و مدّ یہ کہلوایا۔ انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد۔ ترجمہ۔ میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں (اور اس مساوات کے پیدا کرنے کیلئے) یہ پیغام لایا ہوں کہ (الٰھکم الٰہ واحد) تم سب کا خدا ایک ہے +

آنحضرت صلعم نے مساواتِ انسانی کی رُوح کو جس کامیابی کے ساتھ دُنیا میں پھیلایا وہ مُسلّم ہے۔ اسی توحید کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ نسل انسانی میں مساوات کی رُوح پھیل گئی۔ کیونکہ توحید قرآنی نہ صرف یہی سکھلاتی ہے۔ کہ ہم سب کا خالق ایک ہے۔ بلکہ اُس کی وحدانیت کا یہی تقاضا ہے۔ کہ خُدا تعالیٰ سب بنی نوع کو یکساں رنگ میں پیدا کرے۔ اور اُنھیں ایک ہی قسم کے اعضا عطا فرما دے۔ اور اپنی بخشش میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرے +

اور ممالک کو چھوڑ دیا جائے۔ خُود اس مُلک ہندوستان میں جو بھاری سے بھاری سوال اس وقت ہنُود کے سامنے درپیش ہے۔ وہ چھوت اور اچھُوت ہی کا ہے شودر چھوڑ خود چھُوت یا دوجنمی اقوام کی مختلف شاخوں میں بھی تنازعات موجود ہیں۔ شودر قوم تو قطعی اچھُوت ہے لیکن باقی اعلےٰ تین قومیں بھی ایکدوسرے کو اکل و شرب کے معاملہ میں اچھُوت ہی سمجھتی ہیں مسٹر گاندھی اور اُن کے ہمنوا

---

۵۱ سورۃ کہف آیت ۱۱۰ +

یاد رکھیں جس بیڑا (اچھوتوں کے سُدھار) کو اُنھوں نے اُٹھایا۔ جب تک ہندو قوم میں مساواتِ بین النّاس کی رُوح پیدا نہ ہوگی۔ وہ سر نہ چڑھیگا +

لیکن ان مہا پُرشوں کو یہ سوچنا چاہئے۔ کہ اس عدم مساوات کا اصلی سبب کیا ہے؟ اور جب تک وہ حقیقی سبب دُور نہ ہوگا۔ اس وقت تک مساوات کا خیال ایک امر موہُوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور اگر یہ مساوات پیدا نہیں ہوسکتی تو پھر سیاسی اغراض کی خاطر چھُوت اچھُوت کے امتیازات کب مٹائے جاسکتے ہیں؟ ان امتیازات کی تہ میں تو مذہب ہے۔ قرآن کریم نے اسی مساوات کے پیدا کرنے کے لئے جو تمدّن کی جان ہے۔ توحید کا سبق دیا تھا۔ اس امر کے مُتعلق ہندو بزرگ خُود اپنے مذہب کی تاریخ دیکھ لیں کہ یہاں اتّفاق قومی کی تباہی کا مُوجب اگر کوئی چیز ہے۔ تو وہ مختلف عقیدے ہیں۔ جنہوں نے برادرانِ ہنُود کو لاتعداد جماعتوں میں منقسم کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ عقاید کا یہ اختلاف بالضرور ان لوگوں میں پیدا ہوگا۔ جو ایک خُدا کی جگہ مختلف معبُودوں کے پرستار ہونگے۔ کیونکہ یہ معبُود اپنے اپنے صفات میں ایکدوسرے سے جُدا ہوتے ہیں۔ دراصل اختلاف صفات ہی مختلف معبُود پیدا کر دیتا ہے۔ چُنانچہ مختلف ہندو فرقوں کو دیکھ لیا جائے۔ جن صفات کے ساتھ ایک جماعت نے اپنے معبُود کو متصف کیا ہے۔ وہ ان صفات کی نقیض ہیں۔ جو دوسری قوم نے اپنے معبود کے لئے تجویز کیں۔ بلکہ اُن صفات مختلفہ

میں اس قدر تباین ہے۔ کہ ایک قوم کی پرستش خدا ان اصولوں پہ ہو ہی نہیں سکتی
جن پہ دوسری قوم اپنی عبادت میں عامل ہوتی ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ جن جن باتوں
سے اتفاق پیدا ہوا کرتا ہے ان سب میں زیادہ ممتاز عبادت ہی ہے جو مختلف الحال اور
مختلف الخیال لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیتی ہے۔ گو بدقسمتی سے مسلمان بھی آج اس عقیدۂ مساوات
انسانی پہ عمل نہیں کرتے لیکن اب بھی ان کی مساجد مساوات کا بہترین منظر پیش کر سکتی ہیں
ایک بادشاہ اور ایک فقیر ایک سید اور ایک بھنگی مسجد میں داخل ہوتے ہی ہر قسم کے امتیازات
کو مسجد کے باہر ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اور خدا کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ سب اس کے حضور میں
شانہ بشانہ کھڑے ہو جاتے ہیں پھر پابندی اوقات کے لحاظ سے اگر بالفرض پہلے ایک گدا
مسجد میں آ جائے اور بادشاہ وقت دیر میں آئے۔ تو یہ رنگ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا
ہے کہ فقیر تو صف اول میں تھا اور بادشاہ کو اس جگہ کھڑا ہونا پڑا کہ جس کے بعد جوتیوں کی جگہ تھی
اس اخوت اور مساوات کے کامل مظاہرہ کو کوئی دیکھنا چاہے تو عرب میں جا کر اپنی آنکھ سے حج کے موقعہ
پر دیکھ لے جہاں شاہ و گدا ایک ہی لباس میں جو نہایت کم قیمت اور معمولی ہوتا ہے ملبوس ہوتے ہیں
اور سب کے سب فقیرانہ رنگ میں خدا کے سامنے لبیک لا شریک لک لبیک کہکر کھڑے ہو جاتے ہیں
یعنی "اے خدا میں تیری جناب میں حاضر ہوں تیرا شریک کوئی نہیں" اس مقدس اور اہم موقعہ پر توحید کا سبق
پڑھانا اس وجہ سے بھی تھا کہ حج کی وقت لاکھوں کا مختلف الحیثیت انسان جمع ہو کر ایک ہی جگہ ایک مدت تک اکٹھے
رہتے ہیں تاکہ اس عرصہ میں مساوات کی روح انمیں پیدا ہو جائے اور ایک حد تک ہو بھی جاتی ہے اس وقت ایک
دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتا ہے بلکہ عمر و صنف کے لحاظ سے ایکدوسرے کو اپنا باپ بھائی بیٹا یا باپ بہن اور ماں کہکر پکارتا ہے

(باقی آئندہ)

موضوع بالا پر حضرت خواجہ صاحب موصوف نے قرآن کریم پر ایک کتاب لکھنی شروع فرما دی ہے جس میں
آپ قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کریں گے جس سے ظاہر ہو گا کہ اسلام ہی اس وقت ایسا زندہ جاوید مذہب ہے
جو دنیا کو مصائب حاضرہ سے بچا سکتا ہے۔ محترم و مکرم حضرت خواجہ صاحب ممدوح نے گذشتہ سترہ سالوں
میں مغربی رجحان طبع کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے ہمیں امید کامل ہے کہ یہ کتاب اہل مغرب کے دل میں کھب
جائیگی اور اس سے اسلام کے متعلق اہل مغرب کے قلوب میں ایک روادارانہ فضا پیدا ہو جائیگی اور ان کے دل محبت اسلام
سے معمور ہو جائیں گے۔ یہ کتاب ان کے دل میں مطالعہ قرآن کی ایک حقیقی دلچسپی پیدا کریگی جس سے انشاء اللہ
حسب دلخواہ شاندار نتائج مرتب ہوں۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ کتاب مذکورہ کے مضامین جو بالاقساط فی الحال رسالہ
اسلامک ریویو میں شائع ہو رہے ہیں۔ اور جن کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع ہو رہا ہے اہل مغرب
کو گو متلاشیان مذہب حقہ کو قائل کر دیں گے کہ اسلام ہی دنیا میں ایک سچا مذہب ہے ہم چاہتے ہیں کہ کتاب
مذکورہ کی یورپ میں کثرت سے مفت اشاعت ہو۔

اپنے نتائج تبلیغ میں بے نظیر کتابیں

جن کے شاندار نتائج نے مصنف کو تمدن اسلام کے لکھنے پر آمادہ کیا یعنی

ینابیع المسیحیت و نبوت کا ظہور اتم

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی مسلم مشن ووکنگ

یہ وہ دو کتابیں ہیں [illegible] اول الذکر کتاب نے عیسائی مذہب کا [illegible]
[illegible] اسلام [illegible] ینابیع المسیحیت نے [illegible] عیسائیت
[illegible] الوہیت و کفارہ مسیح [illegible]

مثلاً عشائے ربانی دیگر اجزائے سکرامنٹ ایسا ہی ان کا بھی تھا۔ مثلاً کرسمس ایسٹر گڈ فرائڈے وغیرہ جو سب کے سب مسیح سے صدیوں پہلے مروجہ مذہب کفریات میں ہو بہو موجود تھے حتی کہ جناب مسیح کے بیس ایک نام جو کلیسیا نے تجویز کئے ہوئے ہیں اور ایسا ہی وہ کلمات جو انجیل نویسوں نے جناب مسیح کی طرف منسوب کئے ہیں وہ سب کے سب قبل از مسیح دکنواری زادہ دیوتاؤں کے نام تھے۔ اور وہ الفاظ بھی ان ہی کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ گویا مروجہ عیسائیت مذہب کفریات کا ایک کامل چربہ ہے۔ یہ بدیہیہ ہے کہ واقعات بھی کو مستند طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور جو آج سات برس تک لاجواب رہے ہیں وہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے بیزار کرنے کیلئے کافی تھے چنانچہ مغرب میں یہ امر شروع ہو گیا۔ اس انہدامی کتاب کے بعد فاضل مصنف نے ضروری سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمد عربی کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے انگریزی میں ایک کتاب آئیڈیل پرافٹ لکھی جس نے آنحضرت صلعم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کی ان دو کتابوں نے جو نتائج پیدا کئے ہیں وہ شاید ہی کسی اور کتاب سے مرتب ہوئے ہوں۔ دو صد سے اوپر نفوس ان کتابوں کو پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ دراصل ان ہی دو کتابوں نے مصنف کو تعلیم قرآن پر ایک لکھنے کے لئے مجبور کیا۔ جو اب تمدن اسلام کی شکل میں پیش ہوتی ہے۔ یہ تینوں کتابیں اس قابل ہیں کہ کوئی مسلم گھر ان سے خالی نہ ہو۔ ان کے مطالب تو خود بخود اپنی علو شان ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ کتابیں اپنی زبان کے لحاظ سے بھی انگریزی و اردو کا ایک بہترین لٹریچر ہے پھر پیرایہ بیان کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ شروع کر کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ اشتہاری لفاظی نہیں۔ اس کا ثبوت اسی کتاب تمدن اسلام سے مل سکتا ہے۔ لکھائی چھپائی تقطیع۔ کاغذ حجم سب سے سب صحافت کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ پھر ان سب باتوں کے باوجود ان کتابوں کی اشاعت عامہ کی خاطر قیمت میں بہت رعایت کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے:۔

ینابیع المسیحیت — نبوت کا ظہور اتم — تمدن اسلام

عمر — عا — حصہ اول عمر حصہ دوم عہ

ذیل کے پتہ سے سب کتابیں مل سکتی ہیں۔

مسلم بک سوسائٹی۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹

بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء
دسمبر

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ

اسلامک ریویو انگریزی مجریہ مسجد ووکنگ (انگلستان)

زیر ادارت

خواجہ کمال الدین

قیمت تین روپیہ آٹھ آنے (۸/۳) سالانہ
قیمت پانچ روپے سالانہ ممالک غیر کیلئے

انتباہ:- درخواستہائے خریداری بنام منیجر رسالہ اشاعت اسلام
عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (پنجاب)

سنہ ۱۹۳۱ء

مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں مولا داد سے چھپوا کر خواجہ عبدالغنی منیجر نے عزیز منزل برانڈرتھ روڈ سے شائع کیا

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام شاہجہان مسجد ووکنگ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
توحید فی الاسلام بلا جلد عہ/ر مجلد	۵؎ر	اُم الالسنہ معروف بہ زندہ کامل زبان بلا جلد ۱۲/ر مجلد	عہ/ر
سلک مروارید معرکۃ الآراء دس لیکچروں کا مجموعہ بلا جلد ۸؎ر	۲؎ر	براہین نیرہ بلا جلد ۱۲/ر مجلد	۲؎ر
ینابیع المسیحیت بلا جلد ۸؎ر مجلد	۲؎ر	پیام اسلام	۸/ر
ضرورت الہام بلا جلد ۱۲/ر مجلد	۱؎ر	مقصد مذہب	۳/ر
رازِ حیات انجیل عمل بلا جلد ۵؎ر مجلد	۱؎ر	خطبات غربیہ بلا جلد ۱۲/ر مجلد	۸؎ر
مکالمات ملیہ بلا جلد ۱۳/ر مجلد	۲؎ر	سیر افکار یاروحانیت فی الاسلام بلا جلد ۱۲/ر مجلد	۱؎ر
مطالعہ اسلام بلا جلد ۱۲/ر مجلد	عہ/ر	ہستئ باری تعالےٰ بلا جلد	۶/ر
اسلام میں کوئی فرقہ نہیں بلا جلد ۱۴/ر مجلد	۲؎ر	یسوع کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت پر ایک نظر	۴/ر
لمعات انوار محمدیہ بلا جلد ۶/ر مجلد	۱۰/ر	اسلام اور علوم جدیدہ	۸/ر
مذہب محبت	۷/ر	صلائے نصرت بہ اہل ہمت	۳/ر
ذراتِ عالم کا مذہب	۸/ر	حیات بعد الموت	۱۲/ر
اُسوۂ حسنہ معروف بہ زندہ و کامل نبی بلا جلد	۷/ر	جسد للبقاء	۴/ر

دیگر مُصنفین

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
جمع قرآن	۱۲/ر	سیرت نبوی - قیمت صرف	۴/ر
قرآن شریف مترجم شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی مجلد	للعہ/ر	لندن میں جلسہ مولود النبی صلعم	۲/ر
دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ بلا جلد	۷/ر	قرآن اور جنگ - قیمت صرف	۳/ر
اسلامی نماز کا فلسفہ قیمت صرف	۴/ر	پادری صاحبان کیلئے حل طلب معمہ	۱۰/ر
تفسیر سورۃ فاتحہ قیمت	۲/ر	سیرۃ خیر البشر بلا جلد عہ/ر مقام حدیث بلا جلد مجلد	۵؎ر
اسلام یعنی ہمدردئ بنی نوع انسان کا مذہب	۲/ر	تصاویر نومسلمانان یورپ فی درجن ۱۰/ر فی درجن	عہ/ر
اسلامی نماز اور اس پر مغربی اعتراض	۱۰/ر	تصاویر نماز عیدین مسجد ووکنگ قیمت فی درجن	۱۰/ر

تمام درخواستیں بنام منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور بھیجنی چاہئیں

J. E. [illegible] Ibrahim [illegible]
born 18[illegible]. Served in the Army and Navy and [illegible]
first lieutenant in 19[illegible]

WHY I BECAME A MUSLIM

Deep down in the human soul there lurks the consciousness of the fact that there does exist the Almighty God. It is more or less dependent upon the circumstances of education and upbringing under which one is born that our definite religious views are shaped. It was exactly so in my case. My parents were strict Catholics and they brought me up a staunch Catholic and [illegible] me out for the priesthood. But fate would have it otherwise and my footsteps took me to the country of Java in the Indies to observe with my own eyes how dearly and faithfully Muslims held their faith

فہرست مضامین

رسالۂ

اشاعت اسلام

۱۰ | بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۳۱ء مطابق ماہ جمادی الثانی و ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ | نمبر ۱۱ و ۱۲

اشاعت اسلام

بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۳۱ء

جلد (۱۷) نمبر ۱۱ و ۱۲

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کو جناب مسٹر جے - ایل - کے - وان بیئم الیاس محمد علی صاحب کے فوٹو سے مزین کیا جاتا ہے - نومسلم موصوف کے حالات زندگی اور ان کا ایک دلچسپ مضمون اس رسالہ میں کسی دوسری جگہ "میں کیوں مسلمان ہوا" کے عنوان سے درج کیا جاتا ہے +

اشاعت حاضرہ سے سترھویں جلد کا اختتام ہوتا ہے - سال رواں کے بلند پایہ مضامین نے علمی - ادبی و مذہبی دنیا کے لٹریچر میں ایک عدیم النظیر اضافہ کیا ہے - حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کا گہر بار قلم - رسالۂ ہذا کے صفحات پر جو دُر بے بہا بکھیرتا رہا ہے - وہ قارئین کرام سے مخفی نہیں - وہ بلند ترین تخیلات کسی قلمی توصیف و تعریف کے منت کش نہیں -

---

آیندہ جنوری ۱۹۳۲ء نمبر کا اسلوب بیان انشاء اللہ اور بھی اچھوتا ہوگا - اس میں بالالتزام شرح کلام مجید ہوگی - جو حضرت خواجہ صاحب موصوف کے تدبر فی القرآن اور افکار کے نتائج ہونگے - اس شرح کی ایک ادنیٰ سی جھلک اُن مضامین سے دکھائی دیتی ہے - جو اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ "نشاۃ کائنات - مسئلہ ارتقا" اور "قرآن کریم ایک معجزہ ہے" کے موضوع سے شائع ہو رہے ہیں +

ان دُر بے بہا سے مسلم بھائی تو ہی مستفید ہو سکتے ہیں - اگر رسالہ ہذا کا حلقۂ اثر وسیع ہو جائے - اسلئے ہماری استدعا ہے - کہ قارئین کرام اپنے حلقۂ اثر میں اسکی توسیع اشاعت فرما کر داخل حسنات ہوں +

عام اقتصادی کساد بازاری - رسالہ کے مالیت پر بھی اثر انداز ہوئی ہے - گذشتہ کئی ماہ سے رسالہ غیر گور شدید ترین مالی پریشانیوں میں محصور رہا ہے - رسالہ کا موجودہ سرمایہ چونکہ منفرد دسمبر کا متحمل نہ تھا - اسلئے ناگزیر مالی مشکلات کے ماتحت ہم اجتماعی نمبر (نومبر و دسمبر ۱۹۳۱ء) شائع کر کے سترھویں جلد کو ختم کرتے ہیں - ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں - کہ وہ ہمیں توفیق دے - کہ سال آیندہ ہم بہتر سے بہتر رنگ میں ناظرین کرام کی خدمت میں اسے پیش کر سکیں - اللہ تعالیٰ نے ہماری مالی مشکلات کو حل فرمائے - اور برادران اسلام کے دل میں اس اسلامی مجلہ کی اعانت کی تحریک ڈالے - آمین ثم آمین +

سال آیندہ کیلئے رسالہ کا بقاء و قیام - قارئین کرام کی توجہ اعانت پر ہی منحصر ہے - جن حضرات کا چندہ اس نمبر کی وصولی پر ختم ہو جاتا ہے وہ احباب اپنا سالانہ چندہ مبلغ ۸ روپے پیشگی بابت سال ۱۹۳۲ء بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں - ڈاکخانہ کے تازہ قواعد سے ترسیل وی - پی میں طرفین کو خواہ مخواہ کی تکلیف و زیر باری ہوگی - ہم دسمبر ۱۹۳۱ء کے اخیر تک منی آرڈروں کی انتظار کے بعد یکم جنوری ۱۹۳۲ء کو ان سب احباب کی خدمت میں رسالہ جنوری ۱۹۳۲ء بذریعہ وی - پی ارسال کر دینگے - جن کا چندہ دسمبر ۱۹۳۱ء کے اخیر ختم ہوتا ہے - اور جن کی طرف سے ۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء تک ہمیں چندہ بذریعہ منی آرڈر نہ ملیگا +

دفتر رسالہ سے بھی منفرداً ہر ایک بہی خواہ رسالہ کی خدمت میں جن کا چندہ دسمبر ۱۹۳۱ء کے اخیر ختم ہوتا ہے اطلاعی کارڈ لکھے جائیں گے -

---

امید ہے - کہ ناظرین کرام امسال خاص توجہ سے کام لینگے +

آنحضرت (صلعم) کی تلوار

رُسوائے عالم رسالہ "مسلم ورلڈ" کے اپریل نمبر میں جو ڈاکٹر زویمر کی ادارت میں شائع ہوتا ہے، ایک تلوار کی رنگین تصویر شائع ہوئی ہے۔ جسے عام طور پر خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کی تلوار قرار دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ تصویر چین سے دستیاب ہوئی ہے جہاں کہ بعض جاہل مسلمان اُسے بطور تعویذ استعمال کرتے تھے۔ اڈیٹر مذکور نے اسکی آڑ میں اسلام کے خلاف پروپاغنڈا کرنے کی تجویز کی ہے۔ اور بڑی کوشش اس امر کے ثابت کرنے کے لئے صرف کی ہے۔ کہ یہ تلوار دراصل آنحضرت صلعم کی ہے۔ اور آپؐ کی جنگجویانہ تعلیمات کے ساتھ یہ بھی آپؐ کے پیروؤں کے حصہ میں آئی تھی۔ ڈاکٹر موصوف کی اس ذہانت کی داد دینی چاہئے کہ اس نے یہ امر معلوم کرلیا۔ کہ ادبی اور منطقی مُوشگافیوں کے مقابلہ میں تلوار کی تصویر بہت زیادہ جاذبِ توجہ ہوسکتی ہے۔ لیکن تمام کوششوں کے باوجود ڈاکٹر مذکور اس دعوے کو کسی ایک روایت یا حدیث سے ثابت نہیں کرسکا۔ کہ آپؐ نے اس تلوار سے جسے آپؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کبھی کسی کافر کا سرتن سے جُدا کیا ہو۔ تاہم اس نے اپنے مضمون کا عنوان سراسر شرارت انگیز رکھا ہے۔ یعنی "محمدؐ اور علیؓ کی تلوار" اس نے کارلائل کی کتاب سے یہ فقرہ بھی نقل کیا ہے۔ جو نظریہ شمشیر کی تردید کرتا ہے "بیشک تلوار! لیکن تم تلوار کہاں سے حاصل کروگے"؟ تعجب ہے۔ کہ کارلائل کے اس اعتراض کا ڈاکٹر مذکور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ کہدیا۔ کہ بہرکیف آنحضرت صلعم کو تلوار حاصل ہوگئی۔ اور اسلام نے تلوار کا بہت کچھ استعمال کیا ہے۔ اور جنگ بدر کے ضمن میں کئی ایک افسانے بھی وضع کردیئے ہیں۔ اگر ہم اس مضمون کو دیدہ و دانستہ غلط بیانی نہ سمجھتے ہوتے تو شاید ڈاکٹر مذکور کو بتاتے کہ جنگ بدر اور دیگر لڑائیاں آنحضرت صلعم کو کن کن حالات کے ماتحت لڑنی پڑیں۔ اور یہ بھی بتاتے کہ اسلام کے جانی دُشمنوں کے ساتھ آپؐ کا طرزِ عمل کس قسم کا تھا۔ بہرکیف جب تک مدافعت جنگ دینداری عیسائیوں اور بدی کا مقابلہ کرنے والوں کے نزدیک مذموم نہیں اسوقت

نظ جنگ و جدل کے ضوابط جیسا کہ قرآن میں مذکور ہیں۔ ابنی نوع آدم کی ہدایت کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتے رہینگے اور محمد (صلعم) کی تلوار کی حمایت میں کچھ کہنے کی حاجت نہ ہوگی۔ اگرچہ آپ خود بھی ذاتی طور پر اس کے استعمال سے نفور تھے اور نہ کبھی اپنے لئے اسکو استعمال کیا۔

یسوع مسیح کی تلوار لیکن ہمارے عیسائی دوست صلح کے شہزادہ کی بابت کیا کہینگے جیسے ڈاکٹر زویمر کے عقیدہ میں خدا کا "بیٹا" بیان کیا جاتا ہے؟ کیا تلوار اس کے نام سے منسوب۔ مذہب کا جزو نہیں رہی ہے؟

کارلائل لکھتا ہے "مسیحی مذہب میں بھی ہمیشہ تلوار سے اجتناب نہیں کیا گیا" شارلیمن نے سیکسن اقوام کو وعظ و نصیحت کی مدد سے مسیحی مذہب میں داخل نہیں کیا تھا ڈاکٹر زویمر کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ کیا وہ یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ مسلمان حروب صلیبی کو فراموش کردیں گے؟ اور محکمۂ احتساب کو دلوں سے محو کردیا جائے؟ اور خود انجیل بھی تو اس الزام سے محفوظ نہیں کہ اس نے مسیحیوں میں تعصب مذہبی پیدا کیا۔ جس کی وجہ سے بہت خونریزی وقوع میں آئی۔ کیا انجیل میں یہ نہیں لکھا؟ تب اس نے شاگردوں سے کہا جس کے پاس کیسہ ہو چاہیئے کہ اسے لے لے اور ساتھ ہی اپنے پارچہ جات بھی اور جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے (لوقا ۲۲ : ۳۶) یسوع کے اس قول کی موجودگی میں جو انجیل میں مذکور ہے۔ کوئی مسیحی نہیں کر سکتا یسوع کو اگر موقع ملتا تو وہ اپنے دشمنوں سے جنگ نہ کرتا لیکن وہ مسلح فوج تیار کرنے میں اس لئے کامیاب نہ ہو سکا۔ کہ اس کے پیرو وفادار نہ تھے تو یہ بات اسے اسکے جنگجویانہ طرز عمل سے بری نہیں کر سکتی۔ اور اگر اس نے فوج کشی نہیں کی تو بھی تلوار کے استعمال کی منظوری آیندہ مسیحی نسلوں کے لئے کافی محرک ہوگئی اور جب انھیں موقع ملا تو انہوں نے تلوار کے زور سے مخالفت کا قلع قمع کر کے رکھدیا فقرات ذیل کہ ہماری بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیگی:۔

اور دیکھو ان میں سے ایک نے جو یسوع کے ساتھ تھے ایک ہاتھ بڑھایا تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے ملازم کا کان اُڑا دیا۔ تب یسوع نے اس سے کہا۔ اپنی تلوار نیام میں کر کیونکہ وہ سب جو تلوار چلاتے ہیں تلوار ہی سے قتل کئے جاتے ہیں (متی ۲۶ : ۵۱ و ۵۲) +

اور ایک نے جو نزدیک ہی کھڑا تھا تلوار کھینچ لی۔ اور سردار کاہن کے نوکر کا کان اُڑا دیا۔ تب یسوع نے اس سے کہا کہ اپنی تلوار نیام میں کر لے (مرقس ۱۴ : ۴۷ و ۴۸) +

اور اُن میں سے ایک نے سردار کاہن کے نوکر کا کان اُڑا دیا۔ یسوع نے کہا بس رہنے دے۔ پھر اُس نے اس کا کان چھو کر اچھا کر دیا (لوقا ۲۲ : ۵۰ و ۵۱)

تب پطرس نے تلوار نکالی اور سردار کاہن کے ملازم کا کان کاٹ دیا۔ اور یسوع نے اُس سے کہا۔ اپنی تلوار نیام میں رکھ لے کیا میں وہ پیالہ نہ پیوں جو میرے باپ نے مجھے عنایت کیا ہے؟ یوحنا ۱۸/۱۱

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:-

(۱) چاروں انجیل نگار متفق ہیں۔ کہ یسوع کی حفاظت کیلئے تلوار چلائی گئی +

(۲) یسوع نے اپنی زبان سے اس فعل کی کوئی مذمت نہیں کی (یاد رہے۔ کہ انجیلی یسوع یہودیوں کی غلطیوں پر انھیں سختی کے ساتھ سرزنش کرتا ہے) +

(۳) یسوع کے الفاظ' اختصار کے ساتھ اس فعل کا جواز ثابت کرتے ہیں +

(۴) شاگردوں کا یہ تشدد آمیز فعل یسوع کے الفاظ مندرجہ لوقا ۲۲ : ۳۶ کا نتیجہ ہے

افسوس ہے کہ آیندہ نسلوں نے یسوع کے الفاظ کو مدارِ عمل بنا لیا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو آج جو الزام مسیحیت پر عاید ہو رہا ہے وہ نہ ہوتا۔ اگرچہ پروٹسٹنٹ لوگ جنگ مقدس یعنی حروب صلیبی کو ناروا ٹھیراتے ہیں لیکن کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ اگر ان لوگوں کو اپنے مقاصد میں کامیابی ہوتی تو ان کا طرزِ عمل کیا ہوتا +

رو اپنی تلوار یہ غیر مناسب ہے کہ آئے دن صداقت اور انصاف کی حمایت تلوار کے زور سے کی جائے۔ لیکن کوئی بھی ہوتا آیا ہے۔ وہ امر جسے شجاعت کہتے ہیں۔ اور جو آج بھی اسی قدر

ضروری ہے۔ جسقدر پہلے تھی، اگرچہ اس کی صورت بدل جائے لیکن ہر قوم اور ہر زمانہ میں جلوہ گر رہی ہے۔ اور تعریف کے جذبہ نے لوگوں کو ہمیشہ کیلئے اس طرف راغب کیا ہے کہ وہ ان بہادروں کی یادگاریں قائم کریں۔ قدیم زمانہ میں بہادروں سے توقع کی جاتی تھی۔ کہ وہ تن تنہا دشمن کا تلوار یا کسی اور ہتھیار سے مقابلہ کرے۔ اور یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ ہمارے زمانہ کے طریق اس زمانہ سے بہتر یا بدتر ہیں۔ بہرکیف خواہ کچھ ہو چونکہ لڑنا ہی ایک ایسا طریق تھا جو انھیں معلوم تھا۔ اس لئے بعض اسلحہ اور بعض حیوانات ان کے ناموں کے ساتھ منسوب ہو گئے۔ اسی لئے ہم بعض اقوام کے تاریخی حالات میں تلوار یا نیزہ، گھوڑے یا ہاتھی کا ذکر پڑھتے ہیں۔ کہ وہ بھی مالک کے ساتھ شہرت میں شریک ہیں۔ یہ تو ایک عالمگیر امر ہے۔ اور شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جسمیں اس قسم کی کوئی چیز محفوظ نہ ہو۔ افسوس یہ ہے۔ کہ ابتدائی چند صدیوں میں مسیحیوں کو بہادری دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ اور غالباً مسیحیت اس کمزوری پر مُنتاسّف بھی ہوگی۔ کہ میری قومی تاریخ اس عنصر سے یکسر خالی ہے۔ لیکن جب بُت پرستوں نے اس مذہب کو قبول کیا تو انھوں نے اس نقصان کی تلافی کر دی۔ اور اس دن ہی سے آج تک مسیحیوں نے اپنے قومی بہادروں کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور شیمپین۔ شیولری۔ نائیٹ ہڈ وغیرہ۔ وغیرہ الفاظ تلوار اور جنگ وجدل سے وابستہ ہیں تو پھر اگر مسلمانوں نے تلوار کے متعلق کوئی روایت محفوظ رکھی ہے تو اسمیں ان پر کون سا الزام ہے؟ اگر کنگ ارتھر اور اس کی تلوار کے فسانے جو دراصل محض قصے کہانیاں ہیں؟ مسیحی شعرا کی نظموں کے موضوع بن سکتے ہیں۔ تو اگر چھٹی صدی ہجری کے شاعروں نے تلوار یا گھوڑے کی تعریف میں نظمیں لکھ دیں تو کیا قیامت ہو گئی۔ جب کہ وہ لوگ خود جرأت اور شجاعت کے مالک تھے۔ اور اس صفت کو محمود خیال کرتے تھے؟

مسیحی رجحان ناقابل تشریح ہے — ہمیں تو مسیحیوں کا مذہبی طرز خیال ہمیشہ سے ایک معمہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ مسیحیت نے تشدد کے استعمال میں کبھی بُخل سے کام نہیں لیا لیکن جب وہ آنحضرت صلعم کا بحیثیت

ایک سپاہی کے تصور کرتے ہیں۔ تو خدا معلوم کیوں لرزہ براندام ہو جاتے ہیں؟ اور کیا یہ امر واقعی نہیں کہ آج بھی جب افواج میدان جنگ کو جاتی ہیں۔ تو پادری انھیں برکت دیتا ہے؟ اسلامی دنیا نے تو اپنے عروج کے ایام میں بھی اتنی افواج بھرتی نہیں کیں کہ بعد ازاں ان کو برخاست کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اور اگر آج لوگ کلیسیاء کے کہنے پر چلنا شروع کر دیں تو فرڈیننڈ اور فلپ آف سپین کا زمانہ دوبارہ شروع ہو جائے۔ صلیبی پیغام کے حاملین اسلام کے خلاف جس مجنونانہ جذبہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسے دیکھتے ہوئے یہ قیاس بالکل قرین وقوع معلوم ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف تبلیغی قوت کا سارا غصہ محض اس لئے ہے۔ کہ مسلمان اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ جو آواز حق عرب کے صحرا سے بلند ہوئی تھی۔ اسے یسوع کے نام کی آڑ میں دنیا سے مٹا دیا جائے۔ اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہو تو پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ جنگ کی طرف مسیحیوں کا طرز عمل ہمیشہ ایک راز بنا رہیگا۔

مسلمانوں کو سبق | اگرچہ ڈاکٹر زویمر اور اس کے رفقا کا یہ طرز عمل نہایت ضرر انگیز ہے۔ تاہم اس میں ہم مسلمانوں کیلئے ایک سبق مضمر ہے۔ وہ یہ کہ ہمیں اپنے اندر زیادہ تر مذہبی احساس پیدا کرنا چاہئے۔ یہ تو ہماری ہی غفلت کا نتیجہ ہے۔ کہ اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں۔ کیونکہ غلط فہمی اسی وقت پھیلائی جا سکتی ہے۔ جبکہ جہالت موجود ہو۔ اگر ڈاکٹر زویمر اور اسی وضع وقماش کے دوسرے لوگوں کو اسلام کے متعلق غلط بیانی کی جرات ہوتی ہے۔ تو اسکی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ عامۃ الناس اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اسکی ذمہ واری تمامتر ہم پر عاید ہوتی ہے۔ بیشک مسلمان اس معاملہ میں قابل الزام ہیں۔ پس مناسب ہے۔ کہ ہم اس تغافل شعاری کو ترک کریں۔ اور اب دل وجان سے اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں مشغول ہو جائیں۔ اگر سوسائٹی کی پابندیاں تقریری پروگرام میں حائل ہوں۔ تو اس کا بدل یہ ہے کہ ہم سلسلہ کے متعلق اعلیٰ درجہ کا لٹریچر شائع کریں۔ اور ناواقف طبقہ میں اسکی اشاعت کا سامان کریں۔ تاکہ وہ حکم الٰہی پورا ہو۔ جس میں کوشش کرنیکے مقابلہ میں ایک زبردست کوشش اس (قرآن) کی مدد سے (قرآن مجید ۲۵ : ۵)

مسلم مشن ووکنگ انگلستان کا مکتوب

جناب جے۔ ایل۔ سی۔ ایچ۔ حلیم الیاس محمدؐ علی صاحب

کا

اعلان اسلام

جناب الیاس محمد علی صاحب ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بری و بحری فوجی ملازمت کی ۱۹۱۹ء میں فرسٹ لیفٹیننٹ کے عہدے پر آپ کو پنشن ملی۔

میں کیوں مسلمان ہوا

روح انسانی کی اتھاہ گہرائیوں میں قادر مطلق کی ہستی کا احساس مستور ہے۔ یہ احساس بار ہا تعالیٰ کم و بیش نواحی تعلیمی حالات پر منحصر ہے اور اس ماحول پر بھی بہت حد تک اس کا حصر ہے۔ کہ جس کے اندر کسی نے نشوونما پائی ہو۔ کیونکہ ہمارے مختصر مذہبی خیالات اسی ماحول کے اندر ڈھلتے ہیں۔ امور بالا لعینہٖ میرے حسب حال تھے۔ میرے والدین کٹر کیتھولک تھے۔ انہوں نے کٹر کیتھولک تعلیم مجھ کو دے کر پادری بنانا چاہا۔ لیکن قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اتفاق حسنہ سے میں مشرق بعید۔ ملک جاوا میں چلا گیا۔ اور مجھے خود اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن و دیگر حالات و اخلاق ان کے اندر رہ کر دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے شدید الفت ہے مسلمان اپنے دین کے سچے وفادار ہیں۔ ان ہی مشاہدات نے میری آنکھیں کھول دیں انہوں نے پادر صاحبان کے اس کذب و افترا کے پول کو بے نقاب کر دیا۔ جو وہ مسلمانوں کے سر تھوپ رہے تھے۔ میں نے پادریوں سے اکثر مسلمانوں کو کافر کہتے ہوئے سنا۔ وہ مذہب اسلام جنہیں پادر صاحبان بدنما دھبوں سے ملوث کر کے بدنام کیا کرتے تھے۔ اور جیسے وہ ناقابل عمل و قابل نفرت مذہب سمجھ کر ٹھکرایا کرتے تھے۔ وہ پیارا مذہب اسلام ایسا نہیں۔ یہ محض ان کا جھوٹا پروپاگنڈا ہے۔ اور اسلام پر محض افترا اور بہتان ہے + جو بالکل بے بنیاد ہے اسلام کی صداقت ہونے کی وجہ سے آج سے چھ سال پیشتر ہی سے میں نے اسلام کی حمایت و صلیت کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ اور اسی وقت سے میں باطل و نارواشکوک و شبہات کے بالمقابل۔ دنیا کے مذاہب میں اسلام کو اس کی حقیقی و جائز جگہ دلانے کے لئے ہمہ تن مصروف عمل ہو گیا۔ اس مقصد عظیم میں میں نے بعض مقتدر نمایاں و نیک دل حضرات کی استمداد بھی حاصل کی۔ اور ہالینڈ میں بھی اسی شان و شکوہ والی مسجد کی تعمیر کا متمنی ہوا۔ جو لنڈن۔ برلن اور پیرس میں موجود ہے۔ رفتہ رفتہ مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوتی گئی کہ اسلام کیلئے یکے دو کو جاری مکتب از بس ضروری ہے۔ اسی اثنا میں میں نے بعض مخلص مسلم بھائیوں کی عنایات و توجہ سے اسلام کے متعلق بہت کچھ سیکھ لیا۔ قرآن مجید کے کما حقہٗ مطالعہ کے بعد یہ امر مجھ پر متحقق ہو گیا۔ کہ میرا تو مذہب ہی ہمیشہ سے غیر محسوس طور سے اسلام رہا ہے۔ موجودہ اظہار اسلام سے غرض صرف اتنا ہے۔ کہ اب میں علانیہ طور پر اسلام کی قبولیت کا اعلان کر رہا ہوں۔ ورنہ عملاً تو سالہا سال سے میں فطری اصول ہائے اسلامی کا پابند رہا ہوں۔ جب اعلان کیے سے اس وقت میں از حد مسرور ہوں۔ اب میں محسوس کر رہا ہوں۔ کہ مسلمانوں بھائیوں کے اندر رہ کر مجھ پر یہ زلیستہ نہ بہت عاید ہوتی ہے۔ کہ میں ان کے ساتھ ملکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کروں۔ اور کل نسل انسانی کی نجات کے لئے مساعی ہوں +

یہ امر میری اشد شدید تکالیف کا موجب ہوتا ہے۔ کہ میں نے کیوں آج سے چند برس پیشتر ہی اس پیارے مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا۔ اس تحریر کو اب میں ختم کرتا ہوں۔ اور حتمی وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آج سے میری باقی زندگی دنیا کے بہترین مذہب الاسلام کی خدمت اور حفاظت کے لئے وقف ہو چکی +

جے۔ ایل۔ سی۔ ایچ۔ حلیم
الیاس محمد علی

حج کا حج اور نج کا نج

اس ضرب المثل کی مصداق اگر کوئی چیز اس وقت ہو سکتی ہے تو وہ - وہ بات ہے جس کی طرف میں نے چند صفحات میں مسلم قوم کو متوجہ کیا ہے - یہ میرے ہی خیالات نہیں - بلکہ مغرب کی ایک مسلم اور قابلِ عزت ہستی بھی یہی بات کہتی ہے - اس کو میری مراد انگلستان کے مشہور مصنّف برنارڈ شا سے ہے - انہوں نے حال ہی میں لکھا ہے - کہ "انگلستان بالخصوص اور باقی مغربی دُنیا علی العموم ایک سَو سال کے اندر طوعاً و کرہاً مسلمان ہو جائیگی" +

مسٹر برنارڈ شا - ایک بالغ نگاہ کا مصنف ہے، میں نے تو اس وقت نتیجہ نکالا جب معاملہ سطح پر آگیا - لیکن برنارڈ شا چونکہ ان میں سے ہے - اور کُل اندرونی تحریکات کو چھُو جاتا ہے - لہٰذا اُس نے ان تحریکات کو بے نقاب کر دیا ہے - اسی بُڈھے کا چند سال ہوئے ایک مقولہ ہے کہ "اگر کوئی مذہب قابلِ قبولیت ہے تو اسلام ہے" +

یہ ظاہر ہے - کہ اشاعتِ اسلام کا رستہ وہی ہے - جو میں تجویز کرتا ہوں - عام اس کے کہ میں کروں یا کوئی اَور کرے - میں نے اپنی تجویز میں آسان سے آسان اور کم خرچ راستہ نکال دیا ہے - جس سے کہ ہم چند روپے خرچ کر کے اشاعتِ اسلام کے مستحق ہو سکتے ہیں - تو یہ اگر حج کا حج اور نج کا نج نہیں ہے تو اَور کیا چیز ہے :-

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر لکھتا ہوں - کہ میری خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں میں قوم کا بے زر خادم ہوں - چنانچہ خدمات قلمی کے علاوہ میں اپنی اس نئی تصانیف میں بیس فیصدی روپیہ اس کام کے لئے دیتا ہوں - اس لئے میری دوسرے مسلم بھائیوں سے استدعا ہے - کہ وہ بھی اس نیک کام میں حصّہ لے کر داخلِ حسنات ہوں :-

خادم

خواجہ کمال الدین بانئ مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

عزیز منزل براندرتھ روڈ لاہور

مغرب میں فروغ اسلام کے متعلق ایک جدید مژدہ

ضروریات حاضرہ کے ماتحت ایک جدید شرح قرآن مجید کی ضرورت

مغربی فضلائے مسیحیت کی جماعت کا عقاید عیسائیت سے انکار

پادری فلکسیار کہتے ہیں مجھے بستر پر پڑے کچھ اوپر پانچ سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں میری مرض نے مہلک سے مہلک شکل اختیار کر لی۔ ذیابیطس نے مزمن ہو کر سل کو پیدا کر دیا۔ تین دفعہ موت کامل رنگ میں سامنے آگئی۔ اپنے بیگانے میری زندگی سے مایوس ہو گئے لیکن خداتعالیٰ نے کسی خدمت خاصہ اور اس کی کامیابی دیکھنے کیلئے مجھے از سر نو زندہ کیا۔ اگست سنہ ۱۹۳۰ء میں مہلک بیماری کا خاتمہ ہو گیا لیکن مصلحت ربی نے مجھے آج تک غالباً اسلیئے بستر پر لٹائے رکھا کہ میں اس کام کی تیاری کروں جس کیلئے زندگی کا نیا اجارہ مجھے بخشا گیا ہے۔ مرض کے خطرناک سے خطرناک مرحلے پر بھی نہ میری زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ میرے چہرے پر تکلیف کے آثار نظر آئے۔ اس کی یہی وجہ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ جس کام کیلئے میں پیدا ہوا ہوں وہ بوجہ احسن پورا ہو چکا ہے اور مجھے بطیب خاطر یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ تخیل عیسائیت جس کی جڑیں سرزمین مغرب میں کامل طور پر مضبوط ہو چکی تھیں اُسے میں نے جڑھ سے اُکھڑتا دیکھا۔ جن کلیسوں [illegible] میں میرے لیٹنے جانے پر سنہ ۱۹۱۲ء میں اتوار کے دن ایک تل رکھنے کی گنجائش نہ دیکھی انہیں سنہ ۱۹۲۵ء میں قریب قریب خالی دیکھا۔ اگر سنہ ۱۹۲۳ء میں میں نے ایک کتاب کے ذریعہ یہ اعلان کیا۔ کہ عیسویت اپنی موجودہ شکل میں یورپ کے قدیم مذہب کفار کا مثنیٰ ہے تو آج اس آواز کو میں مغرب کے در و دیوار میں گونجتا پاتا ہوں۔ عام طور پر یورپ کہ رہا ہے کہ یہاں عیسائیت کے لباس میں سورج پرستی ہو رہی ہے۔ میں نے اس معاملے میں اس وقت بڑے سے بڑے پادریوں کو اپنا ہم نوا پایا۔ دوسری طرف اسلامی تخم ریزی سرزمین تثلیث میں نہ صرف فی الفور نورس ہی بن گئی۔ بلکہ وہی نورس دیکھتے دیکھتے ایک چھوٹا سا باثمر درخت ہو گیا۔ جہاں سینکڑوں کی تعداد

میں انگریزی قوم حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئی - وہاں ہماری تحریک نے لکھوکھا انسان مغرب میں ایسے پیدا کر دیئے - جنہوں نے اعلانِ اسلام کرنے کے بغیر عقاید اسلامی کو اپنے معتقدات میں شامل کر لیا۔ اس قسم کی کامیابی کو ایک سترہ اٹھارہ سال میں دیکھ کر اگر میں سجداتِ شکر ادا کرتا ہُوا خوشی سے دُنیا کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہو جاتا تو میں اپنے آپ کو کافرِ نعمت سمجھتا لیکن اس شکور خدا تعالیٰ نے کلا زید شکر نعمتی کا رنگ بھی مجھے دکھانا چاہا - جب میں نے ان خطرناک بیماریوں سے نجات پائی تو یکلخت میری طبیعت اس تلاش کی طرف مائل ہو گئی - کہ اہلِ سائنس نے اپنی تحقیقات کی رُو سے ہستیٔ باری تعالیٰ پر از سرِ نو ایمان لا کر کن وجوہ سے انکار مذہب کر دیا - مجھے وہ وجوہ نہ صرف وزنی ہی نظر آئے بلکہ مجھے یہ بھی نظر آیا - کہ دیگر مذاہب میں جن امور کے ہونے سے فضلائے زمانہ مذہب کو خیرباد کہنے پر تیار ہیں - وہ بشکلِ احسن قرآن کریم میں موجود ہیں - اس وقت قرآنِ کریم کی ایک زبردست پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آ گیا ہے یعنی جب اسلامی اصول کُل ادیان پر غالب آ جائیں گے - مغرب و مشرق چھوڑ برادرانِ وطن جیسے قدامت پرستوں نے بعض اصول ہائے اسلام کو قبول کرنے کیلئے آمادگی ظاہر کر دی ہے - جن مُرون جس نے مذہب کو اپنے مُلک سے نکال دیا - وہ بھی تو انھیں اصولوں کی ترویج کر رہا ہے - جن کو ایک بے ضرر شکل میں سب سے اوّل قرآن نے تعلیم کیا - میں نے برابر ایک سال بستر پہ لیٹے لیٹے اس نکتۂ نگاہ سے خُدا کی آخری کتاب پر غور کیا - اور میں تیار ہو گیا - کہ ضروریاتِ حاضرہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی ایک شرح لکھوں - میں اسی ارادے میں تھا کہ اسلامک ریویو مجریہ ستمبر گذشتہ نے ایک عظیم الشان بشارت کا اعلان کیا - وہ یہ ہے کہ عیسائی فرقہ جدید کے ایک رکن رکین یعنی ڈاکٹر بارنس لشپ برمنگھم نے اعلان کیا ہے - کہ وہ مروجہ عقاید عیسائیت کو چھوڑ کر کسی نئے عقیدہ کے بنانے کے فکر میں ہیں یعنی کلیسیا نے جن عقاید کا نام بطور کریڈ (اصولِ مذہب) اعلان کیا ہوا ہے - وہ صحیح نہیں +

اگر نئی عمارت کیلئے پُرانے کھنڈرات کے دفینہ کی ضرورت ہو تو اس کی قوم کتنی صاحب بد

یکو تو ہی قبول کر سکتی ہے جب وہ اپنے پہلے مذہب کو چھوڑ دے۔ کل امور انسانی میں جیسے پہلے انہدام ایک امر ضروری ہے۔ مغرب مسلمان نہ ہو سکتا تھا۔ جب تک کلیسیت کا وہاں قلع قمع نہ ہو جاتا۔ میں کیا اگر لاکھ کمال الدین بھی وہاں جاتے تو اتنی جلدی عیسائیت یورپ سے جلاوطن ہونے کے قریب نہ ہو جاتی۔ لیکن ذوالعجائب خدا نے اس کام کیلئے خود عیسائیوں میں سے ایک جماعت کھڑی کر دی۔ ہاں یہ مجھ پر خاص فضل ہوا۔ کہ جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ مدت سے ایک جماعت کو تیار کر رہا تھا۔ اُن کے عملی کام نے میرے جانے کے تیسرے سال بعد یعنی ۱۹۱۵ء میں ایک زبردست شکل اختیار کی۔ خدائے برتر کے نہ ٹلنے والے ارادے مسلم مشن کی بنیاد کے بعد ظاہر ہونے لگے۔

اس زبردست عیسائی جماعت کا نام موڈرنسٹ ہے۔ ان میں کثرت سے بشپ موجود ہیں۔ ان کے علاوہ عیسویت کے بڑے بڑے اہل قلم فضلاء بھی اس گروہ میں شامل ہو چکے ہیں۔ جو بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی تحقیق کی اشاعت کر رہے ہیں۔ میں نے کل ہی اسلامک ریویو کیلئے ایک مضمون لکھا ہے جو آیندہ دسمبر میں شائع ہو گا۔ اس میں اُن بزرگوں کے گذشتہ پندرہ سال کی کارروائی پر ایک مختصر سا تبصرہ کیا ہے۔ جنہیں امور ذیل کے علاوہ بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ یہ دیکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ ان میں سے بعض بشپ اپنے اپنے حلقہ میں کلیسیہ کے مخالف تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن یُوں کا افسر جو کنٹربری کا آرچ بشپ ہے۔ وہ بالکل خاموش ہے۔ ہر سال یہ لوگ کانفرنس کرتے ہیں۔ اُنہوں نے تو کئی ایک باتیں تجویز کی ہیں۔ لیکن میں ان میں سے یہاں چند امور درج کرتا ہوں۔ جس سے نظر آ جائیگا۔ کہ یہ لوگ اسلام کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔

(الف) مروجہ کلیسیا کی بنا جناب مسیح نے نہیں ڈالی۔ وہ موسوی شریعت کے پابند تھے وہ کوئی نیا مذہب قائم کرنے نہ آئے تھے بعض امور میں اُنہوں نے مروجہ باتوں کی اصلاح کرنی چاہی (کلیسیا کی مراد الوہیت کفارہ مسیح وغیرہ عقائد میں)۔

(ب) بائبل محرف ہے۔

(ج) جناب مسیح کسی معنے میں خدا نہ تھے۔ وہ ہر طرح انسان تھے۔

(د) کلیسیا کی مروجہ مذہبی رسومات یعنی عشاء ربانی وغیرہ اپنی موجودہ شکل میں محض زم یعنی بت پرستی کی ...

(ہ) انسان ایک مکمل فطرت لیکر دنیا میں آتا ہے جو گناہ سے پاک ہوتی ہے +

(و) دنیا میں خدا انسان کی شکل میں نہیں آتا۔ ہاں انسان اخلاق خداوندی اختیار کرلیتا ہے +

(ز) جناب مسیح نے کبھی تعلیم نہیں دی کہ وہ خدا تھے +

اسی طرح دو چار امور اور بھی ہیں جو موڈرنسٹ نے عیسائی معتقدات سے خارج کر دیئے ہیں۔ انہوں نے ان چند سالوں میں عیسائیت کو کل تعلیمات باطلہ سے پاک کر کے آج ۱۹۲۱ء میں یہ اعلان کیا ہے کہ اب انہیں عیسوی کریڈ (عقیدہ مذہب) کو بھی بدلنا چاہیے۔ کریڈ سے انکی غرض وہ انتالیس عقاید ہیں جنہیں انگلستانی کلیسیا نے بطور مذہب مدت سے تجویز کر رکھا ہے اور جس پر ملک کا ایمان ہے۔ اسطرح یہ بزرگ کل کی کل کلیسوی تعلیم توڑ کر اب ان اصول حقہ کی تلاش میں لگ گئے ہیں جن پر وہ اپنے لئے کسی نئے مذہب کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں یا بالفاظ دیگر وہ مروجہ عیسوی مذہب کو باطل قرار دیکر آئندہ ان اصولوں کی تلاش و تجویز میں ہونگے جن پر وہ مذہب کی بنیاد رکھیں گے لیکن اس وقت انکے ہاتھ صرف دو امور ہیں۔ ایک ہستی باریتعالی پر ایمان دوسرا یہ کہ مسیح ایک نبی تھے وہ کیا تعلیم لائے تھے۔ یہ اب انہیں خود تجویز کرنی ہوگی +

میں نے اپنے تبصرہ میں یہ بھی دکھلایا ہے کہ ان فضلاء نے جو تحقیق کی وہ وہی ہے جو قرآن نے تعلیم کی ہے تاہم یہ بھی بات ہے کہ جب یہ غلط تعلیمات تیسری صدی سے شروع ہو کر پانچویں صدی تک مذہب کفریات سے عیسائی مذہب میں آ شامل ہوئی تھیں۔ تو یہ تو خدا تعالی کا فرض تھا۔ کہ وہ چھٹی صدی میں عیسائی مذہب کی اصلاح کرتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت قرآن کریم نے آکر وہی امور سکھلائے جن کی پیروی لفظ بلفظ آج موڈرنسٹ نے کی۔ اب جو وہ نئے عقاید بنانا چاہتے ہیں۔ تو وہ کیوں نہ قرآن کریم کی تعلیم سے اس امر کیلئے مستفید ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کو اس تعلیم سے آگاہ کرنا کن کا فرض ہے۔ یہ کام تو ہمارا ہے۔ کس قدر خدا تعالی کا احسان ہے کہ اس نے چند سالوں میں انہدام عیسائیت کو خود عیسائیوں کے ہاتھ سے ہی کرلیا۔ ہاں جس کا جو کام تھا وہ تو کر چکا۔ اب باقی کا کام مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ قرآن کریم کی جو تعلیم ہے کہ خدا تعالی تو نبی صلعم پر درود بھیجتا ہے مسلمانو! تم بھی بھیجو۔ اس کے اصل لغوی معنے بتشریح تاج العروس یہ ہیں۔ کہ خدا تعالی اور اس کے ملائک آنحضرت کے مشن کی سرسبزی کیلئے کام کر رہے ہیں مسلمانو تم بھی وہی کرو۔ اس ارشاد ربی کے ماتحت ہمارا فرض ہے کہ موڈرنسٹوں کو نئے عقیدہ کے بنانے میں امداد دیں۔ اور اس طرح انہیں اسلام کی طرف لائیں۔ زمانہ

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما +

کی نئی پیدا کردہ ضروریات اور آرا کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کو پیش کریں۔ یہ تو صریح بات ہے کہ موڈرنسٹ کوئی بہتر سی بہتر امر اپنے عقیدہ کے لئے تجویز نہیں کر سکتے۔ جو قرآن کریم نے تعلیم نہ فرمایا ہو۔ ان تیرہ سالوں میں بھی اُنہوں نے قرآن کی ہی پیروی کی۔ اسی لئے میں نے اپنے محولہ بالا ال کے مضمون میں بھی عرض کیا ہے۔ کہ یکم جنوری سے میں اُن کے لئے قرآن کریم کی ایک نئی شرح لکھنی شروع کر دوں گا جسے وہ اس نیک کام میں اپنے سامنے رکھ لیں۔ وہ آگے بھی ہماری تحریر سے نا آشنا نہیں چنانچہ جب انھوں نے یہ اعلان کیا۔ کہ انسان متخلق باخلاق الٰہیہ ہو کر الوہیت کے مقام کی طرف صعود کر سکتا ہے۔ جس کا خلاصہ میں نے ضمن (ف) مذکورہ بالا میں دیا ہے۔ تو کلیسیا کے ایک مؤقر اخبار موسوم بہ چرچ ٹائمز نے بھی لکھا کہ تم تو عموماً وہی کہتے ہو جو خواجہ کمال الدین کہتا ہے۔ تم کیوں مسلمان نہیں ہو جاتے؟+

اس قسم کی شرح قرآن سے اہلِ سائنس بھی بطیب خاطر مائل بہ اسلام ہو سکتے ہیں وہ خدا کی ہستی کے تو قائل ہو چکے ہیں۔ وہ اُسے ہادی بھی مانتے ہیں۔ ہاں اُن کے اپنے مذہب میں چونکہ وہ امورِ عالیہ نہیں جن کا نام وہ مذہب حقہ رکھیں۔ اسلئے وہ اس سے بیزار ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں۔ میں اُن سے اچھی طرح واقف ہوں۔ چنانچہ اُن کی بیس[۲۰] ایک باتوں کو میں نے اپنی کتاب تمدن اسلام میں درج کیا ہے۔ جب یہ بزرگ اپنے مطلوبہ امور کو قرآن کریم میں پائینگے۔ تو کیوں وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ وہ تو آج بھی اسلام کو دوسرے مذاہب پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے تمدن اسلام کو انگریزی میں لکھنے کے علاوہ پچھلے سال قرآن کریم کے بعض مضامین پر چند آرٹیکل اسلامک ریویو میں بھی تجربۃً لکھے۔ اور میں نے اپنے تجربہ کو صحیح پایا+

مجوزہ شرح قرآن کریم تو انشاء اللہ میں لکھونگا۔ لیکن اُس کا موڈرنسٹ یا اہلِ سائنس تک پہنچانا تو اسی ہو سکتا ہے۔ جب میرے ساتھ برادران اسلام شریک ہو کر اس مسلم لٹریچر کو بلاقیمت ان اصحاب تک پہنچا دیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسلامک ریویو یا اس کا ترجمہ ہزار در ہزار کاپیوں میں چھپے اور مفت تقسیم ہو جائے۔ مسلمان بھائی خود قرآن کو دیکھیں تو اُنہیں نظر آجائیگا۔ کہ اُنکی خیرات و زکوٰۃ کا بہترین مصرف یہی ہے+

لیکن خیرات کے علاوہ میں ایک آسان راہ بتلاتا ہوں۔ اسلامک ریویو آج اپنے قدموں پر کھڑا ہے۔ اس کی جتنی بھی خریداری بڑھیگی۔ اُس کا منافع اس

قسم کی مفت اشاعت پر ہی خرچ ہوگا۔ چنانچہ جس وقت بھی دو نئے خریدار پیدا ہوتے ہیں ہم ایک رسالہ مفت تقسیم کرتے ہیں۔ میں اس کتاب کے لئے یکم جنوری سے ریویو کے بیس صفحے وقف کردوں گا۔ مسلم بھائی ریویو کی خریداری بڑھائیں وہ خود خریدیں اور دوسروں کو بنائیں۔ اسکی قیمت ساڑھے سات روپیہ سالانہ ہے لیکن اگر کوئی دوست خریداری کے سوا یا الگ صرف پانچ روپیہ سالانہ بھیج دے۔ تو ہم ایک رسالہ اس غرض کیلئے مفت بھیج سکتے ہیں۔ اس امر کے لیئے میں نے ایک اور راہ بھی نکالی ہے۔ آیندہ یکم جنوری سے رسالہ اشاعت اسلام (لاہور) اُردو کے نصف اوراق یعنی چوبیس صفحے اس مجوزہ قرآن کے حامل ہونگے۔ اس رسالہ کی قیمت ساڑھے تین روپے سالانہ ہے۔ اس اشتہار پر جو احباب رسالہ اشاعت اسلام کے خریدار ہونگے۔ ان کی خریداری کا منافع بھی اسی کام پر خرچ ہوگا +

اس خریداری سے ہمارے دوستوں کے پاس نہ صرف چار پانچ صد صفحے کی ایک کتاب ہی آجائیگی۔ جس میں بہتر سے بہتر لٹریچر ہوگا۔ بلکہ وہ ایک افضل کار خیر میں بھی شریک ہونگے۔ اشاعت اسلام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ ہم مغربی مکتب خانوں میں کئی سال سے اپنا ریویو مفت بھیجتے ہیں۔ جسے پڑھ کر لوگ کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اب اگر ایک پانچ روپے بھیج کر کوئی مسلمان بھائی کسی لائبریری میں یہ رسالہ بھجوا دے تو اس کو تو سینکڑوں پڑھینگے۔ پھر اگر پڑھنے والوں میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تو اس کا ثواب وہ خود علمایان دین سے دریافت کرلے +

اس تحریر کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ بھی لکھنا چاہتا ہوں۔ کہ آج سیاسی مصائب نے ہمیں سخت گھیر رکھا ہے۔ جن کا ہمارے حق میں مفید حل حکمران قوم کے ہی ہاتھ میں ہے۔ اگر ہماری اس کوشش سے اسی قوم کے افراد مسلمان ہونے لگے تو پھر یہ سیاسی گتھی ایسی سلجھیگی کہ اسکی نظیر کوئی اور نظر نہ آئیگی +

فٹ نوٹ:۔ اس اشتہار کے متعلق کل خط و کتابت سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن عزیز منزل لاہور کے پتہ سے ہونی چاہئے والسلام

خواجہ کمال الدین۔ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء

رسالہ اسلامک ریویو انگریزی کی خدمات جلیلہ

اس اسلامی مجلہ نے گذشتہ اٹھارہ سالوں میں اسلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں نہایت ہی جرأت و دلیری بیباکی۔ اور جرأت سے یورپ میں پیش کیا ہے۔ اس نے عیسوی مذہب کے تارو پود کو بکھیر کر رکھ دیا ہے عیسائیت کی کمزوریوں و لغزشوں کو بے نقاب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یہ اسلامی رسالہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر احسن طور سے روشنی ڈالتا رہا ہے اس نے مغرب میں عیسوی مُنادوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ ان کے کذب و دجل کی قلعی کھول دی ہے۔ اب ان میں جملہ کی سکت نہیں۔ اس رسالہ نے اہل مغرب کے دل سے تمام غلط فہمیوں اور شکوک کو رفع کر دیا ہے۔ جو اسلام کے متعلق اہل مغرب کے دلوں میں سالہا سال سے گھر کرتے چلے آتے تھے۔ اور جو اسلام کے خوبصورت و دلربا چہرہ کو بدنما کئے ہوئے تھے۔ رسالہ ہذا کے مسلسل مطالعہ سے اہل مغرب محاسن اسلام کی نشر و اشاعت کی آسان سے آسان۔ اور کم خرچ ترکیب ہے۔ مسجد ووکنگ کے چند کارکنوں کو اس قدر عظیم الشان کامیابی کبھی حاصل نہ ہوتی۔ اگر وہ اس طرح ریویو کی مفت اشاعت نہ کرتے۔ کیونکہ آجکل تقریر کی بجائے تحریر ہی تبلیغی مقاصد کے حصول کیلئے بہترین و آسان آلہ کار ہے۔ ہم میں اس قدر مالی استطاعت نہیں کہ ہم ہر ایک مقام پر مشنری بھیج سکیں۔ لیکن ایک جگہ بیٹھ کر ہم اسلامک ریویو کے ذریعہ دنیا بھر میں تہلکہ مچا سکتے ہیں۔ اسلامک ریویو دنیا کے تقریباً ہر گوشہ میں پہنچتا ہے۔ لیکن ایک محدود تعداد و حلقہ کے اندر کیا ہمارے مسلم بھائی اس ضرورت حقہ کو محسوس نہ کرینگے۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ عام خریداران سے ۸ھ انگلستان امریکہ و یورپ کی لائبریریوں میں جو مفت تقسیم کرانا چاہیں۔ ان سے ۵ھ روپے سالانہ +

خواجہ عبدالغنی سیکرٹری ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

(حاشیہ پر عمودی عبارت: [illegible])

مسلم مشن ووکنگ انگلستان کا مکتوب

ایک شیدائے اسلام - آستانۂ اسلام پر

ہنری سینڈ باچ کا قبولِ اسلام

بخدمت جناب قائمقام امام صاحب اسلامیہ مسجد - ووکنگ

پیارے جناب! سالہا سال سے میں اسلام قبول کرنے کا متمنی تھا۔ عقیدۂ تثلیث دیگر مذاہب کے بالمقابل مدت مدید سے اس کا قائل ہو چکا تھا۔ گو میں پراٹسٹنٹ فرقہ میں پیدا ہوا۔ ساٹھ برس کی عمر پر پہنچ کر مجھے اس مذہب کے مختلف فرقوں اور متضاد عقاید سے زیادہ بھی دلچسپی نہ رہی۔ شمالی ویلز کا میں ایک غریب کسان ہوں۔ آغاز میں میرا خاندان لنڈرلے کے لارڈ سٹینلے مرحوم کا کرایہ دار تھا۔ مجھے امید واثق ہے کہ لارڈ موصوف کا تذکرہ ہی بہت حد تک میری مذہبی تبدیلی کا کافی شارح ہے +

مجھے قرآن مجید کی تعلیمات سے قدرے واقفیت ہے کیا آپ مہربانی فرما کر مجھے مطلع فرمائینگے۔ کہ مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے کہ میں اسلام کی مزید معلومات حاصل کرسکوں کیا آپ مجھے مطلع فرما سکتے ہیں کہ کیا کوئی لیورپول یا مانچسٹر میں اسلامی مرکز موجود ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات میرے گاؤں سے دور نہیں ہیں مزید برآں میں ایک نو آباد ہوں۔ ملازمت کی وجہ سے مجبوراً یہیں ٹھیرنا ہے اسلیئے میں کوئی طویل سفر نہیں کر سکتا۔ اور دیر تک گھر سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔ آپکے جلدی جواب کا مشکور ہونگا +

آپ کا وفادار بھائی

ہنری سینڈ باچ

انسانی استعدادیں اور اُن کا ارتقا

بقلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مدظلہ

انسانی استعدادوں کے متعلق مختلف نظریات

انسانی کامیابی کا انحصار تمام تر فطرت کے وسائل کی پرداخت اور اسکی مخفی قوتوں کو بروئے کار لانے پر ہے۔ ہر شے جو ظاہر ہوتی ہے وہ مختلف قوتوں کی حامل ہے۔ اور وہ قوتیں ارتقاء پذیر ہیں۔ نقاط اثیری سے لے کر اجتماعات نفسانی تک جو انسانی دماغ میں پائی جاتی ہیں۔ ابتدائی مادہ ارتقاء کے مختلف منازل میں سے گزرتا ہے تاکہ ہمارے اندر شعور پیدا ہو سکے۔ اور یہ کیفیت مزید ترقی کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس نقطہ پر پہنچ کر طبعی دنیا اور شعور انسانی میں ایک زبردست اختلاف رونما ہوتا ہے اوّل الذکر کے لئے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔ لیکن آخر الذکر اگرچہ اس قدر وسیع اور جامع ہے لیکن ہر قدم پر ہدایت کی محتاج ہے۔ جب تک خارجی تحریک نہ پہنچے

اس وقت تک تمام خصوصی استعدادیں مخفی خزانہ کے طور پر دماغ میں سوئی پڑی رہتی ہیں۔ باطنی طور پر خود دماغ ان کو ترقی کے لئے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اسلام سے پہلے فلسفہ اور مذہب دونوں نے اس معاملہ میں انسان کی کوئی رہنمائی نہیں کی۔ بلکہ دماغی ترقی کو صدیوں کیلئے روک دیا۔ قدیم زمانہ میں انسان کو کسی خوبی کا حامل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور نہ اس دُنیا میں کسی خوبی کا اقرار کیا جاتا تھا۔ اور ہندو فلسفہ کی رُو سے تو کسی شے میں حقیقت کا پتہ نہیں جو کچھ نظر آتا ہے۔ یہ سب دھوکہ ہے اور انسانی مسرت انقطاع یا ترک دُنیا میں منحصر ہے۔ بُدھ مذہب کے نزدیک دُنیا تمامتر کلفت اور اندوہ کا سرمایہ ہے۔ اور انسانی نجات فنائے ذاتی پر موقوف ہے۔ زرتشتی مذہب نے خیر کے ساتھ شر کو بھی لازمی قرار دیا۔ اس مذہب کی رُو سے کائنات دو خداؤں کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ جن کا نام **یزدان** اور اہرمن ہے۔ یُونانی لوگوں میں انتقام پسند نیمسس کا تذکرہ عام تھا۔ اور یہ دُنیا اُن کا خیال تھا کہ اس کے ہاتھ میں مشغل کھلونے کے ہے لیکن مغربی ممالک یُورپ میں کلیسائی الٰہیات تو سب سے چار قدم آگے بڑھ گئی۔ اسکی تعلیم یہ ہے۔ کہ گناہ ہماری سرشت میں داخل ہے کیونکہ ہم سب گناہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ ایسی تعلیمات کی موجودگی میں انسانی ترقی ایک امر موہوم ہے +

بہرکیف ہندوستان میں برہمنی یا بُدھی فلسفہ کی طرف زیادہ اعتناء نہیں کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ "مایا" کے نظریہ کی بدولت لوگ اس قدر غفلت آشنا ہو گئے۔ کہ انہوں نے اپنی حفاظت کا خیال ہی ترک کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مغلوب ہو گئے

اگر مغربی کلیسیاء کو انسان کے اندر کوئی خوبی نہیں ملی تو عقلیت جدیدہ نے اس کے برعکس نظریہ قائم کیا۔ یعنی اس کے رُو سے انسان غیر محدود قوتوں کا مالک ہے۔ یہ دونوں عقائد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ان کے بعض مضر نتائج پیدا ہوئے۔ آخر الذکر نے بقائے اصلاح کے اصول پر کاربند ہو کر جارحانہ اقدام کو جائز قرار دیا۔ جس کی رُو سے ہر فرد اپنی حفاظت کیلئے دوسروں پر دست درازی

کر سکتے ہیں۔ اقل الذکر نے مادی عالم میں ہماری تحقیقات کا دروازہ یکسر بند کر دیا۔
لیکن مجموعی صداقت دونوں میں مضمر ہے۔ کیونکہ انسان نہ تو خیر سے عاری ہے۔ اور میلان
بالسوء سے منزہ ہے۔

قرآن مجید نے فطرت انسانی کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ یعنی ہر انسان
میں بہترین استعدادیں موجود ہیں۔ اور وہ غیر محدود ترقی کر سکتا ہے لیکن
گمراہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن الکتاب ہمیں اس ضمن میں بشارت بھی دیتی ہے۔ ہم ترقی
کر سکتے ہیں۔ اور گمراہی سے بھی بچ سکتے ہیں۔ اگر ہم بعض حقائق پر ایمان لائیں اور
نیک اعمال کریں۔ چونکہ ہم حیوانیت سے ترقی پاکر آئے ہیں۔ اس لئے ہمارے اندر
بہیمی صفات موجود ہیں۔ اور اگر ان کو ضبط میں نہ رکھا جائے تو موجب شر بن جائینگی۔
لیکن یہی میلانات اخلاقی عمارت کیلئے بطور بہترین سنگ بنیاد ہیں۔

شعور ایک نئی قابلیت ہے

عالم حیوان میں شعور پہلے پہل محسوس صورتیں ظاہر ہوتا ہے۔ جذبات ہر حیوان
میں پائے جاتے ہیں لیکن بلحاظ کمیت و کیفیت ہر حیوان میں مختلف ہوتے ہیں۔
بعض جذبات جو ایک حیوان میں ترقی یافتہ پائے جاتے ہیں دوسرے میں قطعی نہیں ہوتے مثلاً
شیر کی خونخواری گدھے میں مطلق نہیں پائی جاتی۔ اور نہ خنزیر کی غلیظ عادات ہیں
یعنی مختلف حیوانات مختلف جذبات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن انسانی
شعور میں سارے جذبات موجود ہیں۔ انسان گویا ایک متحرک وحوش خانہ ہے۔ اس کا
حافظہ مثل ایک وحوش خانہ کے ہے جسمیں بہت سے جانور بند ہیں [illegible] کا
آدمی مثل ایک مضبوط اور ہوشیار داروغہ کے ہے۔ جو ان حیوانات کو تربیت دیتا
ہے۔ اور ان پر قابو رکھتا ہے۔ لیکن غیر تربیت یافتہ آدمی بہت جلد جذبات کا شکار
ہو جاتا ہے۔ ذرا سے اشتعال پر وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور بہیمیت کا مظہر بن کر
[illegible] کے جذبہ کا اظہار کرتا ہے۔ گویا اس [illegible]
[illegible]

مظہر ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھتا تو وہ اونٹ سے بدترین جاتا ہے۔ گویا غیر تربیت یافتہ دماغ جانوروں سے مُشابہ ہوتا ہے۔ اور یہ جذبات دراصل کُتّا بلّی لومڑی، خنزیر، شیر وغیرہ ہیں۔ جو انسانی افعال میں ظاہر ہوتے ہیں حقیقی انسانیت یہ ہے۔ کہ ہم ان جذبات سفلیہ کو محکوم بنائیں۔ ہمیں بہیمیت سے نکلنا چاہئے؟ اور ان جذبات کا صحیح اور بہترین استعمال سیکھنا چاہئے۔ لیکن ہماری دماغی قوتیں ابھی اور آگے جا سکتی ہیں۔ کیونکہ وہ تو خدا کے دماغ کی قوتوں پر بنائی گئی ہیں۔ ہاں آگے جانے کے لئے ہدایت درکار ہے۔ تہذیب جدید نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ لیکن محض مادی رنگ میں۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ جو کچھ کائنات میں مادی طور پر محسوس ہوتا ہے اُسے حاصل کر لیا چاہئے۔ ہم اس میں انتظام، نظم و نسق اور ہمواری کے بہترین نمونے پاتے ہیں لیکن ہمیں اس میں فیاضی، جود اور رحمدلی کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ کفایت شعاری کے ساتھ انصاف اور عدالت بھی کار فرما ہیں۔ علاوہ بریں فطرت میں حفظ ماتقدم بھی تو بہت موجود ہے۔ اپنے مقاصد کی تکمیل میں اس کے پاس کافی سے زیادہ مواد موجود رہتا ہے۔ اور اس میں ہر جگہ حسن اور عظمت نمایاں ہے۔ ہم ان سب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بغیر ان کے ہم اپنی ترقی کی تکمیل بھی نہیں کر سکتے۔ اگر ہم خدا کی سُنّت سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور قرآن وہ ہدایت دینے کا مدعی ہے جس کے بغیر انسان کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتا۔ یہ بظاہر ایک بڑا دعوےٰ ہے لیکن میری نظر میں بنہایت درجہ مُدلّل ہے :۔

سب سے پہلے یہ کہ انسانی دماغ میں انفرادی شعور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ حیوانی شعور سے ترقی پاتا ہے۔ جب کہ ملکیت کے انفرادی حقوق سے بے نیاز ہوتا ہے۔ الکتاب نے ان حقوق کا بیان کیا ہے۔ اور پھر دماغ کے نقطہ کو خاندانی شعور میں مبدّل کیا ہے۔ اس کے بعد وہ ہمیں سخاوت اور ہمدردی کی تعلیم دیتی ہے۔ اور ہمارے اندر قومی اور نسلی شعور پیدا کرتی ہے۔ ہم دوسروں کیلئے بھی وہی محسوس کرتے ہیں۔ جو اپنے لئے ... [illegible] اخلاقی حسن میں ... [illegible] ... مشتمل ہوتے ہیں ... [illegible] کا

امتیازی نشان ہوتا ہے۔ غرضکہ مختلف منازل میں سے گذر کر ہم آفاقی شعور کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ جبکہ انسانی دماغ، الٰہی دماغ میں ضم ہو جاتا ہے +

لیکن اخلاق اور روحانی ترقیات کے علاوہ ہماری ترقی کے دیگر ذرائع بھی ہیں۔ ہمیں مختلف مادی علوم حاصل کرنے ہیں۔ اور ہر علم ہمارے سامنے ایک دنیا کھول دیتا ہے اور ہمارے اندر مذہب، فلسفہ، آرٹ، شاعری اور دیگر جمالیاتی احساسات کے پیدا کرنے کی قابلیت موجود ہے۔ اور ہمیں اپنی مخفی قوتوں کو بھی بیدار کرنا ہے۔ کائنات کے مختلف شعبوں میں تحقیقات بھی کرنی ہے۔ اور یہ جملہ امور ایک مسلمان کی توجہ کا مرکز ہونے چاہئیں۔ اور اگر کوئی مذہب جو منجانب اللہ ہونے کا مدعی ہے۔ ہماری توجہ ان امور کی طرف مبذول نہیں کرتا۔ تو وہ مذہب کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور وہ کتاب محض داستانِ پاستان ہے +

جنتِ آدم

فطرتِ انسانی ایک حیرت انگیز باغ ہے۔ اور وہ ہر قسم کے درختوں سے جن میں مختلف ذائقوں کے پھل لگے ہیں پُر ہے۔ لیکن جو درخت صحیح طریق پر نہیں اُگتا وہ شجرِ ممنوعہ ہو جاتا ہے۔ جنتِ آدم دراصل خود آدم کی فطرت تھی جسمیں نیکی کی بہت سی استعدادیں مخفی تھیں لیکن بُرائی کی استعداد بھی موجود تھی۔ اس کا قصہ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک تمثیلی رنگ میں دیا گیا ہے پورے معاملہ پر روشنی ڈالتا ہے اسمیں انسان کو ایسے بلند مقام پر دکھایا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا مسجود ہے اور بقول قرآن یہ بلند ترین مرتبہ ہے۔ جو انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ فطرت کا حاکم اور اس کے رموز کا واقف بن جاتا ہے۔ قصہ میں اس کے اخراج کا ذکر بھی ہے۔ جبکہ وہ صحیح راہ سے ہٹ جاتا ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھاتا ہے۔ یعنی جبکہ وہ اپنے قوٰی کا استعمال غلط طریق پر کرتا ہے +

شیطان

ہم ایک اور ہستی کا ذکر بھی پڑھتے ہیں۔ جو اسی باغ میں ہے۔ جو انسان کو بہکاتا ہے۔ اور وہ شیطان ہے۔ شیطان کے متعلق ہمارا تصور خواہ کچھ ہی ہو۔ ہم اسے ایک مستقل وجود نہیں یا برائی کی تحریک خود ہی تعامل کرنے کی صلاحیت کو شیطان سمجھیں۔ بہرحال ہم ان مضر اثرات سے نابلد نہیں ہو سکتے جو

معذور ہیں کہ اُن میں انفرادیت کی حس موجود نہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ نباتات خود کوئی شے بُری نہیں ہے۔ اس کا غلط استعمال اُس کو بُرا بنا دیتا ہے۔ بُرائی خدا کی طرف سے نہیں آتی۔ بلکہ جب ہم اشیاء کا غلط استعمال کرتے ہیں تو بُرائی پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً درد دُور کرنے میں افیون مجرب ہے۔ لیکن اگر کافی سے زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو زہر ہو جائیگی۔ فطرت میں ہر شے مفید اور بابرکت ہے لیکن جب اس کا غلط استعمال کیا جائیگا۔ تو وہ لعنت ہو جائیگی۔ ہمارے جذبات کا بھی یہی حال ہے موقع کے لحاظ سے وہ نیکی یا بدی بن جاتے ہیں۔ ایک طریق پر انسانی جماعت کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے۔ دوسرے طریق پر نقصان۔ پس نیکی اور بدی ایک ہی شئے کے مختلف اندازوں کا نام ہے۔ اشیاء میں ذاتی خواص موجود ہیں۔ اور وہ ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن موقع اور محل انہیں اچھا یا بُرا بنا دیتا ہے۔ آگ میں جلانے کی خاصیت ہے، جو چیز ڈالو گے جل جائیگی۔ صحیح طریق پر استعمال کرو۔ بہت مفید ہے لیکن اس کا غلط استعمال کس قدر تباہ کُن ہے!

بیشک تجربہ ہم کو اشیاء کے استعمال کا طریق سکھا دیتا ہے۔ اور مادی دنیا میں یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے لیکن رُوحانی عالم میں ہم تجربہ نہیں کر سکتے۔ خدا تمام اشیاء کا خالق ہے۔ لہٰذا خیر و شر بھی اُس کے اقتدار سے باہر نہیں ہیں۔ اور اس نے ہر شئے کو ایک اندازہ پر بنایا ہے۔ کہ فلاں حد تک یہ شئے مفید رہیگی اور اس کے بعد مضر ہو جائیگی۔ انہی اندازوں کو قوانین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ عام طور پر قانون کے یہی معنی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ ایک خاص اندازہ کو جائز اور دوسرے کو ناجائز قرار دے۔ اور کُل کائنات جیسا کہ پہلے گواہی دے رہی ہے۔ جب اشیاء کو مقررہ اندازوں میں ملایا جاتا ہے۔ تو وہ حسب خواہ نتیجہ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت کی دانائی اس پر شاہد ہے۔ الہام ربانی ہم کو ان چیزوں کے متعلق آگاہی دینے آتا ہے۔ جن کا حل ہمیں کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر خدا نے اشیاء کو خلق کیا۔ اور انہیں ایک اندازہ پر بنایا تو پھر اُسکو

کو بھی لازم ہے۔ کہ ہمیں ان اندازوں سے آگاہ کرے +

اسلامی عقاید

پس مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ کہ ایسے اندازے خدا کی طرف سے آتے ہیں قانون شرعی میں غلط اندازوں کو جرائم قرار دیا جاتا ہے۔ اور پھر جرم کی سزا ایک ضروری بات ہے تاہم قانون ہمیں سزا دینے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ گناہوں سے بچانے کیلئے پس شریعت کو ہم سزا کا پیغام نہیں کہہ سکتے محض اس بناء پر وہ ہمیں سزا سے آگاہ کرتی ہے لیکن پولوس نے شریعت کو ایسا ہی سمجھا۔ وہ عیسائیت کو رومن مذہب میں رنگین کرنے کے جوش میں تھا۔ اور اس لئے متضاد خیالات کا شکار ہو گیا۔ اس نے خدا کی برکت یعنی شریعت کو بدنام کیا۔ تاکہ وہ مشرکانہ عقیدہ یعنی خون سے نجات کو یسوع کے سادہ مذہب میں داخل کر سکے۔ حالانکہ یسوع کا مذہب کچھ نہیں تھا۔ مگر پابندی شریعت یعنی اسلام۔ غرضیکہ مذکورہ بالا تقدیر الٰہی پر ایمان رکھنا مسلمان کا عین مذہب ہے۔ دوسرے عقاید مفصلہ ذیل ہیں :-

(۱) اللہ خالق قانون (۲) ملائکہ عاملان قانون (۳) کتب ضوابط قانون (۴) انبیاءؑ حاملان قانون (۵) معاد جبکہ جزا و سزا بموجب قانون مرتب ہوگی (۶) حشر و نشر جبکہ ہم قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھینگے اور زندگی کا نیا دور شروع ہوگا +

قرآن مجید ناشر العلوم ہے

تمام کائنات پر قوانین الٰہیہ کی حکومت ہے۔ اور الکتاب کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر قوانین کی متابعت کی روح پیدا ہو جائے۔ قانون سے ناواقفیت قدرتی طور پر تکلیف کا باعث ہوگی۔ اور ہماری زندگی میں اختلال رونما ہو جائیگا۔ اور ہماری قوتیں ترقی کرنے سے رہجائیگی لیکن علم ہم کو ان دشواریوں سے نجات دے سکتا ہے۔ پہلی وحی نے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی جبکہ نبوت کی چادر آپ کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی اسی بات کی تصدیق کی تھی (۹۶ : ۲ تا ۶) وہ اس لئے آئی۔ کہ انسان کو اس منزلت پر فائز کرے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس میں اس سببے ضابطگی کا بھی ذکر ہے۔ جو انسان کی ارتقا ترقی

میں حائل ہو جاتی ہے لیکن اس میں علم کا بھی ذکر ہے - جو ہمارے اندر سے اس پلید غلطی کو دُور کر سکتا ہے - یہ ایک تازہ وحی کیلئے کس قدر شاندار بات ہے! گویا کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے - ہمیں اُس عزت کا ذکر ہے - جو ہمارے لئے مُقدر ہے لیکن اگر ہم یہ غلطی ہمارے اندر تمام بُرائیوں کی محرک ہے لیکن علم حاصل کرنے کے بعد دُور ہو سکتی ہے - آدم کا قصہ جیسا بقیہ قرآن اسی متن کی تفسیر ہے - قرآن عظیم تو ملکوت السموات علی الارض کا فرمان ہے جس کا وعدہ حضرت مسیح سے کیا گیا تھا - اور یہاں اسلام اور مسیحیت میں ایک اصولی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے - آخر الذکر نے گناہ کو لابد قرار دیا ہے - چنانچہ وہ گیتا کے خلاف اپنا سارا زور صرف کرتی ہے جس کے متعلق کلیسا کا یہ عقیدہ ہے - کہ وہ آدم کے شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے دُنیا میں داخل ہُوا - اور کفارہ کو اس کا علاج تجویز کرتی ہے - لیکن اسلام اسی علم کو ہماری پُشت پناہ قرار دیتا ہے - بدی محض حدود خداوندی کا لحاظ نہ کرنے کا نام ہے - اور یہ بات ہمارے اندر بہیمیت سے پیدا ہوتی ہے - کیونکہ حیوانات بوجہ فقدان علم حدود الٰہیہ کا احترام نہیں کر سکتے علم کی بدولت ہم تقدیر الٰہی سے واقف ہو سکتے ہیں - اور اپنے آپ کو شیطانی تحریکات سے جنگ کرنے کے لئے تیار کر سکتے ہیں! الحق ہماری گناہ کرنے کا میلان نہ تو کفارہ پر عقیدہ رکھنے سے دُور ہو سکتا ہے اور نہ مُقدس روٹی کھانے سے +

راستبازی کا قرآنی تخیل

راستبازی کے یہ معنی نہیں - کہ ہم بعض مہمل رسُوم ادا کرلیں - اور یہ سمجھ لیں - کہ ایسا کرنے سے خدا ہم سے خوش ہو جائیگا - ہماری مذہبی رسُوم صداقت اور افادہ پر مبنی ہونی چاہئیں - نیکی بجائے قربانی اعمال حسنہ بجا لانے پر منحصر ہے - اور جس چیز سے نقصانات پہنچیں - وہ گناہ ہے - خدا ہم سے کسی رسم کا محتاج نہیں ہے - کسی قربان کردہ جانور کا خُون اور گوشت اس تک نہیں پہنچتا بلکہ ہمارا التقویٰ - اس کا غصہ یا رضا اُس پر منحصر ہے - کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں - وہ انسانوں کے حق میں مفید ہے یا مضر یہی اس کا غصہ ہے - اور یہی اُسکی خوشنودی ہیں حصول علم اور خصوصاً اشیاء کے نیک و بد اندازہ کا علم حاصل کرنا ہماری زندگی کا پہلا مقصد ہونا چاہئے اسکی بدولت ہماری قوتیں بارآور ہونگی! - قرآن سے پہلے کسی کتاب نے اس صداقت کو اسقدر

نقطہ سے نہیں بیان کیا۔ قرآن نے ہمارے اندر بدی کا سرچشمہ معلوم کیا اور علم کو اس کا علاج قرار دیا۔ اور مشاہدہ اس کا مؤید ہے۔ مادی علوم کا علم آج ہمارے لئے موجب خیر و برکت ہو رہا ہے۔ اور اخلاقی قوانین سے ہماری جہالت تباہی کا سبب ہو رہی ہے +

خدا کی بادشاہت

آغاز اسلام میں قرآن مجید نے اعلان فرمایا۔ کہ آسمانی بادشاہت زمین پر قائم ہونے کے دن قریب آگئے (قرآن ۱۶:۱) یہ حقیقی تمدن کا دوسرا نام تھا۔ اور اسباب کو حاصل کرنے کے لئے قرآن نے سب سے پہلے انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ کل کائنات انسان کی خادم ہے۔ لیکن انسان کی جہالت کی وجہ سے اُسے یہ عزت نصیب نہیں ہو سکی۔ اور اگر انسان اخلاق حسنہ پیدا کرے جو در اصل اخلاق خداوندی ہیں تو اُسے یہ عزت نصیب ہو سکتی ہے۔ پس ہمارے لئے اشیائے کائنات کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں خدا کے افعال اپنے سامنے بطور نمونہ رکھنا چاہئیں۔ مجھے سوائے قرآن کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جس نے مطالعہ فطرت کو فرض قرار دیا ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم دیا ہو۔ کہ اخلاق الٰہیہ کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھا جائے +

مسلم مشن ووکنگ کا مکتوب
ایک معزز مہمان

گذشتہ اتوار دو مہمان مدعو کئے گئے۔ اُن میں جناب سید ضیاء الدین صاحب طباطبائی ایک بزرگ تھے جنہیں ہمارے محترم دوست جناب مسٹر جی رجمہر صاحب نے بھیجا تھا۔ جناب بزرجمہر صاحب۔ انجمن شبان المسلمین طہران کے صدر ہیں۔ اور آجکل اغراض تعلیم کیلئے انگلستان میں مقیم ہیں۔ اور جناب سید ضیاء الدین صاحب ایران کے سابقہ وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔ سید صاحب موصوف عالیجناب ہز مجیسٹی شاہ رضا شاہ پہلوی کے حصول تخت کی جملہ مساعی میں ان کے دست راست رہ چکے ہیں۔ بعد کو اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔ جناب مسٹر طباطبائی صاحب نے ایران چھوڑ کر بیرونی دنیا میں سکونت اختیار کر لی۔ آجکل وہ زیادہ تر سوئٹزرلینڈ میں رہتے ہیں۔ ... جرمنی، فرانس۔ اور انگلستان میں بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ انھیں آج تک مسجد ووکنگ کا علم نہ تھا۔ اگرچہ عرصہ ہوا۔ کہ انہوں نے ترجمۃ القرآن انگریزی کی ایک کاپی خریدی۔ جس کی وہ بیحد تعریف کرتے تھے۔ جناب ڈاکٹر زاہد صاحب سیکرٹری عالیجناب ہز ایکسلنسی شیخ حافظ وہبہ صاحب سے انہیں ہماری مسجد کا علم ہوا۔ ہمارے تبلیغی ادارہ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ یہ مرکز اسلام قلب لندن میں ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے نظامیہ مسجد لندن کی سکیم کو بنظر استحسان دیکھا۔ اور فرمایا۔ کہ دنیا بھر کی کل اسلامی سلطنتوں کو نظامیہ مسجد لندن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اعانت کرنی چاہئے۔ گفتگو سے آپ ایک قابل ترین مدبر اور متبحر معلوم ہوتے تھے +

مسلمانوں کیلئے یہ امر موجب مسرت ہے۔ کہ ان میں جناب طباطبائی صاحب جیسے ذی علم لوگ موجود ہیں۔ جو کہ اشاعت اسلام کے بیرونی اداروں میں گہری دلچسپی لیتے ہیں +

... جناب امام صاحب مسجد ووکنگ نے جناب سید صاحب کو لنچ پر مدعو کیا۔ دوران گفتگو میں آپ نے ظاہر فرمایا۔ کہ ... مسلمانوں کی ... کو متحد کرنے کے خیال میں ہیں۔ جو کہ بین الاقوامی انجمن سے ... مقصود حاصل ہو سکیگا +

م۔ فتح الدین احمد۔ اسسٹنٹ امام مسجد ووکنگ (انگلستان)

نشأۃ کائنات

مسئلہ ارتقاء

از قلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

عزیز مکرم غلام ربانی خان صاحب وکیل مانسہرہ نے مجھ سے دو امور دریافت کئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم نے نشأۃ کائنات کے متعلق کیا ارشاد کیا ہے؟ جس صورت میں اہل سائنس ہر مخلوق شئے کو تراکیب مختلفہ کا نتیجہ مانتے ہیں۔ تو یہ تراکیب کشش اتصال کے ماتحت تو ہو نہیں سکتیں کیونکہ اشیاء مخلوقہ ہر نئے مرحلہ پر ایک نئی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جو اپنے خواص میں ان اشیاء سے جن کی ترکیب سے نئی چیز پیدا ہو مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے ضروری امر ہے۔ کہ اگر یہ تراکیب شروع سے چلی آئی ہیں۔ جیسے کہ آپ کی تحریروں سے پایا جاتا ہے۔ تو یہ اختلاف کب سے ہے؟ اُن کی منشاء یہ بھی ہے۔ کہ میں نشأۃ عالم پر جو لکھوں وہ قرآنی نکتہ نگاہ سے لکھوں۔ اور اسی کے ضمن میں اس مسئلے کو بھی صاف کر جاؤں۔ ساتھ ہی وہ چاہتے ہیں کہ مسئلہ ارتقاء پر بھی کچھ لکھوں۔ ان کے نزدیک چونکہ یہ مسئلہ اس وقت اس قدر مہتم بالشان ہو گیا ہے۔ کہ سائنس کی ہر ایک شاخ اسی مسئلہ کے ماتحت آ چکی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن نے بھی بالضرور اس مسئلہ کے متعلق کچھ لکھا ہو گا اور جو لکھا ہے۔ وہ کیا ہے؟

ایک تو میں بعض خطرناک امراض کے باعث پانچ سال سے رہین بستر ہوں۔ اور طبی رائے میرے ہر دماغی کام کے مخالف ہے۔ تو ایسے دقیق مسئلہ پر لکھنے کیلئے مجھ سے خواہش کرنی بذات خود ایک نادر امر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ مجھے سل اور ذیابیطس جیسے آلام سے ایک سال ہوا۔ کہ نجات ہو گئی ہے۔ اگرچہ بستر کو تو میں اب بھی نہیں چھوڑ سکتا اور لفظی معنوں میں ایک دس قدم نکلنا میرے لئے وبال جان ہے۔ سانس رک جاتا ہے۔ اور یہ چیز پھیپھڑے کے مریض کیلئے سخت مضر ہے لیکن میرے طبی مشیر جو چاہیں کہیں میں یہی جانتا ہوں۔ کہ مجھے خدا تعالیٰ نے کسی رنگ میں خدمت اسلام کیلئے دوبارہ زندہ کیا ہے۔ دو تین دفعہ تو میں لب مرگ ہو چکا ہوں۔ مئی ۱۹۳۰ء میں تو کل ڈاکٹر مجھے شب یا غد کا مصداق ٹھیرا چکے تھے۔ اب مجھے جو ایک نئی زندگی عطا ہوئی ہے۔ تو یہ خدمت قرآن ہی کیلئے ہے خصوصاً ایسی جو مجھ سے آج تک نہ ہوئی۔ اس وقت اہل علم ہستی باریتعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مذہب کے اسلئے قائل نہیں۔ کہ مروجہ مذہبی کتابیں نہ صرف ان کے علمی تحقیقات کے ہی خلاف ہیں۔ بلکہ موجودہ تمدنی تقاضات

بیٹھے ہیں۔ حتٰے کہ اُن کے نزدیک چھڑی کا استعمال بھی وہ جبری ہوا ہے۔ کہ جب بقول ڈارون انسان کی کسی بوزنوی جد نے چار پاؤں کی بجائے دو پاؤں پر چلنا شروع کیا۔ تو سہارے کیلئے چھڑی پکڑ لی ۔

ساری بات تو نفس ناطقہ پر ہے جس نے اپنے ابتدائی سے ابتدائی اشیاء مفروضہ سے چل کر آخری ارتقائی شکل نفسِ ناطقہ میں اختیار کر لی۔ انسانی ہیولے میں آکر نفسانی ذرات نے عالم نفسیات میں قدم رکھا۔ نفس کی کیفیات اپنی ابتدائی شکل میں تو عالم حیوانات میں پیدا ہوئیں۔ لیکن انسان میں آکر انہوں نے بالکل ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ اسی لئے اسی کا نام خلق آخر قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اب اگر انسانی نفس کا میں بوزنہ کے ادراک سے مقابلہ کروں۔ اور اگر انسان نے ڈارون کے طریق پر ہی پیدا ہونا تھا۔ تو ایک گم شدہ نوع Missing Link کو چھوڑ میرے نزدیک تو ہزاروں نوع بندر اور انسان کے درمیان پیدا ہونی چاہئیں۔ جن میں سے گذر کر ادراک بوزنہ ادراک انسانی کی شکل اختیار کریگا۔ بندر میں حسد۔ غصہ۔ جستجو۔ نقل کرنا۔ لڑائی جھگڑا۔ مکاری۔ کینہ۔ انتقام۔ خوف۔ شفقت چوری وغیرہ جذبات بالضرور ہیں۔ اور دوسرے حیوانوں کے مقابل یہ جذبات زیادہ اور کسی قدر بالغ شکل میں ہیں۔ اور شاید انہی جذبات کا یہ ظہور کامل کسی وقت کی اسرائیلی قوم میں تھا۔ جس کے لئے قرآن نے انہیں قردۃ خاسئین کہا۔ لیکن ایک تو انسان میں انہی جذبات میں وسعت۔ صلاحیت۔ محل و موقع کی شناخت۔ اور بلوغت پیدا ہو گئی ہے۔ اور پھر یہی جذبات سینکڑوں اور جذبات کے مولد ہو چکے ہیں۔ نفسِ انسانی کے یہی جز احساسات کا کامل ثبوت ہیں۔ کہ اگر بندر نے ہی ارتقائی ہیولوں کے بعد انسان بننا تھا۔ تو ایک نہیں لاتعداد ہیولے اور نوعیں بندر اور انسان کے درمیان ہونے چاہئیں۔ جن میں سے بندر گذر کر آخر انسان ہو گیا ہو۔ میں مان لیتا ہوں کہ اورنگ اوٹانگ کی شکل میں مادے نے ایک بالغ صورت اختیار کی ہے۔ بندر اور نگٹیانگ کے بعد ایک اور نسل پیدا ہو گئی۔ جو آج نہیں ملتی۔ اور جس کا نام نوع گمشدہ (Missing Link) ہے۔ اور وہ گمشدہ نوع انسان کی جد امجد تھی۔ مگر حسب استدلال بالا۔ جہاں تک نفسیات کا سوال ہے۔ بندر اور انسان کے درمیان تو لاتعداد نوعات ہونی چاہئیں جن میں ادراک بوزنہ منزل بمنزل ترقی کرتا ہوا نفسِ انسانی کی شکل اختیار کرتے

یہ سوال ایسا کہ ہم بھی تخلیق تو تب گم ہو گئی ہو لیکن وہ سینکڑوں نوعات کہاں گئیں جو بندر سے چل کر انسان تک پہنچی ہونی چاہییں +

آج مغربیت زدہ تو لکیر کے فقیر ہو کر جو چاہیں کہیں۔ لیکن خود مغرب میں علمی طبقہ حکیم سینسر کا ہم خیال ہوتا جاتا ہے۔ وہ بندر کی اولاد نہیں بننا چاہتے۔ اگرچہ وہ انسان کو ارتقا کی سفر کی ہی ایک منزل بالغ سمجھتے ہیں +

یہاں میں قرآن کریم کے ارشاد کو مسئلہ ارتقا پر لکھتا ہوں۔ اللہ کے بعد جس اسم پاک کا ذکر کثرت سے قرآن کریم میں ہے۔ وہ رب ہے۔ بلکہ انسانی سوسائٹی کا جہاں تک تعلق ہے۔ قرآن کریم نے رب کو اللہ کی جگہ بھی استعمال کیا ہے۔ جس قدر ۹۹ اسمائے حسنٰے ہیں۔ اور جن میں آنحضرت نے رب کو شامل نہیں کیا۔ وہ اللہ کی طرح رب کی صفت میں بھی آسکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کو لا تدرکہ الابصار ہستی قرار دیا ہے۔ اور دوسری جگہ اس کے ۹۹ صفت بھی گن دیئے ہیں۔ جو فہم انسانی میں آسکتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہستی باریتعالیٰ تو انسانی ادراک میں نہیں آسکتی مگر انسانی فہم ان ۹۹ صفت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ اور ان ۹۹ صفات کا مجموعہ رب ہے یعنی اسم اللہ میں یہ ۹۹ صفت اور اور بھی صفت ہیں۔ جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ہاں رب میں صرف یہی صفات ہیں۔ اب ان ننانوے صفت میں سے میں چند ایسی صفت کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔ جنہیں قرآن کریم نے لفظ رب کی طرف منسوب کیا ہے۔ اہل لغات نے بھی لفظ رب کے معنوں میں انہی صفات کو بھی گنا ہے +

(۱) الرب وہ ہستی ہے۔ جو اشیائے مختلفہ کو مقررہ مقدار میں ترکیب دے کر نئی چیز پیدا کرتی ہے +

(۲) الرب وہ ہستی ہے۔ جو قانون مختلفہ وضع کر کے پھر اس ترکیب و پیدائش کو ان کے ماتحت ظہور میں لاتی ہے +

(۳) الرب وہ ہستی ہے جو ہر چیز کے خواص مختلفہ کو اس کی ابتدائی شکل میں رکھ کر اس چیز کو ایک ایسا راہ پر ڈال دیتی ہے جس پر وہ چیز چلتی ہوئی مختلف منازل سے گزر کر اپنی شکل بالغ کو اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے خواص بتدریج مختلف منازل پر بھی ظاہر ہوتے ہیں لیکن ان کی تکمیل آخری منزل پر ہوتی ہے +

(۴) رب وہ ہستی ہے۔ جو ربوبیت اشیاء کیلئے پیش از وقت تہیہ اُن اسباب کا کر چھوڑتی ہے جن کی ضرورت اشیاء کو کسی منزل پر ہو +

(۵) رب وہ ہستی ہے۔ جو ہر ایک چیز کے متعلقہ منازل ضروریہ کو پہلے سے تجویز کر چھوڑتی ہے میں نے صرف یہاں پانچ معنے لفظ ربّ کے دیئے ہیں۔ حالانکہ اور بہت سے معانی بھی اس لفظ میں مرکوز ہیں جن کا ظہور نشأۃ عالم میں ہر روز ہوتا ہے مفردات راغب اصفہانی میں لفظ ربّ کے معنے کرتے ہوئے امام موصوف نے خصوصاً تیسرے اور پانچویں معنے کو لیا ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں۔ کہ ارتقاء کی شیونِ مختلفہ میں سے وہ کونسی کیفیت ہے۔ جو لفظِ ربّ کے مذکورہ بالا مفہوم میں نہ آجاتی ہو۔ خصوصاً جنہیں امام راغب نے آج سے صدیوں پہلے لکھ دیا ہے مسئلہ ایولیوشن تو مغرب میں کل کی پیدائش ہے لیکن اسکے اصلی خط و خال کا ذکر امام موصوف نے لفظ رب کے تحت میں کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر رب کو مرتقی اعظم کہا جائے تو بالکل صحیح ہے +

قرآن کریم کے دیکھنے سے نظر آتا ہے۔ کہ پیدائش عالم اصولِ ارتقاء پر ہی ہوئی ہے۔ میں یہاں پیدائش نفس انسانی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں سورہ والشمس اور سورہ الطارق کی ابتدائی آیات بہت کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام فلکیہ کی روشنیاں رات کے وقت ستاروں سے جدا ہو کر زمین کی طرف آتی ہیں اور وہ خلاء کو پھاڑتی ہوئی زمین میں جا ٹھیرتی ہیں۔ جہاں وہ مختلف اشیاء سے زمین کو حاملہ کر دیتی ہیں۔ النجم الثاقب کے معنے تو اجرام فلکیہ ہیں جو روشن ہوتے ہیں۔ لیکن ثاقب کے چمکنے والی پھاڑنیوالی اور حمل کرنے والی چیز ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ سماوی روشنیاں رات کے وقت خلاء کے پردوں کو چیرتی ہوئی زمین میں جاکر باعث حملِ اشیائے مختلفہ ہو جاتی ہیں۔ لفظ طارق کے معنے رات کے وقت ظاہر ہونے والے کے ہیں۔ چنانچہ اسی سورہ شریف میں والسماء ذات الرجع کے لئے ذات الصدع کہکر آسمان اور زمین کو مذکر مونث ٹھیرایا ہے۔ لفظ رجع مذکر قوت فاعلی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تو صدع سے مراد قوت انفعالی ہے۔ یہ جو کچھ میں کہا

۱؎ والسماء والطارق +

ہوا۔ یہ بہت سے تحقیق ہے۔ اس امر کو سورہ والشمس نے اور بھی واضح کر دیا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر لکھا ہے۔ کہ کائنات میں جس قدر چیزیں ہیں۔ ان سب میں تذکیر و تانیث ہے۔ سورج روشن ہو کر بکر دن کے وقت کل اشیاء عالم اور خصوصاً زمین میں۔ قوائے انفعالیہ کو تیار کر دیتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی اور حرارت زمینی منافذ کو کھول کر انہیں آسمان سے آنیوالی چیزوں کے قبول کرنے کے قابل کر دیتی ہے۔ تو اجرام سماوی رات کے وقت اپنی روشنیوں کو نیچے بھیجتے ہیں۔ ان سماوی فیوض کو زمین پینے اور رکھنے لگ پھیلنی شروع ہو جاتی ہے۔ اور حاملہ ہو جاتی ہے حالانکہ قرآن کریم نے بعد کے دیگر منازل ارتقائی کو چھوڑ کر اس کے آخری منزل کا ذکر کیا ہے بھی فرمایا۔ کہاں سے یہ نفس انسانی پیدا ہوتا ہے۔ جس کی تربیت کیلئے قرآن آیا ہے۔ نفس کی پیدائش کا حال زیادہ واضح طور پر سورہ مومنون کے پہلے رکوع میں آیا ہے۔ جہاں ان سات طبقات کا ذکر کیا ہے جنہیں سماوی روشنیاں چیرتی ہوئی زمین پر آتی ہیں۔ پھر ساتھ ہی ذکر کر دیا ہے۔ کہ پانی آسمان سے نازل ہو کر ان حمل کردہ چیزوں کو جیسے کہ مذکورہ بالا سورتوں میں ذکر آیا ہے مختلف پھل اور پھولوں کی شکل میں پیدا کرتا ہے۔ انہی کا نتیجہ نطفۂ انسانی ہوتا ہے۔ یہی نطفہ حمل میں ٹھہر کر کچھ بعد دیگرے اور منازل ارتقاء کو طے کرتا ہے جن کا نام علقہ مضغہ عظام لحم یکے بعد دیگرے قرآن کریم نے تجویز کیا ہے۔ قرآن کریم کا اس صفائی کے ساتھ اس موقع پر منازل ارتقاء کو گننا نہ صرف اس امر کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ قرآن ہی دنیا میں اس نظریہ کا معلم اول ہے۔ بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ جنین کی منازل مختلفہ جن کو قرآن کریم نے گنا ہے۔ وہی ہیں جنہیں آج علم تشریح الابدان نے تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ انہی منازل کا ذکر سورہ حج آیت ۵ میں آیا ہے۔ جہاں نشأۃ آخر کے ثبوت میں کہا ہے

---

۱ ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الذاریات) ۲ والشمس وضحٰها ۳ والنهار اذا جلّٰها ۴ واللیل اذا یغشٰها ۵ والسماء وما بنٰها والقمر اذا تلٰها ۶ والارض وما طحٰها ۷ والنفس وما سوّٰها ۸ فالهمها فجورها وتقوٰها ۹ سبع طرائق ۱۰ ... یا ایها الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمّی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفّی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا وتری الارض هامدة فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیج ٭ ترجمہ ۔ اگر تم کو ... [illegible]

[illegible]

کہ تم اپنی پیدائش کو دیکھو مٹی سے نطفہ ہوا۔ نطفہ سے علقہ۔ علقہ سے مضغہ۔ پھر بعد میں وہی چیز ایک طفل بن گئی۔ پھر طفل جوان ہوا۔ پھر موت آئی۔ یہی طرح آگے کا بھی سفر ہے۔ میں انشاء اللہ اس امر کو بالتصریح مذکورہ شرح قرآن میں نشاۃ کائنات پر بحث کرتا ہوا لکھونگا۔ جہاں نشاۂ آخر کا بھی ذکر ہوگا +

کم از کم قرآن کریم کے طرز بیان کو دیکھتے مجھے یہ سمجھ آتی ہے۔ کہ مسئلہ ارتقاء کو جس خوبصورتی کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ بہت ہی کم کہیں اور نظر آتا ہے +

اب خان صاحب کے استفسار کا ایک اور پہلو رہجاتا ہے۔ کہ یہ تراکیب مختلفہ جن سے خلق عالم ہوا۔ وہ اتصالی طریق پر یا کیمیاوی اصول پر ہوا۔ اور خلق عالم کس طرح ہوا +

یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے۔ کہ قرآن کریم کوئی سائنس کی کتاب نہیں۔ نہ مسائل سائنس اس کے موضوع ہیں۔ بعض حقائق ملیہ کی تشریح میں قرآن کریم نے بعض علمی مسائل کو بھی پیش کیا ہے اس طرح بعض ایسی باتیں بھی قرآن میں آجاتی ہیں۔ جو سائنس کا موضوع ہو سکتی ہیں۔ اسی اصول پر قرآن نے بعض اسرائیلی واقعات کو جستہ جستہ لیا ہے۔ والا یہ قصے کہانیوں کی تو کتاب نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو بھی امر اس میں بیان ہو۔ وہ صحیح ہو۔ کیونکہ اس کتاب حکیم کا بھیجنے والا خدائے علیم ہے۔ آج علمی طبقہ چھوڑ خود کلیسیاء کے بعض فاضل جو انجیل توریت سے بیزار ہو گئے۔ تو اس کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دونوں کتابیں بعض ایسے واقعات لکھ دیتی ہیں جنہیں علمی تحقیق نے باطل ٹھیرایا ہے۔ کون ذی عقل ان باتوں کو خدا کی طرف منسوب کریگا؟ مثلاً کتاب پیدائش نے جو کچھ نشاۃ کائنات کے متعلق لکھا ہے علمی دنیا کا بچہ بچہ اسے صحیح نہیں جانتا۔ علیم خدا کی طرف سے تو یہ باتیں نہیں آسکتیں۔ غالباً بشپ منسٹر کے ڈین نے کوئی دس سال سے زیادہ ہوا۔ اس بات پر زور دیا۔ کہ ولایت کے گرامر سکولوں میں سے توریت وغیرہ کو نکال دیا جائے۔ کیونکہ انہیں ایسی باتیں مندرج ہیں۔ جو معیار صداقت پر قائم نہیں رہ سکتیں۔ ڈین موصوف نے اس اپنی تقریر کے ثبوت میں کتاب پیدائش کا ذکر کیا ہی تھا۔ الغرض کتاب اللہ بیشک سائنس کی کتاب نہیں۔ مگر اس میں کوئی ایسا واقعہ مندرج نہ ہو۔ جسے علمی تحقیق باطل ٹھیرائے۔ قرآن کریم کے سامنے ایک زبردست حقیقت تھی۔ جس کے ثابت کرنے پر ہی دنیا میں مذہب قائم رہ سکتا ہے۔ اور میرے نزدیک تو اگر وہ حقیقت صحیح نہیں تو ہمیں کسی مذہب کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ حقیقت حیات بعد الموت ہے

حیات بعد الموت کے ساتھ ساتھ ہی حشر اجساد ۔ تخلیق جدید اور اس کی کیفیت کے مسائل بھی سامنے آجاتے ہیں ۔ دنیا ان صداقتوں کے ثبوت میں عقل اور علم کو چاہتی ہے ۔ قیامت کے منکرین تو مسیح کے وقت صدوقی پیدا ہوگئے تھے ۔ چنانچہ ایک صدوقی نے آپ سے قیامت کا ثبوت بھی چاہا ۔ لیکن جو جناب مسیح نے جواب دیا ۔ وہ کوئی علمی جواب نہیں ۔ اور نہ کوئی اسے آج تسلیم کرسکتا ہے ۔ یعنی آپ نے فرمایا ۔ کہ اسرائیلی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا بیٹا قرار دیتے تھے ۔ پھر موت کے بعد اگر حضرت ابراہیم زندہ نہیں تو پھر اُن کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ الغرض ان حقائق کا عقلی ثبوت قرآن سے پہلے کسی الہامی کتاب میں نظر نہیں آتا ۔ قرآن کریم نے اس امر کے ثبوت میں نظریۂ ارتقاء کو پیش کیا ہے ۔ انسان کی پیدائش کو نشأۃ الکائنات کی اول منزل سے لے کر ایک بالغ منزل قرار دیا ۔ یعنی جس طرح نجوم کی روشنیاں مختلف شکلیں بدلتی بدلتی انسانی ہیولے میں آ جمع ہوئیں ۔ جہاں پر انہیں نفس سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اس اصول پر نفس نے آگے بھی کئی منازل طے کرنی ہیں ۔ جنہیں حیات بعد الموت سے تعلق ہے +

مسئلۂ ارتقاء کے ماتحت ہر ایک چیز کی آخری منزل ارتقاء وہ ہوتی ہے ۔ یا بہ الفاظ دیگر اسکی حیات اُس وقت منقطع ہو جاتی ہے ۔ جبکہ اس کے اندر کے ودیعت شدہ خواص کُل کے کُل نشوونما پا جائیں ۔ ترقی کن جوہر خواہ مختلف منازل میں سے گذرے ۔ لیکن اس کا سفر اس منزل تک جاری رہیگا جب تک اُس کے کُل کے کُل خواص مکمل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں ۔ اسی بحث کو قرآن کریم نے کئی موقعوں پر اُٹھایا ہے ۔ چنانچہ سُورۂ اعلیٰ[1] کی پہلی پانچ چھ آیتیں بھی یہی بیان کرتی ہیں کہ انسانوں کے مخفیہ قوے کا ظہور ہی آیندہ زندگی کو چاہتا ہے ۔ پس ظاہر ہے ۔ کہ قوائے باطنیہ چھوڑ تمام انسانوں میں عام استعداد بھی کامل نہیں ہوتی ۔ جن اخلاق کا ظہور زید و بکر میں ہوتا ہے اُس کا نام و نشان بھی خالد میں نہیں ہوتا ۔ حالانکہ اسمیں بھی یہ ساری استعدادیں موجود ہوتی ہیں ۔ اور

---

[1] سبح اسم ربک الاعلیٰ ۔ الذی خلق فسوّیٰ ۔ والذی قدر فھدیٰ ۔ الذی اخرج المرعیٰ فجعلہٗ غثاءً احویٰ ۔
آیات بالا میں پہلی تین آیتیں تو ہر ایک چیز کی ارتقائی منازل کا ذکر کرتی ہیں لیکن چوتھی آیت میں تشریحاً نباتات کی مثال دی ہے ۔ جو منازل مذکورہ بالا میں سے گذر کر مکمل ہو جاتی ہیں ۔ اور مکمل ہونے کے بعد ان پر ہلاکت وارد ہوتی ہے ۔ لہٰذا انسان ہلاک نہیں ہو سکتا ۔ جب تک اس کے قوے کی تکمیل نہ ہو جائے اور وہ حیات آیندہ کو چاہتی ہے ۔ چنانچہ اس سُورۂ شریف کے اخیر میں والآخرۃ خیرٌ و ابقیٰ ہے +

اور آج تو علاوہ اخلاق کے علاوہ بعض لوگ باطنی قوتوں میں صاحب تجربہ ہونے کے مدعی ہیں۔ چنانچہ کُل اہل کتاب اُن قوتوں میں سے بعض کے ملک انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں۔ اب اگر یہ باطنی استعدادیں ہم سب میں ہیں جن کے وجود کا ایک ادنےٰ ثبوت صحیح خوابوں کے ذریعہ ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُن کا ظہور اتم ایک آیندہ زندگی کو چاہتا ہے۔ قرآن کریم نے تو قریب قریب اپنے مہتم بالشان امور کو بھی مثلاً رقعتاء کے ذریعہ ثابت کیا ہے۔ جس کی تشریح میں انشاء اللہ جدید شرح قرآت میں کروں گا +

اب میں خان صاحب کے استفسار کی طرف آتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے امور ذیل نظر آتے ہیں۔

(اول) الٰہی قدرت نے سب سے اول نور کو پیدا کیا۔ اور نور سے ہی زمین و آسمان بنے۔
(دوم) مختلف رنگ خدا تعالےٰ نے قدیم سے پیدا کئے۔ جن میں سے سب سے اول پیدا شدہ نور نے سیاہ رنگ کو اختیار کیا۔ یہ استدلال جو ایک طرح نص صریح ہے حضرت محی الدین ابن عربی نے بھی کیا ہے۔ یعنی جس صورت میں حسب تعلیم اسلام کُل کائنات اسماء حسنےٰ کا ظہور ہے۔ تو سب سے پہلا اسم جو نظر آتا ہے۔ وہ الباطن ہے۔ یعنی وہ وقت جب کہ سب کچھ بطن میں تھا۔ اور الظاھر کے اظلال میں نہ آیا تھا۔ سو لازمی امر ہے۔ کہ نور کا پہلا رنگ سیاہ تھا۔ چونکہ یہی رنگ الباطن کے مناسب حال ہے (سوم) سب سے پہلے سماوی دُنیا ترتیب میں آئی۔ اس کے بعد زمین بنی (چھارم) سماوی دُنیا کی روشنیاں جیسا اُوپر بیان ہوا۔ زمین میں باعث حمل ہوئیں۔ جس سے آخر انسان بنا +

اب اگر ابتداء رنگوں سے ہوئی۔ اور رنگوں میں سے پہلا رنگ سیاہ تھا۔ اور اس کے سوائے چھ رنگ اور ہیں۔ اور انہی کی ترکیب سے اجرام فلکیہ پیدا ہوتے۔ کیونکہ وہ نور سے بنے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس نور کے مفردات وہ رنگ ہیں۔ جو اپنے خواص (شکل) میں ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔ اس سے یہ نظر آتا ہے۔ کہ جن تراکیب کے ماتحت لشئ کائنات ہوئی۔ وہ قوت کیمیائی سے ہوئی۔ قرآن کریم نے پیدائش کو صفت خلق سے وابستہ کیا ہے۔ خلق کا عمل ابتدا سے ابتدا میں ہوا۔ جیسے فقو خالق السموات والارض سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور خلق کے چار معنے قرآن نے بھی کئے ہیں۔ اور ایسا ہی لغت میں پایا جاتا ہے (۱) یعنی کسی چیز کی شکل تجویز کرنا (۲) اُن اجزا کو آپس میں ملانا جن سے وہ چیز پیدا ہو۔ کیونکہ خلق اس پیدائش سے تعلق رکھتا ہے۔ جو مختلف چیزوں کے ملنے سے ہو۔ تیسرا اُن مقداروں اور قواعد کا تجویز کرنا جنمیں اجزاء اصلیہ مل کر پیدائش کا ایک راہ اختیار کرلیں (۴) ہر چیز کو تکمیل تک پہنچانا۔ چونکہ خلق ابتدا سے ہے

اور ابتدا ہی سے ترکیب کیمیاوی سے ہوئی ہے۔ اسلئے ابتدا ہی سے کشش کام کرتی ہے۔ کیمیاوی ہے اتصالی نہیں +

اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم نے ایک لطیف طریق سے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کا جوڑا ہے (۱) بلکہ یہاں تک کہا ہے۔ کہ ہر چیز نر و مادہ کے ملنے سے پیدا ہوئی ہے۔ قرآن نے لفظ زوجین استعمال کیا ہے لیکن یہ لفظ زوج اُن اقسام پر متعلق ہوگا۔ جو نر و مادہ کی طرح کسی خاصہ میں مختلف ہوں اس لئے قرآن کریم گویا بطور نص صریح ایک تو ابتداء سے ہی دو چیزوں کے مل کر تیسری چیز کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور دوسرا یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ دونوں چیزیں خواص میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ الغرض قرآن کریم میں کمال یہ ہے کہ اس نے توریت۔ انجیل کی طرح کہانیاں بیان نہیں کیں۔ بلکہ اس کے سامنے ہمیشہ علمی دنیا رہی ہے۔ اور اپنے حقائق کو ہمیشہ علمی رنگ میں ہی بیان کیا ہے جس وقت بھی اہل سائنس کے سامنے قرآن اس طریق پر پیش ہوگا انہیں اسلامی اثر میں آنے سے کبھی انکار نہیں ہو سکتا۔ باتیں تو اور بھی نشأۃ عالم کے متعلق قرآن کریم نے بیان کی ہیں لیکن یہاں میں ان سطور پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ ہاں خاتمہ سے پہلے اس نظریہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جو اس مسئلہ کے متعلق سائنس نے تسلیم کیا ہے +

اہل علم کے نزدیک کائنات کی ابتداء مادہ سے نہیں ہوئی۔ جیسا کہ سماجی دوستوں نے سمجھ رکھا ہے۔ وید تو بذات خود خاموش ہیں لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ وید نے مادہ کو انادی قرار دیا ہے بہر حال سائنس نے اس بات کی تردید کر دی۔ سائنس کے نزدیک جو چیز پہلے سے پہلے پیدا ہوئی ہے وہ لائٹ (Light) ہے اور لائٹ کو انرجی (Energy) نے پیدا کیا۔ اسلام نے اس کا نام قدرت رکھا۔ تسلیم شدہ امر ہے کہ لائٹ سات رنگوں سے بنتی ہے۔ لیکن اس وقت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابتدا میں ابتداء میں ایک چیز جس کے اندر تیز سے تیز خوردبین بھی جا نہیں سکتی۔ اس سیاہ چیز کو وہ ایتھر (اثیر) کہتے ہیں جس کے اندر سے ہر لحظہ نور کے شعلے نکلتے رہتے ہیں۔ اور یہ شعلے نکلتے ہی مختلف اجتماعوں میں ترکیب پانے شروع ہو جاتے ہیں یہی تراکیب مختلفہ ایک طرف اس سفید شعاعی میں متشکل ہو جاتی ہیں جسے کہکشاں کہ سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کے مقابل بعض ذرات جمع ہو کر ایک خاص شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جس کا نام نیبولا (Nebula) ہے جس کا رنگ غالب سبز ہوتا ہے یہی گرد ([illegible]) یا کہکشاں نیبولا سے مل کر نظام شمسی یا اجرام فلکیہ کو پیدا کرتی ہے جن سے آخر کار برقی ذرے پیدا ہوتے ہیں۔ برقی ذروں سے سالمات پیدا ہوتے ہیں جنہیں ایٹم (Atom) بھی کہتے ہیں۔ ان سے آگے عناصر ہیں۔ جو منظم ہو کر اور بعض تبدیلی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ سو ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم نے برقی پاروں کا یا سالمات کا صریحاً ذکر نہیں کیا۔ باقی تو وہی ہے جو کہ سائنس نے دریافت کیا ہے۔ اور پہلے قرآن نے کہی ہے +

خواجہ کمال الدین

اسلام کی مغرب میں عظیم الشان کامیابی

رسالہ اسلامک ریویو انگریزی جو گزشتہ اٹھارہ سال سے مغربی دنیا میں عیسائیت کے انہدام میں مصروف عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ اس کی پیہم مساعی مثمر ہوگئیں نخلِ عیسائیت جس کی جڑیں سرزمین مغرب میں کامل طور سے مضبوط ہوچکی تھیں ۔ آج وہ جڑھ سے اکھڑ گئیں جن گرجاؤں میں آغاز اجرا اسلامک ریویو ۱۳ ۱۹ء میں چہل پہل رہتی تھی۔ اور تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ آج وہ تقریباً خالی ہیں۔ رسالہ مذکورہ کے مسلسل مطالعہ سے سیکڑوں کی تعداد میں انگریزی قوم حلقہ بگوش اسلام ہوچکی ہے ۔اس اسلامی مجلہ کو مغرب و امریکہ کی ہزاروں مختلف لائبریروں میں لکھو کہا انسان مسلسل مطالعہ کرتے ہیں ۔ اور ان میں اکثر اعلانِ اسلام کرنے کے بغیر ہی عقاید اسلامی کو اپنے معتقدات میں شامل کرچکے ہیں۔ گویا ۳۱ ۱۹ء میں نصف کے قریب مغربی دنیا نے عقاید عیسائیت کو چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ نئے عقائد کی فکر میں ہیں ۔ اور یہ وقت ہے ۔کہ ہم انھیں ضروری لٹریچر بھیج دیں۔ ہم چاہتے ہیں ۔کہ کم از کم پانچ ہزار کاپی اس وقت مغرب میں اسلامک ریویو کی مفت تقسیم ہو۔ تین ہزار کاپی تو مغرب کی لائبریریوں و کتب خانہ کو مسلم بھائیوں کی طرف سے مفت جائیے اور دو ہزار کاپی ان فضلائے مغرب اور فرقہ جدیدین (ماڈرنسٹ طبقہ) کو بھیجی جائیے۔ جو عیسائیت سے بیزار ہوچکے ہیں۔ اور کسی جدید مذہب کے متلاشی ہیں۔ ہمارا پچھلا تجربہ ہے۔ کہ یہ کام ازبس سرسبز ہوکر رہیگا۔ اگر پانصد مسلم احباب اس کار خیر کی۔ پیدا شدہ مذہبی فضا کے ماتحت اہمیت کو محسوس کرلیں ۔ اور ان میں ہر ایک کم از کم اسلامک ریویو کی دس کاپیاں مغرب میں مندرجہ بالا طریق پر مفت تقسیم کرنے کے قابل ہیں کردے تو کوئی بڑی بات نہیں ۔مفت اشاعت اسلامک ریویو کا سالانہ چندہ صہ روپے ہوگا۔ اگر پانصد مسلم احباب فی کس صہ سالانہ یعنی دس کاپیاں ہر ماہ مفت تقسیم کی ذمہ داری لے لیں تو پانچ ہزار ریویو کی کاپیاں ۳۲ ۱۹ء میں مغرب میں مفت تقسیم ہوسکتی ہیں ۔ ہم مغربی لائبریریوں میں کئی سالوں سے اسلامک ریویو مفت بھیج رہے ہیں۔ جسے پڑھ کر لوگ کثرت سے مسلمان ہوگئے ہیں

اور یہ طریق و تبلیغ کم خرچ اور مفید ترین ثابت ہوا ہے۔ مسلم بھائی جن جن لائبریریوں میں یہ رسالہ بھجوائینگے تو اسے ہزاروں غیر مسلم پڑھینگے۔ اور پڑھنے والوں میں سے کوئی مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ تو اس کا ثواب وہ مسلم بھائی خود علماء دین سے دریافت لیں +

لائبریریوں میں رسالہ اسلامک ریویو کی مفت اشاعت کی سکیم کو رو براہ کرنے میں متعدد مسلم بھائی ہمارے ممد و معاون ہیں۔ جنمیں سے جناب علی احمد خان صاحب بی۔ اے ٹیکنیکل انجینیر ڈیرہ نواب صاحب کا نام نامی قابل ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ وہ اپنی طرف سے ہر ماہ بیس نئی لائبریریوں کے نام رسالہ اسلامک ریویو مفت جاری کرنے کے لئے امداد فرماتے رہتے ہیں۔ اس کار خیر میں آپ کی مخلصانہ مساعی دیگر مسلم بھائیوں کیلئے قابل اتباع ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے۔ کہ دوسرے مسلم بھائی بھی ان کی طرح اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بٹا کر داخل حسنات ہوں +

خادم۔ خواجہ عبد الغنی

سکرٹری دی مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

ضروری نوٹ: ۔ ووکنگ مشن ٹرسٹ سے متعلق مجملہ ترسیل زر بنام جناب فنانشل سکرٹری دی مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ۔ عزیز منزل۔ برانڈرتھ روڈ لاہور ہونی چاہیئے +

گوشوارۂ آمد و خرچ دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ لاہور بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء

تفصیل آمد	نمبر	رقم آمد ہندوستان و انگلستان پائی	آنہ	روپیہ	تفصیل خرچ	نمبر	رقم خرچ ہندوستان و انگلستان پائی	آنہ	روپیہ
آمد مشن۔ ریویو و کتب	[illegible]	۹	۱۰	۲۲۱۲	خرچ ووکنگ مسلم مشن انگلستان و لاہور	[illegible]	۱۰	۱۳	۳۳۱۵
آمد برائے مفت تقسیم اسلامک ریویو	[illegible]	۰	۸	۱۸۷					
آمد ریزرو فنڈ	[illegible]	۰	۰	۵	خرچ ریزرو فنڈ	۵[illegible]		۸	۶۷
میزان آمد	۰	۹	۲	۲۴۱۰	میزان خرچ	۰	۱۰	۵	۳۳۸۳

دستخط۔ فنانشل سکرٹری دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل لاہور

* طالب علموں میں دین کی اشاعت کیلئے ایک مسلم بزرگ نے مفت اشاعت اسلامک ریویو کیلئے مخصوص فنڈ اور اسلام اینڈ مسلم ریفارمر کی طباعت جاری کرنے کیلئے مخصوص فنڈ

نقشہ ۱ تفصیل آمد مسلم مشن ووکنگ واسلامک ریویو و کتب خانہ امدادی ہندوستان و انگلستان ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء

تاریخ	کرسی نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱ ۹/۳۱	۴۵۳	حضور نواب کمال الدین صاحب ...	۰	۰	۲۰
		جناب ...	۰	۰	۱
۲ ۹/۳۱	۴۵۴	جناب ایم جعفری صاحب آگرہ	۰	۰	۱۵
۴	۴۷۳	مکرم الٰہی صاحب قریشی گجرات	۰	۰	۵
	۴۷۴	مولا داد خاں صاحب و مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاور	۰	۰	۴
	۴۷۵	حضور نواب صاحب بہادر ...	۰	۰	۹۹
	۴۸۱	جناب ... ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور	۰	۰	۲
	۴۸۲	فاطمہ بیگم صاحبہ لاہور	۰	۰	۳
	۴۸۴	منیجر مسلم بک سوسائٹی لاہور از اپریل ۱۹۳۱ء تا مارچ ۱۹۳۲ء ... کتب ...	۳	۴	۵۰۴
۸ ۹/۳۱	۴۹۷	جناب منہاج الدین صاحب سرگودہ (مشن)	۰	۰	۱۰
	۴۹۸	محمد محفوظ الکریم صاحب ناگپور	۰	۰	۲
	۵۱۲	شیخ امین صاحب دہلی	۰	۰	۱
	۵۱۳	غلام محمد صاحب لاہور	۰	۸	۰
	۵۱۴	عبدالحق صاحب گجرات	۰	۰	۱۰
۹ ۹/۳۱	۵۳۰	ایم ابو سعید صاحب مالکہ کتب خانہ	۰	۰	۳
۱۲ ۹/۳۱	۵۳۵	سلطان حسین خان صاحب ... مشن	۰	۱۴	۱۷
	۵۴۴	عبدالحمید خان صاحب ...	۰	۰	۱
۱۴ ۹/۳۱	۵۴۵	کے ایچ منیار صاحب ...	۰	۰	۲
	۵۴۷	محبوب خان صاحب دھارواڑ	۰	۰	۲
۱۵ ۹/۳۱	۵۴۸	جناب ایم محمد علی صاحب بلوچستان	۰	۰	۵
	۵۴۹	ڈاکٹر امین اکبر خان صاحب ...	۰	۰	۲
	۵۵۱	... صاحب لاہور	۰	۰	۲
۱۶ ۹/۳۱	۵۵۵	شیخ احمد حسین صاحب بالاگھاٹ	۰	۰	۱
	۵۵۶	اے ایچ قریشی شملہ	۰	۰	۲
		شیخ محمد ... صاحب ...	۰	۰	۱۰

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱۸ ۹/۳۱	۵۵۹	جناب سید محمود صاحب ... مشن	۰	۰	۱
	۵۷۰	محمد حسین صاحب کاکوری	۰	۰	۱
	۵۷۱	محمد ابراہیم صاحب بھوانی	۰	۰	۲
۲۲ ۹/۳۱	۵۸۳	ڈاکٹر وزیر احمد صاحب جموں	۰	۰	۵
۲۲	۵۸۴	ابراہیم خان صاحب ...	۰	۰	۳۰
		نوٹ۔ ابراہیم خاں صاحب ... جنہیں ... روپیہ ... مفت تقسیم میں دکھائے گئے ہیں اور باقی یہاں			
۲۳ ۹/۳۱	۵۹۲	پیشگی وصولی از جناب پریذیڈنٹ صاحب لنڈن (مطابقہ اندراج بل نمبر ۵۳ / ۵۹)	۶	۱۲	۴۳
	۵۹۳	حضور نواب صاحب بہادر بھوپال برائے مفت تقسیم رسالہ	۰	۰	۵۰
	۵۹۴	جناب عبدالغنی صاحب ... زکوٰۃ	۰	۰	۳۵
۲۴ ۹/۳۱	۶۰۳	احمد حسین صاحب ... مشن	۰	۰	۴۰
	۶۰۴	قاضی منہاج الدین صاحب سیونی	۰	۰	۲
	۶۰۵	راو نجیب اللہ خان صاحب منجوعہ - دارا پور	۰	۰	۵
۲۶ ۹/۳۱	۶۱۱	فضل الدین احمد صاحب ...			۲۰
	۶۱۶	... نصف ممبر ریویو و نصف ممبر مشن	۰	۰	۴۰۰
۲۹ ۹/۳۱	۶۲۱	جناب قاضی منہاج الدین صاحب سرگودہ مشن	۰	۰	۱۰
۳۰ ۹/۳۱	۶۳۲	ڈاکٹر غلام محمد صاحب لاہور	۰	۰	۵
		فروخت رسالہ اسلامک ریویو	۰	۴	۸۶۳
		میزان	۹	۱۰	۲۲۱۲

آمد برائے مفت تقسیم اسلامک ریویو

نقشہ نمبر ۲ ذیل کی رقوم رسالہ اسلامک ریویو کی مفت تقسیم کے لئے موصول ہوئیں۔ ان حضرات کی طرف سے ... لائبریریوں کو رسالہ مذکور مفت بطور صدقہ جاریہ ارسال کیا جاتا ہے

تاریخ	نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱ ۹/۳۱	۴۵۳	جناب ... صاحب ... ایک کاپی	۰	۰	۵ روپے
۳ ۹/۳۱	۴۶۴	عبدالعزیز خان صاحب ...	۰	۸	۷
۷ ۹/۳۱	۴۸۹	ایس یٰسین محمد صاحب ... کاپی	۰	۰	۱۰
۹ ۹/۳۱	۵۱۸	محمد حسین صاحب ... کاپی	۰	۰	۵
۱۰ ۹/۳۱	۵۲۲	علی احمد خان صاحب بہادر ۲۰ کاپی	۰	۰	۱۰۰
۱۷ ۹/۳۱	۵۵۸	رحمت اللہ صاحب ... ایک کاپی	۰	۰	۵

تاریخ	نمبر	اسمائے گرامی معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۱۸ ۹/۳۱	۵۶۴	جناب سید محمود ... صاحب ... ایک کاپی	۰	۰	۵ روپے
۱۹ ۹/۳۱	۵۶۵	جناب ایچ ... خان صاحب ...	۰	۰	۵
	۵۶۶	ایس شفیع شاہ صاحب نظامی ... کاپی	۰	۰	۲۵
۲۲ ۹/۳۱	۵۸۱	ابراہیم خان صاحب ... ۳ کاپی	۰	۰	۱۵
		محمد ... صاحب ... (۱ کاپی)	۰	۰	۵
		میزان	۰	۸	۱۸۷

نقشہ ۳ تفصیل آمد ریزرو فنڈ بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء

تاریخ	نمبر رسید	اسمائے معطی صاحبان	پائی	آنہ	روپیہ
۲۲ ۹/۳۱	۲۰	جناب ڈاکٹر وزیر احمد صاحب رام نگر جموں	۰	۰	۵
		میزان	۰۰	۰	۵

قرآن مجید ایک معجزہ ہے

بقلم حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مدظلہ

کتاب مقدس کے کئی اعجازی خصائص ہیں۔ جن کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ تمام مذہبی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مقصد میں سب سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اس کتاب نے سب سے پہلے ان لوگوں کی اصلاح کی جو حیوانیت کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور انھیں ادنیٰ حالت سے تہذیب و تمدن کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا۔ اور یہ تبدیلی اس قدر قلیل عرصہ میں پیدا ہو گئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کتاب نے دنیا کے بڑے حصہ کی قسمت پلٹ دی۔ اور اس کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور باقی ماندہ حصہ کو تہذیب کے صحیح راستہ پر ڈال دیا۔ یہ کتاب ہنوز بنی نوع آدم کیلئے منبعِ حسنات ہے۔ اور اعلےٰ ترین خیالات کی تعلیم دیتی ہے۔ مثلاً توحید باری جمہوریت اور اخوت عامہ۔ اگرچہ یہ کتاب انسانیت کے تمام اہم مسائل کا صحیح حل عطا کرتی ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتی ہے۔ تاہم یہ کتاب معجزانہ طور پر مختصر ہے۔ تمام تعلیمات صرف ۶۶۶۶ آیات میں سما گئی ہیں +

ہم کو اس کتاب کی ایک سورت میں کئی ابواب کی برابر اور ایک آیت میں کئی سورتوں کی برابر معلومات مل سکتی ہیں۔ اور اس کا ایک ایک لفظ، معانی اور حقائق کا خزانہ ہے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ اس کتاب میں کسی جگہ تحکمانہ رنگ نہیں پایا جاتا کیونکہ ہر عقیدہ کیلئے دلائل اور براہین مہیا کئے گئے ہیں۔ اور یہ کتاب اپنی صداقتوں کی تائید میں حقائق فطرت کو پیش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے ابتدائی الفاظ اپنے اندر زبردست حقائق پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جو سب جہانوں کا رب (پالنے والا اور پرورش کرنے والا) ہے۔ یہ آیت

مختلف تعلیمات کا خلاصہ ہی نہیں ہے بلکہ اپنے دعاوی پر بہترین دلائل بھی رکھتی ہے۔ اس میں خدا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کو رب کے نام سے پکارا گیا ہے۔ واضح ہو۔ کہ "رب" کا ترجمہ عموماً پالنے والا یا روزی دینے والا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ دونوں لفظ عربی لفظ کے مفہوم کو پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ رب وہ ہے۔ جو نیستی سے ہستی کرتا ہے۔ اور مختلف اشیاء کو ترکیب دے کر نئی اشیاء بناتا ہے۔ اور ان میں صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے۔ تاکہ وہ استعدادیں آئندہ چل کر بروئے کار آجائیں۔ وہ ہر شئے کے خواص سے واقف ہے۔ اور انکو اپنی مرضی کے مطابق کرنا جانتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے ارادہ کی تکمیل کر سکے۔ اور وہ ان اندازوں کو معین کرتا ہے۔ جن کے مطابق اشیاء باہم مل کر امتزاج قبول کر کے نئی اشیاء پیدا کر سکتی ہیں۔ وہ اشیائے کائنات کا منتظم ہے۔ وہ ارتقائے کائنات کیلئے قوانین وضع کرتا ہے۔ اور اشیاء کو ارتقائی منازل کی شاہراہ پر ڈالتا ہے۔ قرآن میں جب لفظ رب مستعمل ہوتا ہے۔ تو وہ ان تمام معانی کا حامل ہوتا ہے۔ اور ان معانی کی تائید عربی لغات اور ادب جاہلیہ دونوں سے ہوتی ہے۔ علاوہ بریں فطرت کے جملہ مظاہر اسبابات پر شاہد ہیں۔ کہ صانع فطرت ان تمام صفات کا حامل ہے۔ طریق تخلیق کے مطالعہ میں سائنٹیفک تحقیقات اب ان عناصر سے آگے بڑھ گئی ہے۔ جن کو کسی زمانہ میں کائنات کا باعث یقین کیا جاتا تھا۔ اب تو سائنس کے سامنے "ایتھر" کا عقدہ لاینحل موجود ہے۔ اور اس ایتھر سے روشنی کی شعاعیں مسلسل صادر ہو رہی ہیں۔ اور یہ شعاعیں نفے القدر عالم صبا لی ہو [illegible] جاتی ہیں۔ جس سے سالمات پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے بے شمار سالمات سے عناصر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور امتزاج اور اجتماع کا یہ طریق عمل مقررہ قوانین کے ماتحت مسلسل جاری ہے۔ حتیٰ کہ اثیری مواد سے انسانی دماغ کی خلیات مرکب اور مرتب ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے وقوف اور شعور پیدا ہوتا ہے۔ سائنس بھی قرآنی تعلیم کا مؤید ہے۔ کہ ابتدا ہی میں اشیاء متعدد اور متعین ہو جاتی ہیں۔ اور تدریجی انتقالی منازل میں وہ خواص ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ القصہ سائنس نے فطرت میں پہلے بہت سی باتیں مشاہدہ کیں۔ تب جا کر علت مدرکہ اولیٰ کی ہستی پر اعتقاد ظاہر کیا

سائنس کہتا ہے۔ کہ تمام کائنات اٹل قوانین کے پھندے میں جکڑی ہوئی ہے جو بظاہر متضاد ہیں۔ لیکن در اصل اگر کوئی منتظم اور حکیم مؤثر ہو تو نہایت ہم آہنگی سے کام کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ کائنات میں نظم اور ارتقاء یہ دونوں باتیں عقل علم اور قدرت مطلق کے ماتحت پائی جاتی ہیں۔ اسی کی بدولت ماہرین علم الحیوٰۃ نے اپنے سابقہ ملحدانہ عقاید ترک کر کے خدا کو مدبر الامور تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ کس قدر عجیب ہے کہ یہاں بھی قرآن مجید نے سائنس کی تحقیقات جدیدہ کو پہلے ہی سے بیان کر دیا ہے منجملہ دیگر امور کے الکتاب ان حقائق کا بیان بھی کرتی ہے۔ اور یہ اور بھی حیرت انگیز بات ہے۔ کہ لفظ ربّ ان تمام حقائق کا حامل ہے۔ جملہ ربّ العالمین سے پہلے لفظ الحمد واقع ہے۔ جس کے معنے ہیں تعریف، توصیف حمد و ثناء اور اس کے علاوہ اطاعت کے معنے بھی ہیں۔ کیونکہ جب ہم حمد و ثناء کرتے ہیں تو گویا اپنے آپ کو خدا کے مقرر کردہ قوانین کا مطیع قرار دیتے ہیں۔ اور اسلام کے لفظی معنے بھی گردن نہادن ہی ہیں۔ یعنی قرآنی جملہ مذکورہ نہ صرف خدا پر ہمارا اعتقاد ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ ہمارے عقیدۂ حیات یعنی مذہب کا علمبردار بھی ہے۔ یعنے اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے۔ اگر خدا نے فعل تخلیق کو قوانین کے ماتحت رکھا ہے۔ تو ہماری زندگی اور ترقی سب کی سب انہی قوانین کی متابعت پر منحصر ہے سوائے اُن کی اطاعت کے ہم ایک لمحہ کیلئے بھی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم جملہ قوانین فطرت سے آگاہ نہیں ہیں۔ لہذا ہماری رہنمائی کیلئے وحی الٰہی کا نزول ضروری ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے۔ کہ ہر نبی ایک ہی پیغام لے کر آیا۔ اور ان سبھوں نے یہی تعلیم دی کہ اللہ یا ربّ کی اطاعت کرو۔ اگر اللہ ہی تمام قوانین کا منبع ہے اور ربّ تخلیق اور تربیت کے طریقے بتاتا ہے۔ تو ہم ان قوانین سے غافل نہیں رہ سکتے یہی وہ مذہب ہے۔ جس کا قرآن پاک ذکر کرتا ہے۔ اور اس کا مفہوم ظاہر ہے +

مجملاً زیر بحث "الحمد للہ رب العلمین" اس مذہب کی نوعیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جس کی پیروی ہم پر فرض ہے۔ سائنس اور قرآن دونوں

بھی خلقت جہدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں ہو کر ہم شروع سے اب تک گزر چکے ہیں۔ اور موجودہ حالت ہمارے ارتقاء کی منزل مقصود ہے۔ اب ہم گویا ایک نئی پیدائش کے سرے پر کھڑے ہیں۔ یہ زندگی مع الحال شعور کی زندگی ہے۔ ہر منزل میں ہمیں زاد حیات نصیب ہوتا رہا ہے۔ اور اس میں رہ کر اگلی منزل میں جانے کی استعداد بھی ہمارے اندر پیدا ہوتی رہی ہے۔ ہم قدرتی طور پر اپنے خالق کے دست نگر ہیں۔ کہ وہ ہم کو موجودہ منزل میں نیز آیندہ میں حیات کا سامان عطا کرے گا۔ اب ہم دماغی عالم میں ہیں اسلئے ہمیں تو بھی غذا کی ضرورت ہے۔ ہم لوگ ان طریقوں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ جن پر چل کر ہم دماغی اخلاقی اور روحانی منازل کو طے کر سکیں۔ کیونکہ موجودہ اور آیندہ عالم کے خاص ترکیبی عناصر یہی ہیں۔ پس ہمیں وحی و الہام کی ضرورت ہے +

موجودہ دنیا بلا شک تھوڑی مدت کے لئے ہے۔ اور ہمیں یہاں کے لئے کسی رہنمائی کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن موت ہماری ہستی کا خاتمہ نہیں کر سکتی۔ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے۔ اور وہ زندگی تو ابدی ہے۔ اسلئے ہمارے لئے اشد ضروری ہے کہ ہم اس کو روشن بنا لیں تاکہ اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیاں نہ ماریں۔ ہم کو آیندہ زندگی میں شادمانی اور راحت حاصل کرنے کے لئے عمدہ اصولوں کی ضرورت ہے +

تمام مسئلہ حیات بعد الممات پر موقوف ہے۔ بیشک یہ ایک دقیق مسئلہ ہے۔ لیکن ہم اپنے ارد گرد کی اشیاء کو دیکھ کر اور مختلف ارتقائی منازل طے کرتے اور ان کے مجموعی تجارب کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ موجودہ زندگی ہماری آخری منزل نہیں ہے قرآن پاک اس کا بہت ہی روشن طور پر ذکر کرتا ہے۔ وہ ہماری توجہ ابتداء آفرینش کی طرف مبذول کرتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرتا ہے۔ کہ وہ سات "ایام" میں واقع ہوئی۔ اور اس سے کوئی مقصد حل ہوتا ہے۔ جسے اب جسلاد کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ پہلے زمانوں اور لمبی رات سے گزری تھی۔ جبکہ ایک تمازت آلودہ مادہ نے ٹھنڈے ہو کر جوشیل آگ سے گرم حالت زمین کی شکل اختیار کر لی۔ زمین اور آسمان اس وقت ایک بند چیز تھے۔ اور انمیں بہت سی غیر مرتب اشیاء موجود تھیں۔ اس کے بعد پانی آیا۔ اور اس نے بند صندوق کو کھولا اور اس طرح زمین پر حیات کا آغاز ہوا۔ زمین بقول قرآن ملتی رہی تھی۔ تب پہاڑ اور پہاڑیاں

قائم ہوئیں۔ جنکہ زمین کو سکون حاصل ہو۔ فضا سے زمین بھی گئی وہ ہوئی۔ تاکہ ساکنان ارضی کیلئے راحت مفقود ہو سکے۔ فضا آسمان کے سلسلے میں مُزَیّن کیا گیا۔ تاکہ اندھیرا دور ہو۔ پھر بادلوں کو پانی برسانا تاکہ مُردہ مادہ دور ہو جائے ....

اس کے بعد وہ زمین میں سمایا۔ اور اُس کو سبزی ترکاریاں پیدا ہوئیں۔ پھر باغات میں پھل اور پھول پیدا ہوئے۔ اور کھیتوں میں بہت سے اناج پیدا ہو گئے۔ اور اسی لئے دن اور رات بنائے گئے۔ اور اُن کی مُدّت میں اختلاف رکھا گیا۔ تاکہ ہوائیں اور بادل ظہور پذیر ہوں۔ ہواؤں نے جہازوں کو حرکت بخشی اور جہازوں کی بدولت ہمیں سمندری دولت نصیب ہوئی۔ دن اس لئے بنایا۔ کہ ہم لوگ کاموں میں لگے رہیں۔ اور رات آرام کے لئے بنائی گئی۔ تاکہ ہم اپنے جسموں کو آرام دے سکیں۔ الکتاب میں ہماری پیدائش کا حال بھی مذکور ہے۔ مختلف اشیاء کے ذریعے باہم ملے۔ اور اُن کی بدولت انسانوں کے اندر مادہ منویہ پیدا ہوا۔ پھر وہ مادہ عورت کے رحم میں قائم ہوا۔ اور اس میں وہ سات مختلف منازل میں سے ہو کر گذرا۔ اور ایک نئی مخلوق کی شکل میں جلوہ گر ہوا۔ زمین سے چوپائے برآمد ہوئے مختلف اقسام کے ہمارے استعمال کے لئے اور غذا کے لئے۔ الکتاب فرماتی ہے۔ کہ کُل کائنات انسان کی خادم بنائی گئی ہے۔ اور انسان کو مختلف نعمتیں دی گئی ہیں۔ جن کا تصوّر بھی دشوار ہے۔ مختصر یہ کہ ہماری جملہ ضروریات پہلے ہی سے مہیا کر دی گئی ہیں۔ اس کائنات کے بنانے والے کے مدّ نظر ضرور کوئی مقصد ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کائنات کو لاکھوں سال میں ترتیب دیا ہے اور یہ وقفہ بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں سب کچھ پیدا کر سکتا تھا یہ کائنات اس ترتیب سے بنائی گئی ہے کہ اسمیں ذی عزّت مخلوق رہ سکے۔ اور وہ مخلوق سوائے انسان کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ انسان تو خدا کا خلیفہ ہے +

الکتاب نے انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ سے آگاہ کیا۔ اگر ایسا ہوتا کہ ہم اس دنیا میں ساٹھ ستّر سال زندہ رہنے کے بعد ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے۔ تو پھر یہ سلسلہ تخلیق محض ایک کھیل تماشا ہوتا۔ لیکن غور کیجئے۔ کہ یہ تمام کاریگری اور محنت بالکل بیکار ہے۔ یقیناً اس کیلئے کوئی مقصد ہونا چاہئے۔ چنانچہ کائنات میں جو کچھ ہے۔ وہ کسی نہ کسی مقصد کے لئے ہے۔ اور وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہماری زندگی

مسلسل طور پر جاری رہتی ہے۔ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کرینگے۔ اور ترقی کا سلسلہ بدستور جاری رہیگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید نے حیات بعد الممات کا متعدد مرتبہ ذکر کیا ہے۔ بلکہ یہ بات تو ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ الکتاب نے ہماری آئندہ زندگی کی ترقیات اور ارتقائی منازل کے طے کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور وہ منازل قرآنی اصطلاح میں ہفت بہشت کے نام سے موسوم ہیں۔ اگر ہم قدیم عقائد کے پابند ہوتے تو دہریہ کی طرح دنیا کو اتفاق کا نتیجہ قرار دے سکتے تھے۔ اور کہہ سکتے تھے جس طرح قرآن مجید نے کفار کا قول نقل کیا ہے " ہماری زندگی اسی دنیا تک محدود ہے" لیکن اگر حیات انسانی مسلسل رہنے والی چیز ہے۔ جیسا کہ تمام الہامی کتابیں کہتی ہیں۔ اور صحیح سائنس کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ تو ہمیں واقعی وحی والہام کی ضرورت ہے۔ قرآن مقدس نے مفصلہ ذیل امور کی طرف ہماری توجہ مبذول کی ہے۔ جن سے الہام کی ضرورت ظاہر ہوتی ہے:

(۱) ہر شے کو اس کے مرتبہ کمال سے واقف کر دیا گیا ہے۔ اور جب وہ خدا کے مقرر کردہ قوانین پر گامزن ہوتی ہے۔ تو اس کی مخفیہ قوتیں سب بروئے کار آجاتی ہیں۔ کائنات میں یہ قانون ہر جگہ کارفرما ہے۔ لہٰذا "قوت" میں بھی کارفرما ہوگا۔ لیکن ہم ماں کے پیٹ سے اپنے ذہن کی اصلاح کیلئے کوئی علم لیکر نہیں آتے یہ تو اوپر ہی سے آتا ہے۔

(۲) اگر خدا ہر شے کی ربوبیت کرتا ہے۔ تو خدا ہمارے "شعور" کو بھی غذا عطا کریگا۔ کیونکہ وہ ہر شے کی پرورش کرتا ہے۔ اور محض اپنی مرضی سے ہر ذی روح کو پالتا ہے۔

(۳) اگر خدا چاند سورج ستارے اور دیگر روشن اجرام پیدا نہ کرتا تو ہم اندھیرے میں رہتے۔ پس کیا وہ ہم کو روحانی تاریکی سے نکالنے کا سامان مہیا نہ کریگا؟

(۴) تمام اشیاء ان مادوں سے محدود ہیں۔ جو کسی شے کیلئے مفید ہیں یا مضر۔ لیکن ہر ذی روح میں ایسی باطنی قوت موجود ہے۔ کہ وہ اپنے مفید مطلب مادوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ اور مضر مادوں کو خارج کر دیتی ہے۔ طبعی طور پر ہمارا جسم اسی اصول پر عمل کرتا ہے۔ لیکن ذہنی طور پر ہمارے پاس یہ قوت نہیں ہے۔ کہ ہم از خود

نیک وبد میں امتیاز کرسکیں۔ پس یہ قوت خارج سے آنی چاہیئے۔ اور دراصل الہام کی شکل میں آچکی ہے +

(۵) طلب علم ہماری سرشت میں داخل ہے۔ اور اگر خدا نے اپنی مہربانی سے اس کائنات میں وہ تمام چیزیں پیدا کردی ہیں۔ جو ہماری ضروریات زندگی کو پورا کرتی ہیں تو یقیناً اس نے ہماری طلب علم کیلئے بھی کوئی انتظام کیا ہوگا۔ اور یقیناً یہ نعمت بھی اس نے مہیا کی ہوگی۔ قرآن پاک ایسی ضرورت کو پورا کرتا ہے +

(۶) اگرچہ تمام اشیاء اپنی غذا ایک ہی ماخذ سے حاصل کرتی ہیں لیکن وہ معینہ تناسب کے مطابق حاصل کرتی ہیں۔ ہر شے جبلی طور پر جانتی ہے۔ کہ اسے اپنی روزمرہ ضرورت کیلئے کس چیز کی کس مقدار میں ضرورت ہے لیکن ہم کو یہ وجدان پیدائشی طور پر حاصل ہیں۔ یہ بات جزوی طور پر ہمیں تعلیم وتربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور ہمارے گذشتہ تجارب کا جسے ضمیر کہ سکتے ہیں نتیجہ ہوتی ہے لیکن یہ قوت کئی پہلوؤں سے ناقص ہوتی ہے۔ ان مقادیر کا صحیح علم آسمان سے آنا چاہیئے۔ تاکہ انسان صحیح طریق پر زندگی بسر کرسکے +

(۷) قرآن انسان کو خدا کا نائب قرار دیتا ہے۔ اور ہمیں خود بھی اس امر کا احساس ہے کہ ہم کائنات کے حاکم اور افسر اعلےٰ ہیں۔ پس اگر ہم نائب ہیں تو ہمیں اپنے افسر اعلےٰ کی طرف سے کچھ ہدایات بھی ملنی ضرور ہیں۔ تاکہ ہم اس کی مرضی کے مطابق نیابت کرسکیں۔ قرآن کے نزول کے وقت ہم حیوانوں سے بھی بدتر تھے۔ اس کتاب نے ہمیں اُن ذرائع سے آگاہ کیا۔ جن کی بدولت ہم اپنے حقوق حاصل کرسکتے ہیں۔ عربوں نے اُن اصولوں پر عمل کیا۔ اور ورثہ حاصل کرلیا لیس جو لوگ الہام کے قائل نہیں انھیں لازم ہے۔ وہ یہ سمجھائیں۔ کہ قرآن کے نزول کے بعد عربوں کے اندر یہ حیرت انگیز تبدیلی کیونکر پیدا ہوگئی؟

(۸) ہم کو بہترین طریق پر خلق کیا گیا ہے۔ ہم بہترین طور پر ہر بات کو انجام دے سکتے ہیں بشرطیکہ ہماری رہنمائی صحیح طور پر کی جائے۔ ورنہ ناکامی یقینی ہے۔ اگر خدا [illegible] مہربان تھا

کہ اس نے ہمیں ایسا حیرت انگیز استعداد دین دے کر پیدا کیا تو کیا وہ ہمیں ایسی قوت عطا نہ کریگا۔ جس کی مدد سے ہم ان استعدادوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں +

(۹) یہ کائنات قوانین کے ماتحت ہے اور جو لوگ خلاف ورزی کرتے ہیں انھیں اپنی غفلت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے لیکن کوئی عقلمند حکومت اس وقت تک ملزموں کو قید خانہ میں نہیں ڈالتی۔ جب تک ضابطۂ قانون شائع نہ کرے۔ اور جب تک کوئی مسودۂ قانون پاس ہونے سے پہلے شائع نہ کیا جائے۔ اس پر قانون کا اطلاق نہیں ہو سکتا اس اصول کو خالق کائنات نے بھی اپنے لئے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ بات اپنے ذمہ ٹھیرا لی ہے۔ کہ ہر قوم اور ہر ملک میں ان لوگوں کو مبعوث کیا جائے۔ جو اس کے قوانین کو مخلوق تک پہنچا دیں۔ انہی کو قرآنی اصطلاح میں نبی اور رسول کہتے ہیں +

مسلم مشن ووکنگ انگلستان کا مکتوب

مذہب مستقبل

جناب امام صاحب مسجد ووکنگ کا عنوان بالا کے تحت میں ایک مضمون "ڈنفرمیلائن جرنل" سکاٹلینڈ میں شائع ہوا ہے۔ جو امید ہے کہ ہندوستان کے مسلم بھائیوں کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

بخدمت جناب مدیر صاحب "ڈنفرمیلائن جرنل"۔

جناب عالی! آپ اپنے گرامی پرچہ ۲۳ مئی سا۱۹۳۱ء کی اشاعت میں عنوان بالا کے موضوع پر رقمطراز ہیں۔ کہ ریورنڈ ڈاکٹر ڈبلیو ایم۔ رینوک لکھتے ہیں۔ کہ دنیا قماربازی میکساری بیلے اعتدالی کی مکمل سرمستیوں میں مدہوش تھی جس سے دس ہزار نفوس تلف ہو گئے۔ اور بیشمار گھرانے بے خانماں ہو کر تباہ و برباد ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ مستقبل قریب میں کس مذہب کو فوقیت و استیلا حاصل ہوگا +

میں اتفاقاً یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں جیسے معزز ڈاکٹر نے استعمال کیا ہے۔ اور اس دنیا کی مولود بیسویں مسیحیت ہے۔ اور گو یہی صورت حالات ہے اور دنیا کو مدد ان کی چاہئے جس کا مسطور بالا میں ذکر کیا۔ تو معاملات کی حالت واقعی خطرناک۔ تاسف انگیز۔ الم افزا۔ اور ناخوشگوار ہے + بہرحال میں معزز جنگ کی گرامی توجہ اس حقیقت نفس الامری کی طرف مبذول کرتا ہوں کہ مذہب اسلام جسے نسل انسانی کی آبادی میں چالیس کروڑ نفوس یعنی ایک تہائی حصہ بطور رعایا مشتمل ہے بادہ گساری کے استعمال اور قماربازی کو قطعاً ممنوع و حرام قرار دیتا ہے +

میں علی الخصوص معزز پادری صاحب کو مشاہیر مذہب اسلام کی قبولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور ان سے اس مذہب مستقبل کو مذہب قائم کرنے کیلئے ان کی باہمی [illegible] کا متمنی ہوں۔ کیونکر دنیا میں صرف یہی ایک مصلح مذہب ہے۔ جو دنیا کو میخواری جیسے اعتدالی سے جس کا ہم سب کو احساس ہے نجات دلا سکتا ہے +

مراسلات

مذہب اسلام میں احباریت کا وجود نہیں ہے

مفصلہ ذیل خط جو عنوان کا حامل ہے مولانا ہارون مصطفےٰ لیون نے ڈیلی ٹیلیگراف کو لکھا تھا۔ لیکن وجہ ظاہر کئے بغیر اُسے شائع نہیں کیا گیا۔

شاید اسکی عدم اشاعت کی وجہ یہ ہو کہ اڈیٹر جریدہ مذکور تسلیم کرنا نہیں چاہتا ہوگا۔ کہ وہ اسلامی معاملات سے قطعی واقف نہیں ہے۔ اور اس نے اس معاملہ میں جان ہالکنز ہیڈ کے مقولہ پر عمل کیا ہو کہ اڈیٹر وہ ہے جس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ علاوہ بریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برطانوی پریس کے طرز عمل سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکے ارکان برطانی اصحاب کو صداقت اسلام کے بنیادی اصولوں سے ناواقف رکھنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ اسلئے اڈیٹر مذکور نے اس خط کو طاق نسیان پر رکھ دیا۔

۱۱ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

جناب من! آپ نے اپنے اخبار کی شنبہ کی اشاعت میں اس خبر کے اندراج کے ضمن میں کہ امام مسجد ووکنگ نے ایک شخص کے خلاف جس نے ان کی حیثیت عرفی کا ازالہ کیا تھا پانچسو پاؤنڈ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ امام موصوف کو Priest یعنی طبقۂ احبار کا ایک فرد لکھا ہے اور ان کے نام کے پہلے ریورینڈ بھی لکھا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحی الفاظ غیر موزوں ہیں۔ بلکہ غلط ہیں اور ان سے اسلام کے متعلق غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اسلام میں "احباریت" تھی نہ ہے۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ اور لفظ "امام" اس شخص کے نام کے ساتھ مستعمل ہے۔ جس کی اقتدا کی جائے۔ یہ لفظ خود قرآن شریف میں استعمال ہوا ہے۔ اور دونوں معانی میں آیا ہے "مثال" اور "نمونہ" (ملاحظہ ہو ۲: ۱۲۴ ، ۱۷: ۷۱ ، ۲۵: ۷۴ ، ۳۶ : ۱۲)۔

امام اُسے ہی کہتے ہیں جو کسی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے۔ اور ہر مسجد میں خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی

کیوں نہ ہو ایک امام ضرور ہوتا ہے۔ ترکی میں گاؤں کا خوجہ یا اسکول ماسٹر عام طور پر امام کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اس کو تنخواہ دی جاتی ہے گویا مذکورہ اوقات میں نہ نماز پڑھانے کی بلکہ درس دینے کی۔ امام کا منصب بہر نوع کوئی مقدس منصب نہیں ہے۔ جس کے لئے کسی مخصوص یا امتیازی نشان رکھنے والے کی ضرورت ہو۔ اور نہ اُسے شرعی رسوم کے ساتھ صرف نماز پڑھانے کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پادریوں کے معاملہ میں ہوتا ہے اور نہ یہ منصب موروثی ہے۔ جیسا کہ ہندو مذہب میں پایا جاتا ہے۔ اس معاملہ میں امام کی پوزیشن یہودیا کل کے "شیلیاہ تزیبور" کی مانند ہوتی ہے۔ جو جماعت کے نمائندہ کی حیثیت میں کام کیا کرتا تھا۔ اور اُن کی طرف دُعائیں پڑھا کرتا تھا۔ اور یہ منصب نہایت معزز خیال کیا جاتا تھا۔ اور جماعت میں بہترین آدمی اس کام کیلئے منتخب ہوتا تھا۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں اسلام میں "احباریت" کا وجود نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں کی کوئی جماعت مذہبی فریضہ نماز ادا نہیں کرتی جب تک اپنے میں سے ایک قابل شخص کو اپنا امام نہ بنالے جو جماعت کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے۔

اس ضمن میں احادیث میں چند اصول بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا اجمالی ذکر ذیل میں مندرج ہے:۔

جب تین آدمی نماز کے لئے آمادہ ہوں۔ تو ان میں سے ایک امام بن جائے اور دو باقیماندہ اسکی اقتداء میں نماز ادا کریں۔ امام وہ بنے جو سب میں قرآن شریف بہترین طریق پر پڑھ سکے۔ جب تم میں سے کوئی امام بنے تو لازم ہے۔ کہ نمازوں میں اختصار کو ملحوظ رکھے۔ کیونکہ مقتدیوں میں سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ مثلاً ضعیف، مریض، بوڑھے وغیرہ اور جب تم اکیلے نماز پڑھو تو اختیار ہے۔ کہ اپنی نماز کو جس قدر چاہو طول دو۔

ریورنڈ" کی اصطلاح اسلام میں امام پر عاید نہیں ہوتی۔ اگر امام دینیات وغیرہ کا عالم ہو تو اُسے مولوی" لکھنا چاہئے فقط

راقم۔ ہارون مصطفےٰ لیون

ایم۔اے۔ ایل ایل۔ڈی

مراسلات

ذیل میں مسٹر سے' ایل بی کا وہ خط درج کیا جاتا ہے جو انہوں نے امام مسجد ووکنگ کو لکھا تھا صاحب موصوف کا پہلا خط جولائی نمبر میں شائع ہو چکا ہے +

بخدمت امام المسجد ووکنگ

ڈیئر سر:۔ میں اپنے امتحان سے فارغ ہو کر اب تعطیلات بسر کرنے اپنے وطن آیا ہوں۔ اور مجھے فرصت نصیب ہوئی ہے۔ کہ آپ کو مفصل خط لکھوں +

میں نے اسلامک ریویو کے نمبروں اور اُن کتابوں کا جو آپ نے مجھے روانہ کی تھیں بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں کئی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ پہلے میں اُن باتوں کا ذکر کرونگا۔ جو اسلام میں مجھے پسند آئیں +

(۱) توحید ایزدی:۔ میں نے مسیحیت اور خصوصاً کیتھولک مذہب کا کافی مطالعہ کیا ہے میری عقل نے تثلیث کے مسئلہ کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ علمائے الٰہیات نے ہمیں بتایا ہے۔ یہ مسئلہ منطق کی مدد سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ہم اس کو صرف ایمان کی مدد سے قبول کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے۔ ایسے جوابوں سے میری تسلی نہیں ہو سکتی۔ کیتھولک مذہب میں خدا کی عظمت تاریکی کے پردہ میں چھپ جاتی ہے اور ہمیں کبھی اس کا جلوہ نصیب نہیں ہوتا۔ کنواری مریم اور ہزاروں اولیا اسکے گرد اگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان حائل ہیں +

اسلام میں دوسری خوبی یہ ہے۔ کہ رسوم شرعی نہیں ہیں۔ اور یہ بڑی تسلی بخش بات ہے۔ یعنی یہاں نہ صلیب کا نشان ہے۔ نہ مورتیں اور مجسمے ہیں۔ اور نہ تسبیح ہے۔ یہ باتیں میری رائے میں انسان کی عظمت ذاتی کو کم کرتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ انسان اس قدر ضعیف العقل ہے۔ کہ بغیر ان آلات کے خدا تک پہنچ ہی نہیں سکتا +

(۲) اسلام میں منظم احباریت کا وجود نہیں ہے۔ ایک مخصوص جماعت کے فوق العادت قوتوں کے مالک ہونے کے دعووں نے مجھے ہمیشہ روحانی تکلیف پہنچائی ہے۔ بلکہ ان کی بساط پر مجھے غصہ آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میری ہمدردی مخالفین احباریت مثلاً والٹیر اور اناطول فرانس کے

ساتھ یہی ہے۔ مُقدسین کا یہ گمشدہ تو حاقائق ہو دولت عنصر ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اعتراف گناہ کا مسئلہ بھی وابستہ ہے۔ اور یہ بھی گویا ہمارے اور خدا کے مابین ایک حد فاصل ہے۔ کیتھولک مذہب میں انسان ہمیشہ پادریوں کا دست نگر رہتا ہے کیونکہ اُن کی تعلیم یہ ہے۔ کہ بغیر ہماری وساطت کے لوگوں کو مذہبی برکات حاصل نہیں ہو سکتیں +

(۳) اسلام کا عملی نصب العین - تمام مذاہب میں یہی مذہب ایسا معلوم ہوتا ہے جس نے خدا کی یاد دلانے کے ساتھ ساتھ دُنیا کی طرف بھی متوجہ کیا ہے۔ قرآنی احکام ناقابل عمل نہیں ہیں۔ ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور میری رائے میں جماعتی قانون کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ جو ہر طرح سے تسلی بخش ثابت ہو گا۔ اسکی رُو سے ایک شخص دُنیا میں مُعزز اور مفید زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ایک نیک مسلمان بھی رہ سکتا ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں سے یہ نہیں کہتا کہ دُنیا ترک کر دو۔ اور شدید طرز کی رُہبانیت کے پیرو ہو جاؤ۔ اسلام کہتا ہے۔ کہ انسان میں جسم بھی ہے اور رُوح بھی مسیحیت نے تو بنی نوعِ آدم کو بے راہ کر دینا چاہا تھا۔ لیکن اسلام انسان کی قوّت شہوانی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کی باطنی خوبیوں کا بشرطیکہ وہ دائرہ اعتدال کے اندر رہیں اعتراف کرتا ہے +

میں اُن مجملہ باتوں میں آج کی تاریخ سے اسلام کی پیروی کرونگا لیکن ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے +

میں یونانی زبان نہیں جانتا۔ لیکن لاطینی میں خاصی دستگاہ رکھتا ہوں اور میں نے رُوم اور یُونان کے بہت سے ادباء کی تصانیف کا مُطالعہ کیا ہے اصلی عبارتیں بھی پڑھی ہیں اور اُن کے تراجم بھی۔ کیمبرج میں رہنے کی وجہ سے مجھے انگریزی ادب سے کافی واقفیت ہے۔ اور میں نے بطور خود فرنچ بھی پڑھی ہے گویا میرے تمدن کی بنیاد تمام مغربی دُنیا میں ہے۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میں اپنے مغربی تمدن سے غداری کرنے کا مرتکب ہوں گا

میں نے مشرقی سیاحت کے متعلق بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ برٹن اور ڈاؤٹی سے لے کر مسٹر ٹامس کی تازہ تصنیف تک تاکہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ مجھے مشرق سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے۔ لیکن باوجود اس وابستگی کے آخرکار میں مغربیت کے دامن ہی میں جا بیگانہ ہوتا ہوں۔ اگرچہ مجھے مغربی مصنفین کے کلام میں بہت لطف آتا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ میں مشرق سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتا ہوں۔ بیشک یہ سچ ہے۔ کہ میری ولادت اور تربیت ایسے ماحول میں ہوئی ہے۔ کہ میرے لئے خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے۔ گویا میرے پاس وہ کنجی نہیں۔ جس سے مطالعہ کا کا دروازہ کھول سکوں +

فی الحال میں اسلام کو اس کے پیروؤں سے جانچنے کی طرف مائل ہوں۔ اور یہ لوگ بسا اوقات بڑی تنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مسیحیت کا ریکارڈ بھی ایسا ہی خراب ہے۔ شاید بدتر ہو گا۔ تاہم یہ ایسی بات نہیں جو کسی مذہب کے متعلق فیصلہ میں اثر انداز ہو سکے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ ان باتوں کا تحت الشعوری اثر ضرور ہوتا ہے +

اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں۔ تو میرے ساتھ مسلمان کس قسم کا طرزِ عمل روا رکھیں گے؟ کیا وہ مجھے ایک بیرونی آدمی سمجھیں گے۔ اور شبہ کی نظر سے دیکھیں گے؟ میرا ایسا خیال ہے۔ کہ خواہ میرا خلوص کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ میں ان لوگوں کے برابر نہ ہو سکوں گا۔ جو پیدائشی مسلمان ہیں۔ غالباً یہ محض میرا وہم ہے۔ مگر میرے اندر تو موجود ہے +

اسلام میں ظاہری باتیں یا فرائض کیا ہیں؟ میں صلوٰۃ پنجگانہ سے تو واقف ہوں اور رمضان کے روزوں سے بھی۔ کیا اس قسم کی رسوم اور بھی ہیں؟

اسلامی تقدیر کا اصلی مفہوم کیا ہے؟ مسیحی مصنفین بتاتے ہیں۔ کہ اسلام ایک جامد مذہب ہے، اور اب ترقی کی صلاحیت بالکل نہیں ہے، کیونکہ مسلمان تقدیر پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں ایسی تقدیر کا قائل نہیں ہو سکتا۔ جس کی رو سے انسان یہ تسلیم کرنے پر

مجبور ہو کر خدا نے ہر شخص کے لئے پہلے ہی سے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ظاہر ہے۔ کہ اس صورت میں ہمیں نیک اعمال کیلئے کوئی محرک نہیں مل سکتا۔ ہاں۔ یہ مانتا ہوں۔ کہ انسان کی زندگی تاثرات ارثی پر تعلیم و تربیت پر ماحول اور سوسائٹی پر منحصر ہے۔ اور اگر ہم زید کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں۔ تو پھر ہم بہ آسانی یہ حکم لگا سکتے ہیں۔ کہ آیندہ زندگی میں فلاں موقع پر پہنچ کر زید کونسی راہ اختیار کریگا؟ شوپنہار نے اپنی تالیف موسومہ "اجرائے تاریخ فلسفہ" میں اس شخص کی دشواری کو ظاہر کیا ہے۔ جو خدا کو خالق کائنات تسلیم کرنے کے بعد انسان کو مخلوق تسلیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ مخلوق ہونا اور پھر مختار ہونا دو متضاد باتیں ہیں۔ جو ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں +

زبان کے متعلق کیا مشورہ ہے؟ کیا ایک نو مسلم کیلئے عربی سیکھنی ضروری ہے کسی زبان کے حاصل کرنے میں ذاتی طور پر مجھے کوئی دشواری نہیں معلوم ہوتی بلکہ میں تو خوش ہونگا +

آخر میں یہ لکھنا ضروری ہے۔ کہ میں اسلام سے بہت کچھ متاثر ہوا ہوں۔ اب تک میرا وقت ادب اور فلسفہ کے مطالعہ میں گزرا ہے۔ لیکن اب مجھے دن بدن مذہب کی ضرورت کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ اسلام میں مجھے وہ تمام باتیں مل جائینگی۔ جن کا میں ایک مذہب میں متلاشی ہوں +

اگرچہ فی الحال میں اسلام قبول کرنے کیلئے اپنے اندر آمادگی نہیں پاتا۔ تاہم میرا خیال ہے۔ کہ آخر الامر اسلام مجھ پر غالب آکر مجھے اپنا غلام بنا لیگا۔ میں اپنی تعطیل کا آخری مہینہ شاید جرمنی میں بسر کرونگا۔ اور وہاں سب سے جدا ہو کر میں اپنے متعلق آخری فیصلہ کرونگا۔ اور جب اکتوبر کے آخر میں کیمبرج واپس آؤں گا تو یہ مسئلہ حل شدہ ہوگا۔ اگر میں نے صحیح فیصلہ کر لیا۔ تو مسلمان ہونے کیلئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں اسلام کی عالمگیر اخوت میں کس طرح داخل ہو سکتا ہوں؟ اور فی الحال مجھے کن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے +

ریویو ماہ مئی میں ایک نومسلمہ مس براؤن کی تصویر شائع ہوئی ہے کیا آپ مجھے

مس موصوفہ سے متعارف کر سکتے ہیں ؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر کسی اور نومسلم سے متعارف کرا دیجئے۔ میں اس کے ساتھ اپنے تجارب مذہبی کا موازنہ کرنا چاہتا ہوں +
آخر میں اس امر کی معاقی چاہتا ہوں۔ کہ میں نے بیک وقت بہت سے سوالات آپ کی خدمت میں عرض کر دئے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ میرا یہ خط ایک شخص کا پیمانۂ تحمل لبریز کر دینے کیلئے بہت کافی ہے +

آپ کا مخلص

جے۔ ایل۔ پی

اس خط کا جواب

المسجد ووکنگ جون ہفتہ ۳۱ سنہ ۱۹۳۱ء

اخویم۔ السلام علیکم!

آپ کا ۱۳ جون کا خط ملا۔ اس کے مضامین میں خلوص اور نیک نیتی کی بو آتی ہے۔ اور یقین ہے۔ کہ آپ کو روشنی ملیگی۔ میں اس قسم کے مباحث سے کبھی ہرگز ملول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مجھے تو خوشی ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص سچائی کے ساتھ اپنے شبہات پیش کرے۔ قرآن پاک کی تعلیم ہمارے لئے اس معاملہ میں یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت کے ساتھ بلاؤ۔ اور اُن کے ساتھ بہترین طرق پر تبادلۂ خیال کرو۔ یقیناً تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ کہ کون گمراہ ہے۔ اور کون صحیح راستہ پر چل رہا ہے" (قرآن مجید ۱۶: ۱۲۵)

چونکہ آپ تعلیمیافتہ اور روشن دماغ آدمی ہیں۔ اس لئے میں آپ کے سوالات کے جوابات اختصار کے ساتھ عرض کرونگا۔ کیونکہ "العاقل تکفیہ الاشارۃ" میرے جوابات زیادہ تر مشورہ کے رنگ میں ہونگے۔ تاکہ آپ خود اپنے لئے شاہراہ منتخب کر سکیں +

(۱) آپ نے اپنی مغربی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ گذشتہ پندرہ سو سال سے یورپ ایک مشرقی انسان یسوع نامی کو سجدہ کرتا رہا ہے۔ اور ابھی

وہاں کے لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا جو آپ کے دل میں آیا۔ ملٹن نے بھی یونانی اور لاطینی ادب کا مطالعہ کیا تھا؛ لیکن اس کے سامنے مسیحیت کا کا پیش کردہ نصب العین تھا۔ اس نے اور اسی وضع کے لوگوں نے مسیحیت کو فروغ دینے کیلئے، اصنام پرستوں کی تہذیب سے مواد ذہنی حاصل کیا تھا۔ اور اسی طرح بعض مسلمانوں نے اسلام کیلئے کام کیا احیاء العلوم کی تحریک جو مغربی تہذیب کی بانی ہے۔ دراصل اسپین کے مسلمانوں نے شروع کی تھی۔ اور یہ محض اتفاق ہے کہ اسلام نے اپنے دور ابتدائی میں کسی مغربی قوم کو پورے طور سے حلقہ بگوش نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسے مشرقی مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن شریف فرماتا ہے۔ کہ خدا مشرق اور مغرب دونوں کا مالک ہے۔ اسلام کا عربی تمدن اب خواب و خیال ہو چکا ہے۔ اور اب ہم منتظر ہیں۔ کہ مغرب سے اسلامی تمدن کا نیا آفتاب طلوع ہوگا +

(۲) آپ نے لکھا ہے۔ کہ اسلامی تاریخ میں بھی تاریک صفحات ہیں۔ یہ سچ ہے لیکن اس کے روشن صفحات، اس کے تاریک صفحات سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ اسی پر فیصلہ کا مدار مقرر ہو سکتا ہے۔ مسیحیت اور اسلام کی تاریخوں میں اصولی اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کی تاریخ جوں جوں ابتدا میں مطالعہ کی جائے روشن ہے۔ لیکن مسیحیت کی تاریخ بانی سے جس قدر دور ہوتی جائیگی اسی قدر روشن ہوگی۔ جب تک ہم اس گرد آلود دنیا میں رہتے ہیں۔ ہم کو بہترین اشیاء میں بھی برائی کا شائبہ نظر آئیگا۔ پس صحیح طریق عمل یہ نہیں کہ ہم شدید تنقید کریں۔ بلکہ صداقت کے علمبردار بنکر برائیوں کو نابود کر دیں +

(۳) نومسلم کا مرتبہ اسلام میں کیا ہے؟ اس کے متعلق میں عرض کروں گا کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسلام نے اپنا پیدائشی حق زائل نہیں کیا ہے ہندوستان کے تجربہ سے ہم آپ کو یقین دلا سکتے ہیں۔ کہ تمدنی سیاسی اور مذہبی نقطۂ خیال سے مسلمان ہندو کو یورپ کے مسیحیوں سے بہتر نہیں خیال کرتے۔ لیکن اس پر بھی اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جاتا ہے۔ تو اسے اپنے ہم رتبہ مسلم خاندان میں شادی کرنے

میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی ۔ یوروپین اصحاب کی جانب جو کچھ بدگمانی مسلمانوں کے دلوں
میں پائی جاتی ہے۔ اس کا سبب اختلاف عقائد نہیں ہے۔ بلکہ خود اہل یورپ کا سیاسی طرز
عمل مسابقت کا نو مر ود ہے۔ اور لارنس کی وضع کے لوگوں نے اس جذبہ کو مزید تقویت بہم
پہنچائی ہے۔ پس اسبات کے لئے مسلمانوں کو ملزم قرار نہیں دیا جا سکتا علاوہ بریں
اب یہ بدگمانی رفتہ رفتہ دور ہو رہی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو علم ہوتا جاتا ہے۔ کہ اب
بہت سے یوروپین خلوص کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں عالیجناب لارڈ ہیڈلے بالقابہ جب پہلی مرتبہ
مصر اور جنوبی افریقہ گئے۔ تو بہت سے مسلمانوں نے انھیں جاسوس خیال کیا تھا لیکن
جب وہ دوبارہ مکہ معظمہ وغیرہ گئے۔ تو آپ کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔
مناسب ہوگا ۔ اگر آپ اپریل نمبر میں ہمارے شذرہ بعنوان یورپین اسلام
کا مطالعہ کرلیں ۔ اگر نومسلم کو اسلامی علوم سے کافی واقفیت ہو تو مسلمانوں میں اسکی
بہت زیادہ قدر و منزلت ہوتی ہے۔ اور ہمارا ذاتی تجربہ ہے ۔ کہ جب مشرقی مسلمان
کسی تعلیمیافتہ یوروپین کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر پڑھتے ہیں ۔ تو
ان کے قلوب میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور اس لئے وہ نومسلم اپنے عقاید
کی خاطر ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔

(۴) اسلامی تعلیمات کے رسوم کی شکل میں مبدل ہو جانے کی بابت یہ
عرض ہے۔ کہ کسی مذہب کے تمدن سے آشنا ہونے کے لئے چند باتوں کی پابندی
بہر حال لازمی ہے۔ جس کے بغیر چارہ نہیں ۔ بیشک بہت سے ایسے مسلمان بھی
ہیں جو بغیر سمجھے ہوئے اپنی نماز ادا کرتے ہیں ۔ لیکن یہ ایسے لوگوں کی کمی ہے ان کی تعداد
جو کو سمجھ کر پڑھنے سے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں ۔ قرآن شریف نے
اس مدعا کو بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ نیکو کاری یہ نہیں کہ تم اپنا منہ
مشرق کی یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیکو کاری یہ ہے کہ تم اللہ پر اس کے رسولوں پر
یوم آخرت پر ایمان لاؤ اور اپنی دولت اعزہ۔ اور یتامیٰ پر خرچ کرو ۔ اور
مسافروں اور مساکین کی مدد کرو نمازیں پڑھو زکوٰۃ دو اور ایفائے عہد کرو صیبت

میں شاکر اور صابر رہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور متقی ہیں" (قرآن مجید ۲: ۱۷۷)
دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ظاہر کی ایک مخصوص جگہ ہے
لیکن اصل مقصد روح یا باطن کا پیدا کرنا ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد ہوتا ہے
"افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نمازوں کو غفلت سے ادا کرتے ہیں۔ اور
محض دکھانے کے لئے نیک کام کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ نہیں دیتے (قرآن مجید ۱۰۷: ۴تا۷)
اسلام میں نماز کے محض رسم بن جانے کا اس قدر خطرہ نہیں ہے جس قدر مسیحیت میں ہے
اور سوائے نماز اور روزہ کے اور کوئی ایسی مذہبی رسم اسلام میں نہیں جس کا ادا کرنا فرض
قرار دیا گیا ہو۔ زکوٰۃ اور حج اُن لوگوں کے لئے ہیں۔ جو ان باتوں کی استطاعت
رکھتے ہیں +

(۵) رہا تقدیر کے متعلق۔ یورپین لوگوں کا اعتراض اس کا جواب یہ ہے
کہ جس طرح مسیحیت میں "تقدیر" کا اعتقاد ہے۔ اسلام میں اس کا نام ونشان بھی نہیں
افسوس یہ کہ یورپین اصحاب نے تقدیر کا ترجمہ (Fatalism) کر لیا ہے۔ اور اسی وجہ سے
غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور اسلامی عقیدہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ
نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے۔ اور اگر ہم اشیاء متمتع ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں
اُن کے اندازوں سے واقفیت حاصل کر لی چاہئے۔ ظاہر ہے۔ کہ جو کتاب یہ تعلیم
دیتی ہو کہ "یقیناً ہم نے انسان کو رستہ دکھا دیا ہے۔ تاکہ وہ شکر گزار ہو یا ناشکری کرے
(اسے اختیار ہے) (قرآن مجید ۷۶: ۳) وہ "قسمت" کی تعلیم ان معنوں میں کبھی نہیں دے سکتی
جن معنوں میں اعتراض کا موقع دیا ہے +

(۶) عربی زبان کے سیکھنے کے متعلق یہ ہے کہ ہر مسلمان کیلئے عربی سیکھنی لازمی نہیں ہے
عربوں کو چھوڑ کر بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو عربی جانتے ہیں۔ لیکن اگر آپ عربی سے
گھبراتے نہیں۔ تو ہمیں یقین ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہم آپ پر اسی طرح فخر کریں گے
جس طرح آج محمد مارما ڈیوک پکتھال پر کرتے ہیں +

(۷) آپ چند نو مسلموں سے متعارف ہونا چاہتے ہیں۔ میں [illegible] کا پتہ لکھتا ہوں

آپ اُن سے خط و کتابت کریں۔

یہ سب تو کچھ سمجھا ہے۔ وہ محض دوستانہ مشورے ہیں۔ اور مجھے اُمید ہے کہ یہ اشارات آپ جیسے قابل بھائی کیلئے کافی ہونگے۔ تاہم اگر کسی مسئلہ پر مزید روشنی درکار ہو تو آپ بلا تامل مجھے لکھیں۔ میں اپنی معلومات کے مطابق آپ کی امداد کے لئے تیار ہوں۔ اور حقیقی امداد تو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔

اگر آپ اپنے خط کو شائع کرنے کی اجازت دیں۔ تو ہم آپ کے بڑے شکرگزار ہونگے اور آپ ہمیں اپنی ذہنی ترقیات سے ضرور مطلع کرتے رہیں۔

آپ کا مخلص

آفتاب الدین احمد نائب امام ووکنگ

ایک اور امریکن خاتون کا قبولِ اسلام

از استنبول۔ ٹرکی
مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۳۱ء

بخدمت جناب امام صاحب مسجد ووکنگ انگلستان

میرے پیارے جناب! السلام علیکم۔ میں ۱۸ سال سے تقریباً دو گھنٹہ روزانہ میں ان کتب و رسالوں کا مطالعہ کرتی رہی ہوں۔ جو میں وقتاً فوقتاً آپ کے ادارہ سے خریدتی رہی ہوں۔ تمام مجھے ممالک متحدہ امریکہ میں ملتے رہے ہیں۔ ممالک متحدہ کو چھوڑنے سے پیشتر میں نے سال بھر کیلئے اسلامک ریویو جاری کرایا۔ جو اب میری والدہ مکرمہ کو برابر پہنچ رہا ہے۔ گذشتہ تین ماہ سے میں استنبول میں ہوں۔ اس عرصہ میں میرا نام فلورینس سے نادرہ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور یہ نام گورنمنٹ ٹرکی میں رجسٹری ہو چکا ہے۔ استنبول آنے سے ۱½ سال پیشتر میں سانفرانسسکو۔ کیلیفورنیا میں تھی۔ اور دسمبر گذشتہ میں میں باقاعدہ مسلمان ہو گئی ہوں۔ چھ سال پیشتر سے میں اسلام پر ایمان لے آئی ہوئی تھی لیکن چونکہ اسلام کے متعلق کافی معلومات نہ مل سکیں اسلئے مجھے اسے ترک کرنا پڑا۔ لیکن مسلسل مطالعہ اور تجربات زندگی سے میں پھر اسلام کی طرف لوٹ آئی۔ کیونکہ میں ایک مخلص جویائے حق تھی۔

آجکل میں ایک ترکی خاندان میں رہتی ہوں۔ اُن کی لڑکی مجھے ترکی سکھاتی ہے۔ اور میں اسے انگریزی کی تعلیم دیتی ہوں۔ یہاں بھی ابھی میرے لئے زبان کی بہت سی مشکلات ہیں۔ کیونکہ اس جگہ میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو فرانسیسی یا انگریزی بول سکتی ہو۔ لیکن میں بہت ترقی کر رہی ہوں۔ کیونکہ میں نے بڑی محنت سے ترکی زبان کا مطالعہ شروع کیا ہوا ہے۔

(آپ کی مخلص بہن نادرہ)

قرآن مجید کا انکار ایک منطقی غلطی ہے

بقلم خود حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

اگر حضرت موسیٰ خدا کے رسول ہیں تو یقیناً آنحضرت صلعم بھی دعویٰ رسالت کر سکتے ہیں اور اگر آپؐ کی صرف ایک اصلاح کو پیش نظر رکھا جائے جو شراب خوری سے متعلق ہے تو بھی ہم آپؐ کو خدا کا نبی تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے جملہ مسکرات سے اپنی اُمت کو نجات دیدی۔ اور ایک تہائی نسل آدم کو اس لعنت سے پاک کر دیا جسمیں آج مغرب مبتلا ہو کر جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے"۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو ۱۹۱۴ء میں کیکسٹن ہال لنڈن میں ایک نیک دل عیسائی کی زبان سے نکلے جبکہ وہ ایک مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے جو الجیریا اور طیونس میں شراب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کیلئے منعقد ہوا تھا۔ یہ ریمارک بالکل صحیح تھا۔ کیونکہ انبیاء محض معجزات دکھانے اور لوگوں کو متحیر کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے اُن کا مشن خصوصاً اصلاح ہُوا کرتا ہے۔ قرآن مجید نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ اور تمدنی حالت کو سنوارنے کیلئے بہت کچھ کیا۔ ہم چند امور کا اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) توحید باری:۔ توحید کی تعلیم اگرچہ قدیم الایام سے چلی آرہی تھی لیکن قرآن پاک نے توحید کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا۔ کہ اب کسی کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔ کہ کسی انسان کو "خدا" بنائے۔ بلکہ وہ ہستیاں بھی جو اسلام سے پہلے الوہیت کے مرتبہ پر فائز تھیں۔ اس درجہ سے نیچے گر گئیں۔ اور خدا کے بیٹوں کی نسل دُنیا سے منقطع ہو گئی۔ ہندوستان بھی شرک سے پاک ہوتا جاتا ہے۔ ان خود مسیحی کلیسیا بھی اسی طرف آرہی ہے۔

(۲) رسالت:۔ قرآن مجید نے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ مسلمان آنحضرت صلعم کو "خدا"

تسلیم کرائیں جیسا کہ پہلے کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "میں تو مثل تمہارے ایک انسان ہوں" اس احتیاط کی بناء پر وہ مشرکانہ خیالات جو پہلے زمانوں میں انبیاء کی شخصیت کے متعلق لوگوں کے دماغوں میں جاگزین ہو جاتے تھے سب کافور ہو گئے +

(۳) مساواتِ بین النّاس :- اس اصول کے قیام کے لئے قرآن کی جس قدر بھی تعریف کی جائے تھوڑی ہے۔ پیدائش نسل خون رنگ خاندان وغیرہ کی بناء پر لوگوں میں ادنےٰ اور اعلےٰ کا امتیاز پیدا ہو جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ترقی عمومی رُک جاتی تھی اگر اسلام نے توحید باری پر زور دیا تو مساوات بین النّاس کو ساتھ ساتھ پیش کیا۔ اسکی بدولت جو لوگ تمدنی لحاظ سے ادنےٰ تھے۔ وہ بھی بلند ترین مقام پر پہنچ گئے۔ اسلام نے ان تعصبات نسلی کے مٹا دینے کا تہیہ کر لیا، جو آج بھی دُنیا کے کثیر حصّہ پر مُسلّط ہیں۔ مغرب کی حکمران اقوام اپنے رعایا کے ساتھ بُرا سلوک کرتی ہیں۔ اور اسکی وجہ سے تمام دُنیا میں بےچینی پیدا ہو رہی ہے لیکن اس تعصب کی بدترین مثال ہندو مذہب میں ملتی ہے جس نے ہندوستان کی ایک تہائی آبادی کو اپنے ظُلم کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ہندوستان کے اصلی باشندے ہیں۔ اور ہندو اُن کو ہزاروں سال سے "اچھوت" قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ ان لوگوں کا سایہ بھی اگر کسی ہندو پر پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائیگا۔ ایسے لوگ جو اس رسم کے پیرو ہوں، کس طرح تہذیب کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ اسی سلسلہ میں قرآن نے عورتوں کے مرتبہ کو بھی بلند کیا۔ حتّٰی کہ اُسے مرد کے ہم پلّہ قرار دیدیا۔ سیاسی قیدیوں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک کا حکم دیا اور اُسے اجازت دی۔ کہ اپنی رہائی کے ذرائع تلاش کرے۔ انگلستان جو کبھی غُلامی اور غُلاموں کی تجارت کا حامی تھا۔ اب انسدادِ غلامی میں کسی قوم سے پیچھے نہیں ہے +

(۴) جمہُوریت :- اسلام بجا طور سے "بانیِ جمہوریت" کا لقب اختیار کر سکتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق آنحضرتؐ جمہُوری اصُولوں پر اپنی قوم پر حکُومت کرتے تھے۔ اور خُلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ طرز کامل ہو گئی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ جس حکومت میں رعایا کی آواز کا احترام نہیں، وہ حکُومت ہی نہیں +

(۵) تقدیسِ اعمال :- سابق مذاہب نے عقاید پر زور دیا۔ خواہ وہ عقاید اعمال کا لباس

اشتہار کریں یا نہ کریں۔ چونکہ یسوع نے ایک عورت سے کہا۔ تیرے ایمان نے تجھے بچا دیا
لیکن یہ طریق آئندہ عمل کو مضر ثابت ہوا۔ خون پر ایمان لانا ہی نجات کیلئے کافی سمجھ لیا گیا
اور اکثر حالات میں یہ مقولہ پیش نظر ہونے لگا۔ کہ گناہ کرو۔ تاکہ فضل نازل ہو۔ قرآن نے
ان تمام خیالات کا ابطال کیا۔ اور کسب کو محترم قرار دیا۔ رہبانیت کو مذموم ٹھیرایا +

(۶) **شفاعت**:۔ شفاعت کے عقیدہ نے دنیا کو صرف عمل کی قوت ہی سے محروم نہیں کیا
بلکہ ذمہ داری کی حس کو بھی کمزور کر دیا۔ شفاعت کے بھروسہ پر انسان گناہ کی طرف راغب ہو سکتا
ہے۔ چنانچہ قرآن نے سب سے پہلے اس عقیدہ کا ابطال کیا۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا
اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی خدا کے سامنے سفارش کر سکتا ہے۔ بیشک قرآن نے استثناء بھی کیا ہے لیکن
صرف نیکوکاروں کے حق میں جو اپنے رب کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ وہ صرف
انہی لوگوں کے حق میں سفارش کرینگے جو ارادہ الٰہی کے مطابق رحم کے مستحق ہیں +

(۷) **جملہ رسول منجانب اللہ ہیں**:۔ کوئی قوم ایسی نہیں جسمیں کوئی مذہب نہ ہو۔ اور اگرچہ
ہر مذہب اپنے منجانب اللہ ہونے کا مدعی ہے لیکن وہ دوسروں کے لئے اس امر کا روادار نہیں ہے۔
اسی وجہ سے لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ وہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اور اس وجہ سے
سوسائٹی کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور انسانی جماعت سے اخوت کا تخیل مفقود ہو گیا۔ قرآن مجید نے صلح عمومی
کی بشارت دی۔ اس نے اعلان کیا۔ کہ جملہ مذاہب خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ اور ان کے
بانیوں نے بلا استثناء الٰہی چشمہ سے پانی پیا تھا۔ اختلافات محض اس وقت ہوئے جبکہ وحی الہام ربانی
میں انسانی خیالات کی آمیزش ہو گئی +

پہلے اصول کو چھوڑ کر باقی ماندہ سارے کے سارے اصول اسلام ہی کے مرہون منت ہیں
اور وہ ہمارے اندر بہترین خیالات پیدا کرتے ہیں۔ اور نہایت دلپسند تہذیب کا موجب ہو سکتے ہیں
اگر موسیٰ اور دیگر انبیاء کو لوگوں نے خدا کا رسول تسلیم کیا۔ تو آنحضرت کو بدرجہ اولیٰ یہ حق پہنچتا ہے
کہ اپنی نبوت کا اعلان کریں۔ اور ہمیں لازم ہے۔ کہ ہم آپ کو خدا کا رسول تسلیم کر لیں
اور مندرجہ بالا اصولوں سے آپ کا یہ دعویٰ بخوبی پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے +

ہدیۂ تہنیت

ہم اپنے مصری بھائیوں کو ہدیۂ تبریک و تہنیت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آخر ان میں احساس اسلامی و ملی پیدا ہُوا۔ رفتار زمانہ نے، اسلام کو اصلی اور حقیقی شکل و صورت میں یورپین اقوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت حقّہ کو آخر کار اُن پر منکشف کر دیا۔ بہر حال صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو غنیمت ہے +

جامعۃ الازہر اپنی شدید قدامت پرستی کیلئے شہرہ آفاق ہے۔ اس نے آخر کار اپنے ماہوار مجلہ "نور الاسلام" کے ساتھ انگریزی زبان میں چند صفحات ضم کرنے ہی ضروری سمجھے۔ انکے معزز اراکین کی طرف سے اس کے متعلق جو تحریر شائع ہوئی ہے۔ اس کے دلچسپ حصہ کا اقتباس ناظرین کرام کے ملاحظہ کیلئے ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

ہمارے بیرونی ممالک کے مسلمانوں بھائیوں کی متعدد استدعا کے جواب میں آئندہ سے مجلہ نور الاسلام" جسے جامع ازہر شائع کرتی ہے۔ پھر اُن دوستوں کے لئے جو عربی سے محض نابلد ہیں انگریزی میں چند صفحات مختص کر دیئے گئے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں نمونہ کے دو رسالے ارسال کرتے ہیں جنہیں آپ پڑھ کر مسرور ہونگے۔ اور اُنھیں از راہ کرم ان احباب میں تقسیم فرمائیں جو اشاعت اسلام کے مسئلہ میں دلچسپی لیتے ہیں +

ہم جملہ برادران اسلام سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ عربی زبان سیکھنے کیلئے رسالہ نور الاسلام سے فائدہ اُٹھائیں کیونکہ عربی وہ مبارک زبان ہے جسمیں قرآن کریم نازل ہُوا۔ اس کے تمام مروجہ تراجم اس رفیع الشان معانی اور زبان کی حقیقی فصاحت و بلاغت کو ادا کرنے سے قطعاً قاصر ہیں۔ جو اسکی عبارت کے اندر مسطور ہے +

اشاعت اسلام۔ اس پر ہمیں کسی ادارتی تنقید کی چنداں ضرورت نہیں حالات حاضرہ میں جس ماحول کے اندر ہم محصور ہوئے ہیں ہم اس کی انتظار نہیں کر سکتے۔ کہ دنیا پہلے عربی زبان سیکھ لے۔ تو پھر ہم پیام اسلام اُن تک پہنچائیں بحیثیت مسلم یہ تو ہمارا محکم ایمان ہے۔ کہ عربی زبان ہی کسی وقت عالمگیر زبان ہوگی۔ جیسا کہ کسی وقت تھی لیکن اس اُمید

کو پھیلانے کیلئے ہمیں اس وقت مروجہ ذرائع سے استفادہ اٹھا کر غیر مسلم طبقوں میں جذبۂ
اسلام کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

مجلہ "التقوے" قاہرہ کے مدیر صاحب نے ایک چھوٹا سا رسالہ "رباعیات"
انگریزی اور فرانسیسی زبان میں شائع کیا ہے۔ جو کہ مفت عیسائیوں کے حلقہ میں مفت تقسیم
ہو رہا ہے انھوں نے از راہِ لطف ہمیں بھی اسکی متعدد کاپیاں مفت اشاعت کیلئے
ارسال فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ دنیائے اسلام میں اب دین کی اشاعت
کی اہمیت کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ اور اکابرین اسلام بیرون از ہندوستان نے اس
حقیقت نفس الامری کو محسوس کر لیا ہے۔ کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت میں ہی فلاح مسلمانوں
کی حفاظت و صیانت و مرفع الحالی کا راز مضمر ہے۔ ہندوستان کے ایک کمزور و نحیف مسلم
جماعت نے خوش قسمتی سے اس ضرورت حقہ کو ایسے وقت محسوس کر لیا۔ جبکہ بقیہ دنیائے
اسلام اس کی طرف سے بالکل غفلت شعاری میں پڑی ہوئی تھی۔ اور دین کی اشاعت
پر پھبتیاں اڑاتی تھی۔ ہمیں یاد ہے۔ کہ آج سے چند سال پیشتر حضرت مولینا مولوی محمد علی صاحب
کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو مصر کے ارباب بغض و حساد نے واہمہ پر نذر آتش کر دیا کہ غیر مسلمین
کی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا کفر و الحاد ہے۔ ہم نے نیز یہ بھی سنا ہے
کہ مشہور و معروف نومسلم جناب مسٹر مارمیڈیوک پکتھال صاحب کے ترجمہ کا بھی ابھی
تک مصر میں داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم نے اسی
رسالہ [illegible] کے سرورق پر جسے التقوی کے مدیر نے شائع کیا ہے
سورہ مائدہ کی دو آیات کریمہ لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ جس کا انگریزی ترجمہ
حضرت مولوی محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ سے لیا گیا ہے۔
بہر حال حالات حاضرہ میں یہ امور یقیناً خوش آئیند ہیں۔ یہ امور مسلمانوں کی
[illegible] وسعت قلبی اور جامع نظری کے [illegible]

(۱) [illegible]
(۲) [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تار کا پتہ:۔ اسلام۔ لاہور (پنجاب)

از دفتر دی ووکنگ مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

عزیز منزل ۔ برانڈرتھ روڈ ۔ لاہور (پنجاب)

برادر مکرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رجب المرجب ۔ زکوٰۃ کا ماہ مبارک آنے کو ہے ۔ جو ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو شروع ہوگا مسلم خیرات وحسنات کو اگر مناسب و منظم طریق سے فراہم کر کے صحیح مصرف میں لایا جائے ۔ تو بہت سی قومی ضروریات کیلئے مکتفی ہو سکتی ہے ۔

یہ امر ایک گونہ باعث مسرت ہے ۔ کہ ہمارے مسلم بھائیوں میں سے بہت سے احباب نے اس اہم اسلامی فریضہ کی اہمیت کو اب کما حقہٗ محسوس کر لیا ہے ۔ لیکن تاہم ہم میں کا ابھی ایک کثیر حصہ اگرچہ دوسرے خیراتی کاموں میں بہت ہی مخیر واقع ہوا ہے لیکن اس اہم فریضہ اسلام کی طرف سے ابھی تک تغافل شعاری ہی برت رہا ہے

قرآن مجید اور حضرت رسالت مآب نبی کریم صلعم نے فریضہ زکوٰۃ پر خاص زور دیا ہے ۔ نیز کلام پاک یہ بھی فرماتا ہے ۔ کہ ہماری قومی زندگی کا استحکام و بقا کا حصر بہت حد تک خیرات و صدقات پر ہی ہے ۔ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف قرار دیئے ہیں ۔ اور انہی اغراض ومقاصد مندرجہ قرآنی پر ہی ہماری زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے ۔ وہ آٹھ مصارف زکوٰۃ بالفاظ قرآن کریم ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین والعٰملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ۔

ترجمہ ۔ خیرات کا مال تو بس فقیروں کا حق ہے ۔ اور محتاجوں کا اور ان کارکنوں کا جو مال خیرات وصول کرنے پر تعینات ہیں ۔ اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا منظور ہے ۔ اور نیز قید غلامی پر غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضے میں اور نیز خدا کی راہ میں اور نیز مسافروں کے زاد راہ [illegible]

ہوئے ہیں۔ اور اللہ جاننے والا اور صاحب تدبیر ہے (سورۃ التوبہ آیت ۶۰)+
مندرجہ بالا متبرک الفاظ قرآنی سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہماری زکوٰۃ کی زیادہ رقم اشاعت اسلام میں صرف ہونی چاہئے۔ کیونکہ قومی سُود و بہبود حسب فرمودہ قرآن اسی میں مضمر ہے[۱] +

یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ کہ اشاعت اسلام کا جو عظیم الشان کام یورپ میں گزشتہ انیس سال سے مسلم مشن ووکنگ (انگلستان) کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ وہ ان تمام اسلامی تحریکات سے بہت ہی کامیاب ثابت ہو چکا ہے جو ہم نے اپنی قومی سُود و بہبود کی خاطر صدی کے گذشتہ رُبع میں جاری کیں۔ اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہم ان سبھی تحریکات و سبھی سیاسی سرگرمیوں میں دوسروں سے ناکام و نامراد رہے۔

یہ بھی اب ایک حقیقتِ مُثبتّہ ہو چکی ہے۔ کہ ہندوستان میں ہماری سیاسی بقا و قیام کا حصر اب اس پر آ رہا ہے۔ کہ حاکم قوم کی عامہ رائے کو ہم اپنے مفید بنانے کی فکر کریں اور خصوصاً ایسے وقت پر جبکہ خود یہی مسئلہ اہل برطانیہ کے زیر غور ہے +

اسلام کی تعلیم ایک اجنبی حکومت کیلئے رحمت ہے۔ البتّہ اہل برطانیہ ابھی تک اس تعلیم سے کما حقّہٗ واقف نہیں ہوئے۔ اور جُوں جُوں واقف ہوتے جائیںگے۔ اسلام کے قیام اور اسکی ترویج کو ہی وہ اپنی قوّت کا مُوجب سمجھیںگے۔ برطانوی رائے کو اپنے مفید مطلب بنانے کے لئے سب سے احسن طریق یہی ہے۔ کہ اُن کے مُلک میں اسلام کی تبلیغ کی جائے

---

[۱] وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
ترجمہ۔ اور چاہئے۔ کہ تم میں سے ایک گروہ ہو۔ جو بھلائی کی طرف بُلائیں۔ اور اچھے کاموں کا حکم دیں۔ اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونیوالے ہیں +
یعنی اگر تم فلاح چاہتے ہو۔ تو اشاعت اسلام کرو۔ فلاح کے معنوں میں بروئے لغت عرب وقرآن ہر ایک قسم کی انسانی کامیابی شامل ہے جس سے سیاسی کامیابی باہر نہیں۔ ہر ملک میں کسی قوم کی شماری طاقت ہی بہت حد تک اسکی پولیٹیکل فلاح کا موجب ہو سکتی ہے۔ اور اس شماری طاقت بڑھانے کا بہترین ذریعہ اشاعت و تبلیغ ہے۔ جو کسی مذہب کی تعلیم میں موجود نہیں۔ ہاں اسلام کی دیکھا دیکھی دو صدی سے عیسائیوں کو یہ سمجھ آئی۔ اور اب ہندو صاحبان نے ان کی اتباع کی۔ لیکن مسلم اس فرض اولین سے غافل ہو گئے +

خواجہ کمال الدین

اور ان میں سے ایک کثیر حصہ کو مسلمان کر لیا جاوے۔ اور یہ بہ آسانی ہو سکتا ہے لیکن ہمارے مالی ذرائع اشاعت بالکل محدود ہیں۔ اگر ہم اسلامی تعلیم کی تبلیغ ایک وسیع پیمانہ پر کر سکیں۔ اور وہاں کے لوگوں کو یہ دکھلا سکیں۔ کہ اسلام سے اجنبی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ قبولِ اسلام وہاں کے وطنیت کے صحیح جذبات کو کمزور کرتی ہے۔ بلکہ اسلام نے تو حبِّ وطن کو ایمانیات میں رکھا۔ تو یہ یقینی امر سمجھئے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر منقبت در برطانوی حلقہ بگوشِ اسلام ہو سکتے ہیں کہ جن کا اثر برطانوی پالیسی پر معتد بہ ہوگا +

جو مفید نتائج قومِ حکام کے افراد کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ دیگر ذرائع سے حاصل نہ ہونگے۔ اگر حکام کی رائے کو اپنے مفید بنانا کسی نیت کو ضرور چاہتا ہے۔ تو بہترین اور مؤثر نیابت وہی ہو سکتی ہے۔ کہ افرادِ قوم حاکم ہی ہمارے نائب ہوں۔ اہلِ برطانیہ مسلمان ہونے کے بعد نہ صرف ہمارے نائب ہی ہونگے۔ بلکہ وہ اپنی سچی داستان کو اپنے ہموطنوں کے سامنے طاقت و شوکت کے ساتھ کہینگے +

انگلستان میں اسلام کا پھیل جانا۔ ایک روشن حقیقت ہے۔ وہاں کا طبقہ امراء اسلام میں شامل ہوتا جاتا ہے۔ غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں۔ اسلام کے متعلق قدردانانہ نگاہ سے استفسار شروع ہو رہا ہے۔ بالمقابل انھیں اپنے مذہب سے تنفر ہے۔ پھر ہم کس دن کے منتظر ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے اشاعت اسلام کو ہمارے فرائض اولین میں ٹھیرایا۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں۔ کہ اس وقت انگلستان میں **اشاعتِ اسلام** ایک پولیٹیکل ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت حقہ بہ آسانی پوری ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے مسلم بھائی ذیل کے امور پر غور فرمائیں:۔

(۱) قرآن مجید نے اسلام کی اشاعت مسلمانوں کے ذمہ ڈالی ہے۔

(۲) کلام پاک نے ہم پر زکوٰۃ ایک فریضہ قرار دی ہے۔ اور قرآن کریم کا منشا ہے۔ کہ

زکوٰۃ میں سے ایک معتد بہ رقم اسلام کی اشاعت میں ہم صرف کریں +

(۳) **مُسلم مشن ووکنگ** - اشاعتِ اسلام کے لئے۔ یورپ میں ایک فیصلہ کُن و مُسلّمہ کامیاب مشن ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر زکوٰۃ کی ایک معتد بہ رقم سے اس مشن کے فنڈس کو مالی تقویت پہنچائی جائے۔ تو تبلیغ کے میدان میں محیرّ العقول و شاندار نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔

(۴) زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت اب قریب ہے۔ اس لئے میں آپ سے مؤدّبانہ ملتجی ہوں۔ کہ اپنی اور اپنے دوست و احباب کی زکوٰۃ کا ایک معتد بہ حصہ مشن ووکنگ کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے لئے مشن ووکنگ کو بھیج دیں +

لاہور
۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء

خادم
خواجہ کمال الدین
بانئ مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

ضروری نوٹ:- تمام ترسیل زر بنام فنانشل سکرٹری دی مسلم مشن ووکنگ اینڈ لٹریری ٹرسٹ عزیز منزل - برانڈرتھ روڈ - لاہور (پنجاب)

۸۰۹۶

مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور

تمدنِ اسلام

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

موضوع بالا پر حضرت خواجہ صاحب موصوف نے قرآن کریم پر ایک کتاب لکھنی شروع فرمادی ہے۔ جس میں آپ قرآنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کرینگے جس سے ظاہر ہوگا۔ کہ اسلام ہی اس وقت ایسا زندہ جاوید مذہب ہے۔ جو دنیا کو مصائب حاضرہ سے بچا سکتا ہے۔ محترم و مکرم حضرت خواجہ صاحب ممدوح نے گذشتہ سترہ سالوں میں مغربی رجحان طبع کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہے۔ ہمیں امید کامل ہے۔ کہ یہ کتاب اہل مغرب کے دل میں کھب جائیگی۔ اور اس سے اسلام کے متعلق اہل مغرب کے قلوب میں ایک روادارانہ فضا پیدا ہو جائیگی۔ اور ان کے دل اسلام سے مسحور ہو جائینگے یہ کتاب انکے دل میں مطالعہ قرآن کی ایک حقیقی و سچی تڑپ پیدا کر دیگی۔ جس سے انشاء اللہ حسب دلخواہ شاندار نتائج مرتب ہوں ہمیں یقین کامل ہے کہ کتاب مذکورہ کے مضامین جو بالاقساط فی الحال رسالہ اسلامک ریویو میں شائع ہو رہے ہیں۔ اور جن کا اردو ترجمہ رسالہ اشاعت اسلام لاہور میں شائع ہو رہا ہے۔ اہل مغرب و دیگر تشنگان مذہب حقہ کو قائل کر دینگے کہ اسلام ہی دنیا میں ایک سچا مذہب ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ کتاب مذکورہ کی یورپ میں کثرت سے مفت اشاعت ہو۔

اپنے نتائج تبلیغ میں دو بے نظیر کتابیں

جن شاندار نتائج نے مصنف کو تمدن اسلام کے لکھنے پر آمادہ کیا

یعنی

ینابیع المسیحیت و نبوت کا ظہور اتم

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانئے مسلم مشن ووکنگ

یہ وہ دو کتابیں ہیں جن میں سے اول الذکر کتاب نے عیسائی مذہب کا کامل انہدام کیا [illegible] مغربی قلوب میں اس انہدام کے بعد قبولیت اسلام شروع ہوگئی۔ گویا ینابیع المسیحیت نے ثابت کر دیا کہ موجودہ عیسائیت کا ایک ایک عقیدہ مثلاً ابنیت۔ الوہیت۔ کفارہ۔ مسیح ان میں ایک بھی ایسی رسم نہیں [illegible] ایک بھی تہوار مثلاً کرسمس۔ ایسٹر

[illegible] فرائڈ رے وغیرہ جیسے [illegible] سے پہلے [illegible] ثابت کیا [illegible]

تھے کہ جناب مسیح کے بیس ایک نام جو کلیسیا نے تجویز کئے ہوئے ہیں در اصل وہ صفات جو انجیل
نویسوں نے جناب مسیح کی طرف منسوب کئے ہیں وہ سب کے قبیل اور مسیح کنواری زادہ دیوتاؤں کے نام
تھے۔ اور وہ الفاظ بھی ان ہی کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ گویا مروجہ عیسائیت کفریات کا ایک کامل
مجموعہ ہے۔ یہ بدیہہ ہے کہ یہ واقعات جن کو مستند طریق پر ثابت کیا گیا ہے۔ جو آج سات برس تک
لاجواب رہے ہیں۔ وہ عیسائیوں کو اپنے مذہب سے بیزار کرنے کیلئے کافی تھے۔ چنانچہ منبر میں لیہ شروع ہو گیا
اس ابتدائی کتاب کے بعد فاضل مصنف نے ضروری سمجھا کہ ایسے لوگوں کے سامنے حضرت محمدؐ عربی کو
پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے انگریزی میں ایک کتاب آئیڈیل پرافٹ لکھی جس نے آنحضرت صلعم کی زندگی کے
مختلف پہلوؤں کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ مصنف کی ان دو کتابوں نے جو
نتائج پیدا کئے ہیں وہ شاید ہی کسی اور کتاب سے مرتب ہوئے ہوں۔ دوسری اور نفوس ان کتابوں
کو پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ در اصل ان ہی دو کتابوں نے مصنف کو تعلیم قرآن پر ایک کتاب لکھنے کیلئے مجبور
کیا۔ جو اب تمدن اسلام کی شکل میں پیش ہوتی ہے۔ یہ تینوں کتابیں اس قابل ہیں۔ کہ کوئی مسلم گھران
سے خالی نہ ہو۔ ان کے مطالب تو خود بخود اپنی علو شان ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ کتابیں اپنی زبان کے لحاظ سے بھی
انگریزی و اردو کا ایک بہترین لٹریچر ہیں۔ پھر پیرایہ بیان کچھ ایسا دلچسپ ہے۔ کہ شروع کر کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا
یہ اشتہاری الفاظ نہیں۔ اس کا ثبوت اسی کتاب **تمدنِ اسلام** سے مل سکتا ہے۔ لکھائی
چھپائی تقطیع۔ کاغذ۔ حجم سب کے سب صحافت کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ پھر ان سب باتوں کے باوجود ان
کتابوں کی اشاعت عامہ کی خاطر قیمت میں بہت رعایت کی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

ینابیع المسیحیت	نبوت کا ظہور اتم	تمدنِ اسلام
۱۲؍	عہ؍	علاوہ [illegible] حصہ دوم

ذیل کے پتہ سے کتب مل سکتی ہیں

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ۔ لاہور